

خلفائے راشدینؓ



شاہ معین الدین احمد ندوی



مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا

سلسلۂ دار المصنفین

خلفائے راشدینؓ

اوّلاً خلافت راشدہ کے خصائص وحقائق پر ایک مقدمہ ہے، اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان ذی النورینؓ، اور علی مرتضیٰؓ کے سوانح حیات، اور ان کے سیاسی انتظامی، مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کی تفصیل اور ان کے عہد کے ملکی فتوحات کا تذکرہ ہے

از
حاجی معین الدین صاحب ندوی
سابق رفیق دار المصنفین

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ
سنہ ۱۳۴۶ھ
۱۹۲۷ء

فہرست مضامین خلفائے راشدینؓ

ذاتی حالات

۲۱۴ - ۲۱۶

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

۲۱۷ - ۳۲۸

غزوات اور دیگر حالات

۲۲۴ - ۲۷۵

کارنامے

فضل وکمال

اخلاق وعادات اور ذاتی حالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصحابہ رضی اللہ عنہم

سیرۃ النبی صلعم کے ساتھ ساتھ ارکان دار المصنفین کو خیال آیا کہ صحابہ کرامؓ جو اصل میں تعلیم محمدیؐ کی عملی مثال اور پیغمبر اسلامؐ کے فیض تربیت کے اصلی نمونہ تھے، ان کی سیرتیں بھی ترتیب دی جائیں تاکہ اسلام کی اصلی عملی زندگی مسلمانوں کے سامنے آجائے، چنانچہ ہمارے متعدد رفقا نے اس مقدس کام کی شرکت کی، اور بحمد اللہ کہ اس کو تکمیل اور اتمام کو پہونچایا۔

صحابہ کی دو بڑی تقسیمیں ہیں، مہاجرین اور انصار، اسی اصول پر سیر الصحابہ کے دو حصے قرار دیے گئے، سیر المہاجرین اور سیر الانصار، دوسرا حصہ یعنی سیر الانصار دو جلدوں میں چھپکر چند سال ہوے کہ شایع ہوچکا، اسی کے ساتھ مہاجرہ اور انصاریہ دونوں قسم کی صحابیات کی ایک خاص جلد بھی شایع ہوچکی، صحابہ بحیثیت صحابہ کے ان کی مذہبی، اخلاقی، سیاسی، انتظامی زندگی کا مجموعہ اسوۂ صحابہ کے نام سے دو جلدوں میں چھپکر مقبول ہوچکا ہے، غرض اسوقت تک اس سلسلے کے حسب ذیل حصے اشاعت پذیر ہوچکے ہیں،

۱۔ سیر الانصار، جلد اول، جسمیں حروف تہجی کی ترتیب سے الف سے لیکر س تک کے نام مشاہیر

انصار کے سوانح ہین، اور شروع مین انصار کی قبل از اسلام زندگی کی تاریخ ہے،

۲۔ **سیر الانصار**، جلد دوم، جسمین س سے ی تک تمام اکابر انصار کے احوال وسوانح ہین،

۳۔ **سیر الصحابیات**، مہاجرہ اور انصاریہ ہر قسم کی صحابیہ عورتون کے حالات،

۴۔ **اسوۂ صحابہ جلد اول**، اس مین تمام صحابہ کے عقائد، عبادات، اور اخلاق وفضائل کی عملی مثالین جمع کی گئی ہین،

۵۔ **اسوۂ صحابہ جلد دوم**، اس مین صحابہ کے علمی، تعلیمی، سیاسی اور انتظامی کارنامے جمع کیے گئے ہین،

مہاجرین کے احوال وسوانح کی ترتیب وتالیف ہمارے فاضل رفیق حاجی معین الدین صاحب ندوی نے اپنے ذمہ لی تھی، لیکن وہ ابھی نصف حصہ بھی ختم کرنے نہ پائے تھے کہ ان کا انتخاب کتبخانہ ندوۃ العلماء کی ترتیب فہرست کیلئے عمل مین آیا، وہان سے تقدیر ان کو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتبخانہ مین کلکتہ لیگئی، اور چند سال ہوئے کہ پبلک اورینٹل لائبریری پٹنہ مین لے آئی، اپنے عہدہ کے خدمات کی بجاآوری مین ان کا انہماک اس درجہ رہا، کہ سیر المہاجرین کے ناتمام مسودہ کی تکمیل سے اُن کو دست کش ہونا پڑا، حسن اتفاق ہے کہ اس خدمت کیلئے اُنھین کے ایک ہمنام مدرسی بھائی کے نام قرعۂ فال نکلا، جو اس کام کو پوری مستعدی سے انجام دے رہے ہین،

سیر المہاجرین کے متعدد حصے ہونگے جنمین سے یہ پہلا حصہ خلفائے راشدین کے نام سے آپکے سامنے ہے، مہاجرین بلکہ صحابہ مین ان چارون بزرگون کو جو اہمیت حاصل ہے وہ انکی ایک مستقل تاریخ کی مقتضی تھی، اسی لیے اس حصہ مین کسی اور مہاجر صحابی کا اضافہ نہین کیا گیا، اور نہ انکے لیے حروف تہجی کی ترتیب کی رعایت کیگئی، ان خلفائے اربعہ کے یہ حالات اسطرح لکھے گئے ہین کہ اُن کے ذاتی احوال وسوانح اور اخلاق وفضائل کے ساتھ ان کے عہد کی سیاسی وانتظامی تاریخ بھی نظر کے سامنے آجائے، اس بنا پر یہ خلفائے راشدین کے حالات کے ساتھ خلافت راشدہ کے عہد کی پوری تاریخ بھی ہے،

مؤلف نے اسکی کوشش کی ہے کہ جہان تک ممکن ہو حالات احادیث کی کتابوں سے اخذ کیے جائین جہان

اسمین ناکامی ہوئی ہے وہان تاریخ کی ستند کتابون، اخبار الطوال تاریخ طبری ابن اثیر ابن خلدون اور تاریخ الخلفاء وغیرہ سے مدد لی ہے لیکن نسخہ ایسے موقع کم آئے ہین،

افسوس ہے کہ دوران طباعت مین حضرت ابوبکرؓ کے حالات مین ۴۰ صفحے، ۴۹ سے ۸۸ تک چھوٹ گئے تھے جو بعد مین ۴۹ الف کرکے ۸۸ الف تک بڑھائے گئے ہین، مضامین کی ترتیب مین کوئی فرق نہین ہے بلکہ صرف ہندسون کا اضافہ ہے اسطرح یہ کتاب ۳۳۰ کے بجائے درحقیقت ۳۷۰ صفحون پر تمام ہوئی ہے،

سید سلیمان ندوی

ناظم دار المصنفین

۱۵ صفر ۱۳۴۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ الطاہرین خلفائہ الراشدین

اس سے پہلے کہ خلفائے راشدین کے حالات پڑھے جائیں ضرورت ہے کہ خلافت راشدہ کا مفہوم و منشا سمجھ لیا جائے، خلافت کے لغوی معنی "جانشینی" اور "کسی کی جگہ پر اس کے بعد بیٹھنے" کے ہیں یہ لفظ خود اپنے مفہوم و منشا کو ظاہر کر رہا ہے، کہ وہ ایک اصل کا سایہ ایک آئینہ کا عکس اور ایک حقیقی منصب کی قائم مقامی ہے اسی کو امام کے لفظ سے بھی کبھی تعبیر کیا جاتا ہے، اور یہ دونوں لفظ خلیفہ اور امام ایک ہی شخص کی دو مختلف حیثیتوں کو ظاہر کرتے ہیں اپنے پیشرو کے نائب اور قائم مقام ہونے کے لحاظ سے وہ خلیفہ اور اپنے زمانہ کے پیروؤں کے لحاظ سے وہ امام اور پیشوا ہے، اس بنا پر درحقیقت خلافت و امامت پیغمبر کی قائم مقامی اور اس کے بعد اس کی امت کی پیشوائی ہے صحیحین میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں انبیاء اور پیغمبر سیاست کرتے تھے، جب ایک پیغمبر مرتا تھا تو دوسرا پیغمبر پیدا ہوتا تھا لیکن پیغمبری اب ختم ہوگئی تم میں خلفاء ہوں گے"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت پیغمبری کی نیابت اور قائم مقامی ہے، اور نبوت کے بعد اسلام میں یہ سب سے بڑا درجہ اور رتبہ ہے، اور اسی لیے ان امور میں جن کی نسبت پیغمبر کی وحی اور فیصلہ موجود نہ ہو، اس کا حکم اور فیصلہ بھی واجب الاطاعۃ ہے، آپ نے فرمایا کہ "میرے بعد میرے ہدایت پائے ہوئے جانشینوں کی پیروی کرو"، اسی لیے ایک پیغمبر کے انتخاب کے لیے ظاہری حیثیت سے اسکی سیاسی و انتظامی استعداد و صلاحیت کو دیکھا جائے اس سے بہت زیادہ اس کے اندر پیغمبرانہ صحبت کی اثر پذیرائی، اور اس کے روحانی و علمی و اخلاقی فضائل و مناقب کی تلاش کرنی چاہیے

ان چار بزرگون کا درجہ بدرجہ اس منصبِ اعظم کے لیے انتخاب اس نقطۂ نظر کی تشریح و تصریح ہے،

اسلام مین خلافت کے فرائض اسقدر وسیع اور عالمگیر ہین کہ تمام دینی و دنیوی مقاصد کی تکمیل اُس کے تحت مین آجاتی ہے، لیکن ان کی اجمالی تشریح صرف ایک فقرہ مین کی جاسکتی ہو یعنی پیغمبر کے کامون کو قائم اور باقی اور ہر خارجی آمیزش سے پاک وصاف رکھنا، اور اُن کو ترقی دینا، یہ فقرہ ایک لفظ مین بھی سما سکتا ہے یعنی "اقامتِ دین" لیکن یہ لفظ خود اس قدر وسیع ہو کہ تمام دینی و دنیوی مقاصد کو شامل ہوجاتا ہے، اور اقامتِ ارکان اسلام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، امر بالمعروف نہی عن المنکر، جہاد، نصب قضاۃ، اقامتِ حدود اور وعظ و پند و تعلیم وغیرہ سب اس کے جزئیات مین داخل ہوجاتے ہین، رسول اللہ صلعم کی پاک زندگی انہین مقاصد کی تکمیل مین صرف ہوئی، اور آپ کے بعد جو لوگ آپ کے خلیفہ و جانشین ہوئے اُنھون نے بھی اپنی زندگی کو انھین مقاصد کی تکمیل کیلیے وقف کیا، خلفائے بلکہ خود رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک مین اگرچہ ان مقاصد کی تکمیل کیلیے الگ الگ اشخاص مقرر تھے، مثلاً نماز کی امامت اور صدقات و زکوٰۃ کے وصول کرنے کا کام مخصوص اشخاص سے متعلق تھا، برائیون پر روک ٹوک کرنے کے لیے اور اشخاص معین تھے، مقدمات کے فیصلہ کا کام مخصوص اشخاص سے لیا جاتا تھا، قرآن و سنت کی تعلیم اور لوگ دیتے تھے لیکن خلافت کی تعریف ان تمام مقاصد کو شامل ہے اس لیے ان اشخاص کیلیے متفرق طور پر جن اوصاف کی ضرورت ہے، خلیفہ کو اُن سب کا جامع ہونا چاہیے لیکن ان ظاہری اوصاف کے علاوہ روحانی فضائل کے لحاظ سے خلیفہ مین پیغمبرانہ تعلیم و تاثیر کا فیضان پورے جوش کے ساتھ جاری رہتا ہے، پیغمبر جن لوگون مین اس قسم کی روحانی استعداد دیکھتا ہے اشارات و تلویحات کے ذریعہ سے انھین کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرتا ہے، زمانہ کے انقلاب اور حالات کے تغیر نے اسلام کے حقیقی نصب العین کو چالیس سال کے بعد بدل دیا اور ان لوگون کے ہاتھون مین یہ منصب آیا جو اندرونی و باطنی و روحانی حیثیت سے اس منصب کے لائق نہ تھے، بلکہ انکو صرف

ظاہری طور پر ثقہ، متدین، پاکباز، پابند ارکان اسلام اور عالم بالکتاب والسنتہ دیکھ کر امام وخلیفہ تسلیم کر لیا گیا، لیکن ایک پیغمبر کی نگاہ ان ظاہری صفات کے ساتھ مخصوص روحانی فضائل وکمالات پر بھی پڑتی ہے اور انھین فضائل وکمالات کے لحاظ سے قرآن وحدیث مین ایسے مخصوص اشارات پائے جاتے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کاملہ کا حقیقی مستحق صرف صحابہ کا گروہ تھا، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ خداوند تعالی نے اپنے بندون کے دل دیکھے تو اُن مین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو سب سے بہتر پایا، اس لیے اس کو چن لیا اور آپ کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا، پھر آپ کے دل کے بعد اپنے بندون کے دل دیکھے تو آپ کے اصحاب کے دل کو سب سے بہتر پایا، اس لیے اُن کو آپ کا وزیر بنایا جو آپ کے دین کی حفاظت کیلیے جنگ کرتے ہین؛

لیکن یہ ظاہر ہے کہ صحابہ کا پورا گروہ خلیفہ نہین ہو سکتا تھا، اس لیے خود اس گروہ مین ایسے مخصوص قیود واوصاف کا اضافہ کیا گیا، جس سے خلافت کا مفہوم خدا ورسول کے منشا کے مطابق محدود ہوکر بالکل مکمل ہوجاے اور جن لوگون مین یہ اوصاف موجود ہون اُن کی نسبت یہ اطمینان حاصل ہوسکے کہ وہ خلافت کو صحیح اصول پر چلائینگے، چنانچہ قرآن وحدیث کے اشارات وتلویحات سے خلافت کے مفہوم کی تکمیل کے لیے جن مخصوص اوصاف کی ضرورت ہے وہ یہ ہین؛

(۱) کہ خلیفہ مہاجرین اولین مین سے ہو، صلح حدیبیہ اور دوسرے اہم غزوات مثلاً بدر وتبوک مین شامل اور سورۂ نور کے اترنے کے وقت موجود رہا ہو، چنانچہ خداوند تعالی مہاجرین اولین کے متعلق فرماتا ہے؛

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ	وہ لوگ جنکو اگر ہم زمین مین جگہ دینگے تو یہ لوگ نماز قائم کرینگے
وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ	زکوۃ دینگے، نیکی کا حکم دینگے اور برائی سے روکین گے

اور یہ تمام چیزیں مقاصدِ خلافت میں شامل ہیں،

شرکائے صلح حدیبیہ کی نسبت ارشاد ہوتا ہے،

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ الخ محمد رسول اللہ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں،

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس گروہ کے ذریعہ سے اعلاء کلمۃ اللہ ہوگا جو خلافت کا سب سے بڑا مقصد ہے،

جو لوگ سورۂ نور کے اُترنے کے وقت موجود تھے ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے،

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے ان سے خدا نے
لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ	وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی	خلیفہ بنا چکا ہے جو اُن سے پہلے تھے اور اُنکے اس دین کو جو
ارْتَضٰى لَهُمْ (نور ع)	اُن کے لیے پسند کیا ہے مضبوط کر دیگا،

اب اس آیت میں "منکم" کے لفظ سے وہی جماعت مراد ہے جو اس موقع پر موجود تھی، ورنہ اگر عام مسلمان مراد ہوتے تو ایمان و عملِ صالح کے لحاظ کے ساتھ یہ لفظ بیکار ہو جاتا، بہر حال اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مخصوص جماعت سے خدا نے خلافت کا وعدہ کیا ہے، اور اس کے ذریعہ سے دین کو استحکام حاصل ہوگا،

شرکائے بدر و تبوک کے فضائل میں بھی اس قسم کی آیات و احادیث وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کیلئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ اُن میں موجود تھے،

(۲) وہ بشرِ بالغ ہو،

(۳) وہ اُمّت کے طبقۂ علیا یعنی صدیقین شہدا، صالحین اور محدثین میں شامل ہو، اور جنت میں اس کا درجہ بلند ہو،

(۴) رسول اللہ صلعم کا معاملہ اُس کے ساتھ ایسا ہو جیسا کہ ایک مستحقِ خلافت کے ساتھ ہو سکتا ہے مثلاً آپ نے اُس کے استحقاقِ خلافت کا ذکر کیا ہو ایسے قرائن بیان فرمائے ہون جن سے فقہاء صحابہ نے یہ سمجھا ہو کہ اگر آپ خلیفہ بناتے تو اسی شخص کو بناتے، جو کام نبوت سے تعلق رکھتے ہین آپ نے اپنی زندگی مین اس سے لیے ہون،

(۵) خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم سے جو وعدے کیے ہون وہ اس کی ذات سے پورے ہون،

(۶) اس کا قول حجت ہو،

یہ اوصاف اگرچہ متفرق طور پر بہت سے صحابہ مین پائے جاتے تھے، لیکن اُن کا مجموعہ صرف خلفاے اربعہ کی ذات تھی، چنانچہ ان اوصاف کو اگر بہ ترتیب پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان مین کوئی وصف ایسا نہین ہے جو اُن کی ذات مین موجود نہ ہو، یہ لوگ مہاجرین اولین مین سے تھے صلح حدیبیہ مین شریک تھے، بدر، احد اور تبوک اور دوسرے اہم غزوات مین شریک تھے اور سورۂ نور کے اُترنے کے وقت موجود تھے، مبشر بالجنۃ تھے، اُمت کے طبقۂ علیا سے تھے، چنانچہ حدیث شریف مین ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلعم حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضہ حضرت طلحہ، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم ایک پہاڑ پر تھے کہ ایک چٹان ہلنے لگی، آپ نے اس وقت فرمایا کہ ٹھہر تجھ پر صرف نبی یا صدیق یا شہید ہین، ہر ایک خلیفہ کے متعلق الگ الگ بھی اس قسم کی حدیثین وارد ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمام امت مین نہایت بلند درجہ رکھتے تھے، آپ نے حضرت ابوبکر کی نسبت فرمایا کہ تم پہلے شخص نہین ہو جو میری امت مین سے جنت مین داخل ہو گا، تم حوض کوثر پر میرے رفیق ہو، اور غار مین میرے رفیق تھے، حضرت عمر کی نسبت ارشاد ہوا کہ گذشتہ امتون مین محدثین تھے، اگر میری امت مین کوئی محدث ہوگا تو وہ عمر ہون گے، بہت سی آیتین

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی راے کے مطابق نازل ہوئی ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کے مصداق تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا کہ جس سے فرشتے شرماتے ہین کیا مین اُس سے نہ شرماؤن، ہر پیغمبر کے رفیق ہوتے ہین اور جنت مین میرا رفیق عثمانؓ ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت ارشاد ہوا کہ کیا تم یہ پسند نہین کرتے کہ میرے ساتھ تم کو وہی نسبت حاصل ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ کے ساتھ تھی کل مین جھنڈا ایسے شخص کو دونگا جو اللہ اور اُس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اُسکو اللہ اور اس کے رسول محبوب رکھتے ہین، رسول اللہ صلعم نے ان بزرگون کے ایسے اوصاف بیان فرمائے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی خلافت کے حقیقی مستحق تھے، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میری امت پر سب سے زیادہ رحمدل ابو بکرؓ خدا کے بارے مین سب سے زیادہ بولنے والے عمرؓ سب سے زیادہ حیادار عثمانؓ اور سب سے بڑے قاضی علی بن ابی طالبؓ ہین، ایک حدیث مین ہے کہ اگر تم لوگ ابو بکر کو امیر بناؤگے تو اُن کو امین دنیا کا حقیر سمجھنے والا اور آخرت کا شائق پاؤگے اگر عمر کو امیر بناؤگے تو ان کو قوی امین پاؤگے جو خدا کے بارے مین ملامت کا خوف نہ کرینگے اور اگر علی کو امیر بناؤگے اور میرا خیال ہے کہ تم لوگ ایسا نہ کروگے تو اُن کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ پاؤگے، ان اوصاف کے ساتھ جو کام منصب نبوت سے تعلق رکھتے تھے آپ نے اپنی زندگی مین اُن سے وہ کام لیے ہین، مثلاً حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو متعدد مواقع پر اپنی جگہ امام بنایا ہے اور ان کو امیر الحج مقرر فرمایا ہے، مسلمانون کے معاملے مین ہمیشہ شیخین سے مشورے کیے ہین، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بعض غزوات کا امیر بنایا ہے اور صدقات مدینہ کا عامل مقرر فرمایا ہے، حضرت عثمانؓ سے صلح حدیبیہ کے زمانے مین سفیر کا کام لیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یمن کا قاضی مقرر کرکے بھیجا ہے،

خداوند تعالی نے رسول اللہ صلعم سے جو وعدے کیے تھے وہ ان کے زمانے مین پورے ہوئے، مثلاً اقامت صلوۃ، ایتاء زکوۃ، امر بالمعروف نہی عن المنکر، اور تمکین و تقویت دین سے وہ وعدے

پورے ہوئے جو آیہ ان مکناہم فی الارض الخ اور وعد اللہ الذین آمنوا منکم الخ میں کئے گئے تھے، اسلام کے مقابل میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کے مغلوب ہو جانے سے لیظہرہ علی الدین کلہ کی بشارت پوری ہوئی اور فتوحات کی کثرت نے آیہ مَثَلُهُمۡ فِي التَّوۡرٰاةِ وَمَثَلُهُمۡ فِي الْاِنْجِيْلِ الخ کی موعودہ خیر و برکت کو پورا کیا، آیہ من یرتد منکم میں مرتدین کی جنگ کی طرف اشارہ ہے اور وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں ہوئی، اِنَّ علینا جمعہٗ وقرآنہٗ میں قرآن مجید کے جمع و تدوین کی طرف اشارہ ہے، اور یہ مقدس کام حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی کوششوں سے انجام پایا، قتالِ خوارج کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اگر میں ان کو پاتا تو عاد کی طرح قتل کر ڈالتا، اور اُن کی جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں ہوئی،

امورِ دین میں خود رسول اللہ صلعم کی تصریح کے مطابق اُن کا قول و فعل حجت تھا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفاے راشدینؓ کی سنت کا اتباع فرض ہے، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میرے بعد کے لوگوں میں ابو بکر اور عمر کی تقلید کرو، غرض اس قسم کے بیشمار فضائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق خلافت کے حقیقی مستحق اور اس کی تعریف کا صحیح مصداق صرف خلفاے اربعہ تھے اور اُن کے کارنامہاے زندگی بھی جو اس کتاب میں مذکور ہیں اس کی تصدیق کرینگے،

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ
خلیفۂ اول
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نام، نسب، خاندان عبداللہ نام ابوبکر کنیت، صدیق اور عتیق لقب، والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ، والدہ کا نام سلمیٰ اور ام الخیر کنیت، والد کی طرف سے پورا سلسلۂ نسب یہ ہے عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی التیمی اور والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے، ام الخیر بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہؓ، اس طرح حضرت ابوبکرؓ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں مرہ پر آنحضرت صلعم سے ملجاتا ہے،

حضرت ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہ عثمان بن عامر شرفاے مکہ میں سے تھے اور نہایت معمر تھے ابتدا جیسا کہ بوڑھوں کا قاعدہ ہے، وہ اسلام کی تحریک کو بازیچۂ اطفال سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہؓ کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ؐ نے ہجرت فرمائی ہی تو مین آپکی تلاش مین حضرت ابوبکرؓ کے گھر آیا وہان ابو قحافہ موجود تھے انھون نے حضرت علیؓ کو اُس طرف سے گذرتے ہوے دیکھ کر نہایت برہمی کے ساتھ کہا کہ ان بچون نے ہمارے لڑکے کو بھی خراب کردیا[1]،

ابو قحافہ فتح مکہ تک نہایت استقلال کے ساتھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے، فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ صلعم مسجد مین تشریف فرما تھے، وہ اپنے فرزند سعید حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوے، آنحضرت صلعم نے اُن کے ضعف پیری کو دیکھکر فرمایا کہ انھین کیون تکلیف دی مین خود ان کے پاس پہنچ جاتا اُس کے بعد آپ نے نہایت

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث صفحہ ۱۹، [2] الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۲۱،

شفقت سے اُن کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور کلمات طیبات تلقین کرکے مشرف باسلام فرمایا،

حضرت ابو قحافہ رضؓ نے بہت بڑی عمر پائی آنحضرت صلعم کے بعد اپنے فرزند ارجمند حضرت ابوبکرؓ کے بعد بھی کچھ دنوں تک زندہ رہے آخر عمر میں نہایت ضعیف ہو گئے تھے آنکھوں کی بصارت جاتی رہی تھی ۱۴ھ میں ۹۷ برس کی عمر میں وفات پائی،

حضرت ابوبکرؓ کی والدہ

حضرت ام الخیر سلمیٰ بنت صخر کو ابتداہی میں حلقہ بگوشان اسلام میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا، اُن سے پہلے صرف اُنتالیس اصحاب مسلمان ہوئے تھے یہ قلیل جماعت بالاعلان اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتی تھی، اور نہ مشرکین وکفار کو بانگ دہل دین مبین کی دعوت دے سکتی تھی لیکن حضرت ابوبکرؓ کا مذہبی جوش اس بے بسی پر نہایت مضطرب تھا، آپ نے ایک روز نہایت اصرار کے ساتھ آنحضرت صلعم سے اجازت لیکر مجمع عام میں شریعت حقہ کے فضائل ومحامد پر تقریر کی اور کفار ومشرکین کو شرک وبت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کرلینے کی دعوت دی کفار ومشرکین جن کے کان کبھی ان الفاظ سے مانوس نہ تھے نہایت برہم ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نہایت بیرحمی اور ناخداترسی کے ساتھ اس قدر مارا کہ بالآخر بنو تیم کو باوجود مشرک ہونے کے اپنے قبیلہ کے ایک فرد کو اس حال میں دیکھکر ترس آگیا اور اُنھوں نے عام مشرکین کے پنجۂ ظلم سے چھڑا کر ان کو مکان تک پہنچادیا، شب کے وقت بھی حضرت ابوبکرؓ باوجود درد اور تکلیف کے اپنے والد اور خاندانی اعزہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے صبح ہوئی تو رسول اللہ صلعم کا پتہ دریافت کرکے اپنی والدہ کے ساتھ ارقم بن ارقم کے مکان میں آئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ میری والدہ حاضر ہیں ان کو راہ حق کی ہدایت کیجئے، آنحضرت صلعم نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور وہ مشرف باسلام ہوگئیں[۲]

حضرت ام الخیر نے بھی طویل عمر پائی، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت تک زندہ رہیں لیکن اپنے شوہر سے پہلے وفات پائی[۳]

[۱] الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۲۲ [۲] الاصابہ جلد ۸ صفحہ ۲۲۹ [۳] ایضاً بحوالہ طبرانی،

قبل اسلام | حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اسلام سے پہلے ایک متمول تاجر کی حیثیت رکھتے تھے اور اُنکی دیانت، راستبازی اور امانت کا خاص شہرہ تھا، اہل مکہ اُن کو علم، تجربہ اور حسن خلق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے، ایام جاہلیت مین خونبہا کا مال آپ ہی کے یہان جمع ہوتا تھا، اگر کبھی کسی دوسرے شخص کے یہان جمع ہوتا تو قریش اُسکو تسلیم نہین کرتے تھے[1]

حضرت ابوبکرؓ کو ایام جاہلیت مین بھی شراب سے ویسے ہی نفرت تھی جیسی زمانۂ اسلام مین، اس قسم کے ایک سوال کے جواب مین فرمایا کہ شراب نوشی مین نقصان آبرو ہی،

آنحضرت صلعم کے ساتھ بچپن ہی سے اُن کو خاص انس اور خلوص تھا، اور آپ کے مخصوص حلقۂ احباب مین داخل تھے، اکثر تجارت کے سفرون مین بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا،

اسلام | آنحضرت صلعم کو جب خلعتِ نبوت عطا ہوا اور آپ نے مخفی طور پر احباب مخلصین اور محرمان راز کے سامنے اس حقیقت کو واضح فرمایا، تو جنس ذکور مین سے حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا، بعض ارباب سیر نے اُن کے قبول اسلام کے متعلق بہت سے طول طویل قصے نقل کیے ہین لیکن یہ سب حقیقت سے دور ہین اصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا آئینۂ دل پہلے سے صاف تھا، فقط خورشید حقیقت کی عکس فگنی کی دیر تھی گذشتہ صحبتون کے تجارب نے نبوت کے خط وخال کو اس طرح واضح کردیا کہ معرفت حق کے لیے کوئی انتظار باقی نہ رہا، البتہ اُن کے اول مسلمان ہونے مین بعض مورخین اور اہل آثار نے کلام کیا ہے، بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہی کہ حضرت خدیجہؓ کا اسلام سب پر مقدم ہے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اولیت کا فخر حاصل ہے، اور بعض کا خیال ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ بھی حضرت ابوبکرؓ سے پہلے مسلمان ہوچکے تھے، لیکن اُس کے مقابلہ مین ایسے اخبار و آثار بھی بکثرت موجود ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیت کا طغرائے شرف وامتیاز صرف اسی ذات گرامی کے لیے مخصوص ہے حضرت

حسان بن ثابت رضؓ کے ایک قصیدہ سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے،

اذا تذکرت شجوا من اخی ثقۃ　　فاذکر اخاک ابابکر بما فعلا

جب تمھیں کسی سچے بھائی کا غم یاد آئے　　تو اپنے بھائی ابوبکر کو یاد کرد انکے کارناموں کی بنا پر

خیر البریۃ اتقاھا واعدلھا　　بعد النبی واوفاھا بما حملا

وہ تمام مخلوق میں نبی صلعم کے بعد تقوے اور عدل کے لحاظ سے سب سے بہتر تھے اور انھوں نے جو کچھ اٹھایا اسکو پورا کرکے چھوڑا

والثانی التالی المحمود مشھدہ　　واول الناس منھم صدق الرسلا

وہ ثانی اور آپکے بعد متصل ہیں جن کی مشکلات میں موجودگی کی تعریف کی گئی ہے اور وہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسولوں کی تصدیق کی

محققین نے ان مختلف احادیث و آثار میں اسطرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ عورتوں میں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ بچوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں میں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے اول مومن ہیں۔

فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۳۰

اشاعت اسلام حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی دین حنیف کی نشر و اشاعت کیلئے جدوجہد شروع کردی اور صرف آپ کی دعوت پر حضرت عثمان بن عفانؓ حضرت زبیر بن العوامؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ جو معدن اسلام کے سب سے تاباں و درخشاں جواہر ہیں شرف باسلام ہوئے، حضرت عثمان بن مظعونؓ حضرت ابوعبیدہؓ حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت خالد بن سعید بن العاصؓ بھی آپ ہی کی ہدایت سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، یہ وہ اکابر صحابہ ہیں جو آسمان اسلام کے اختر ہائے تاباں ہیں لیکن ان ستاروں کا مرکز شمسی حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کی ذات تھی علانیہ دعوت کے علاوہ ان کا مخفی روحانی اثر بھی سعید روحوں کو اسلام کی طرف مائل کرتا تھا، چنانچہ اپنے صحن خانہ میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی اور اس میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے آپ نہایت

رقیق القلب تھے، قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے لوگ آپ کے گریہ و بکا کو دیکھکر جمع ہو جاتے اور اس پُراثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے[1]

مکی زندگی آنحضرت صلعم نے بعثت کے بعد کفار کی ایذا رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ و دعوت کا سلسلہ جاری رکھا حضرت ابوبکر صدیقؓ اس بے بسی کی زندگی میں جان، مال، رائے و مشورہ غرض ہر حیثیت سے آپ کے دست و بازو اور رنج و راحت میں شریک رہے آنحضرت صلعم روزانہ صبح و شام حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک مجلس راز قائم رہتی[2]

قبائل عرب اور عام مجمعوں میں تبلیغ و ہدایت کے لیے جاتے تو یہ بھی ہمرکاب ہوتے اور اپنی نسب دانی، اور کثرت ملاقات کے باعث لوگوں سے آپ کا تعارف کراتے[3]

مکہ میں ابتداءً جن لوگوں نے داعیِ توحید کو لبیک کہا ان میں کثیر تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجۂ ظلم و ستم میں گرفتار ہونے کے باعث طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ان مظلوم بندگانِ توحید کو اُن کے جفا کار مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا، چنانچہ حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہؓ، نذیرہ، نہدیہ، جاریہ بنی مومل اور بنت نہدیہ وغیرہ نے اسی صدیقی جود و کرم کے ذریعہ سے نجات پائی،

کفار جب کبھی آنحضرت صلعم پر دستِ تعدی دراز کرتے تو یہ مخلص جان نثار خطرہ میں پڑکر خود سینہ سپر ہو جاتا، ایک دفعہ آپ خانۂ کعبہ میں تقریر فرما رہے تھے مشرکین اس تقریر سے سخت برہم ہوئے اور اس قدر مارا کہ آپ بیہوش ہو گئے، حضرت ابوبکرؓ نے بڑھ کر کہا خدا تم سے سمجھے! کیا تم صرف اس لیے ان کو قتل کر دو گے کہ یہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں[4] اسی طرح ایک روز

[1] بخاری باب ہجرۃ النبی صلعم و اصحابہ الی المدینہ [2] ایضاً [3] کنز العمال جلد ۶ فضائل ابی بکر الصدیق ص ۳۱۹
[4] فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۹،

آنحضرت صلعم نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت مین عقبہ بن معیط نے اپنی چادر سے گلوے مبارک مین پھندا ڈال دیا، اسوقت اتفاقاً حضرت ابو بکرؓ پہونچ گئے اور اُس ناہنجار کی گردن پکڑ کر خیر الانام علیہ السلام سے علحدہ کیا اور فرمایا "کیا تم اُسکو قتل کردگے جو تمھارے پاس خدا کی نشانیان لایا ہے اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے[1]"۔

آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ مین رشتۂ مصاہرت مکہ ہی مین قائم ہوا یعنی حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کے نکاح مین آئین، لیکن رخصتی ہجرت کے دو سال بعد ہوئی[2]

ہجرت حبشہ کا قصد اور واپسی ابتدا مشرکین قریش نے مسلمانون کی قلیل جماعت کو چندان اہمیت نہ دی لیکن جب اُنھون نے دیکھا کہ روز بروز اُن کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور اسلام کا حلقۂ اثر وسیع ہوتا جاتا ہے تو نہایت سختی سے اُنھون نے اس تحریک کا سدباب کرنا چاہا، ایذا اور تکلیف رسانی کی تمام ممکن صورتین عمل مین لانے لگے آنحضرت صلعم نے جب اپنے جان نثارون کو ان مصائب مین مبتلا پایا تو ستمزدون کو حبش کی طرف ہجرت کی اجازت دی اور بہت سے مسلمان حبش کی طرف روانہ ہوگئے حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی باوجود وجاہت ذاتی اور اعزاز خاندانی کے اس دار و گیر سے محفوظ نہ تھے چنانچہ حضرت طلحہ بن عبد اللہؓ اُن کی دعوت و تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو حضرت طلحہؓ کے چچا نوفل بن خویلد نے ان دونون کو ایک ساتھ باندھ کر مارا اور حضرت ابو بکرؓ کے خاندان بنو تیم نے کچھ حمایت نہ کی[3] اُن اذیتون سے مجبور ہو کر آپ نے آنحضرت صلعم سے اجازت لی اور رخت سفر باندھ کر عازم حبش ہوئے جب آپ مقام برک الغماد مین پہونچے تو ابن الدغنہ

[1] بخاری باب ما لقی النبی صلعم و اصحابہ من المشرکین بمکہ [2] باب تزویج النبی صلعم عائشہ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۵۱، یہ واقدی کی روایت ہے۔

رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی اُس نے پوچھا ابو بکر کہان کا قصد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قوم نے مجھے جلا وطن کر دیا ہے اب ارادہ ہے کہ کسی اور ملک کو چلا جاؤن اور آزادی سے خدا کی عبادت کرون، ابن الدغنہ نے کہا کہ تم سا آدمی جلا وطن نہین کیا جا سکتا، تم مفلس و بے نوا کی دستگیری کرتے ہو، قرابت دارون کا خیال رکھتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصیبت زدون کی اعانت کرتے ہو، میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن ہی مین اپنے خدا کی عبادت کرو، چنانچہ آپ ابن الدغنہ کے ساتھ پھر مکہ واپس آئے، ابن الدغنہ نے قریش مین پھر پھر کر اعلان کر دیا کہ آج سے ابو بکر میرے امان مین ہین، ایسے شخص کو جلا وطن نہ کرنا چاہیے جو محتاجون کی خبر گیری کرتا ہے قرابت دارون کا خیال رکھتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے اور مصائب مین لوگون کے کام آتا ہے، قریش نے ابن الدغنہ کے امان کو تسلیم کیا، لیکن فرمایش کی کہ ابو بکر کو سمجھا دو کہ جب اور جس طرح جی چاہے اپنے گھر مین نماز پڑھین اور قرآن کی تلاوت کرین اپنے گھر سے باہر نماز پڑھنے کی اُن کو اجازت نہین لیکن جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے عبادت الٰہی کے لیے اپنے صحن خانہ مین ایک مسجد بنائی تھی، کفار کو اس پر بھی اعتراض ہوا، اور اُنھون نے ابن الدغنہ کو خبر دی کہ ہم نے تمھاری ذمہ واری پر ابو بکر کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے مکان مین چھپکر اپنے مذہبی فرائض ادا کرین لیکن اب وہ صحن خانہ مین مسجد بنا کر اعلان کے ساتھ نماز پڑھتے ہین، اس سے ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتین اور بچے متاثر ہو کر اپنے آبائی مذہب سے بد عقیدہ نہو جائین اس لیے تم انھین مطلع کر دو کہ اس سے باز آئین ورنہ تم کو ذمہ داری سے بری سمجھین، ابن الدغنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے جا کر کہا تم جانتے ہو کہ مین نے کس شرط پر تمھاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے اسلیے یا تو تم اس پر قائم رہو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو، مین نہین چاہتا کہ عرب مین مشہور ہو کہ مین نے کسی کے ساتھ بد عہدی کی، لیکن حضرت ابو بکر رضؓ نے نہایت استغنا کے ساتھ جواب دیا کہ مجھے

تمھاری پناہ کی حاجت نہین میرے لیے خدا اور اس کے رسول کی پناہ کافی ہے"۔

ہجرتِ مدینہ اور خدمتِ رسول

کفار ومشرکین کا دستِ ستم روز بروز زیادہ دراز ہوتا گیا تو آپ نے پھر دوبارہ ہجرت کا قصد کیا، اس وقت تک مدینہ کی سرزمین نورِ اسلام سے منور ہو چکی تھی اور ستم زدہ مسلمانون کو نہایت خلوص ومحبت کے ساتھ اپنے دامن مین پناہ دے رہی تھی اس لیے اس دفعہ آپ نے مدینہ کو اپنی منزلِ مقصود قرار دیا اور ہجرت کی تیاری شروع کر دی لیکن بارگاہِ نبوت سے حکم ہوا کہ ابھی عجلت نہ کرو، امید ہے کہ خدائے پاک کی طرف سے مجھے بھی ہجرت کا حکم ہوگا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نہایت تعجب سے پوچھا "میرے مان باپ آپ پر فدا ہون کیا آپ کو بھی ہجرت کا حکم ہوگا؟" ارشاد ہوا "ہان" عرض کی "یارسول اللہ! مجھے ہمراہی کا شرف نصیب ہو"، فرمایا "ہان تم ساتھ چلوگے"، غرض اس بشارت کے بعد ارادہ ملتوی ہوگیا اور چار ماہ تک منتظر رہے،

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم عموماً صبح وشام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے، لیکن ایک روز مُنھ چھپائے ہوے خلافِ معمول ناوقت تشریف لائے اور فرمایا کہ کوئی ہو تو ہٹا دو مین کچھ باتین کرنا چاہتا ہون حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ گھر والون کے سوا کوئی اور نہین ہے، غرض اطمینان ہوگیا تو آنحضرت صلعم اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہوگیا حضرت ابوبکرؓ نے پھر ہمراہی کی تمنا ظاہر کی ارشاد ہوا ہان تیار ہو جاؤ، وہ تو چار ماہ سے اسی انتظار مین تھے، فوراً تیار ہوگئے، ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے جلدی جلدی رختِ سفر درست کیا، حضرت اسماءؓ کو جلدی مین توشہ دان باندھنے کے لیے کوئی چیز نہین ملی، تو انھون نے اپنا کمربند پھاڑ کر باندھا اور دربارِ نبوت سے ذات النطاقین کا خطاب پایا،

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلے ہی سے دو اونٹ تیار کر لیے تھے، ایک آنحضرت صلعم کی خدمت مین

۱؎ بخاری ج ۱ باب ہجرۃ النبی صلعم واصحابہ الی المدینہ،

پیش کیا اور ایک پر خود سوار ہوئے اس طرح نبی وصدیق کا مختصر قافلہ راہی مدینہ ہوا[1]

اس قافلہ کی پہلی منزل غار ثور تھی حضرت ابوبکرؓ نے غار میں پہلے داخل ہو کر اس کو درست کیا جو سوراخ اور پھٹ نظر آئے اُن کو بند کیا، پھر آنحضرت صلعم سے اندر تشریف لانے کے لیے عرض کی آنحضرت صلعم اس غار مین داخل ہوئے اور اپنے رفیق مونس کے زانو پر سر مبارک رکھکر مشغول استراحت ہوئے، اتفاقاً اسی حالت مین ایک سوراخ سے جو بند ہونے سے رہ گیا تھا ایک زہریلے سانپ نے سر نکالا لیکن اس خادم جان نثار نے اپنے آقا کی راحت مین خلل انداز ہونا گوارا نہ کیا اور خود اپنی جان کو خطرہ مین ڈالکر اُسپر پاؤن رکھ دیا، سانپ نے کاٹ لیا، زہر اثر کرنے لگا، درد و کرب کے باعث آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے لیکن اس وفاشعار رفیق نے اپنے جسم کو حرکت تک نہ دی، کہ اس خواب راحت مین خلل اندازی ہوگی، ناگاہ آنسو کا ایک قطرہ ڈھلک کر آنحضرت صلعم کے چہرۂ انور پر ٹپکا جس سے حضور بیدار ہوگئے اور اپنے مخلص غمگسار کو بچین دیکھکر فرمایا ابوبکر کیا ہے ؟ عرض کی" میرے ماں باپ آپ پر فدا ہون ! سانپ نے کاٹ لیا" آنحضرت صلعم نے اُسی وقت اس مقام پر اپنا آب دہن لگایا زہر کا اثر دور ہوگیا[2]

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ کو ہدایت کردی تھی کہ دن کو مکہ مین جو واقعات پیش آئین تم رات کو ہمارے پاس آکر اُن کی اطلاع کرتے رہنا اسی طرح اپنے غلام عامر بن فہیرہؓ کو حکم دیا تھا کہ دن کو مکہ کی چراگاہ مین بکریان چرائین اور رات کے وقت غار کے پاس لے آئین صبح کے وقت جب حضرت عبداللہؓ واپس آتے تو حضرت عامر بن فہیرہؓ اُن کے نشانِ قدم پر بکریان لاتے تاکہ نشان مٹ جائے اور کسی کو شبہہ نہو، رات کے وقت اُنھین بکریون کا تازہ دودھ غذا کے کام مین آتا، غرض تین دن اور تین رات اسی حالت مین

[1] بخاری ج۲ باب ہجرۃ النبی صلعم واصحابہ الی المدینۃ [2] زرقانی ج۱ ص۳۸۹،

بسر ہوے اور یہ تمام کارروائیان اس احتیاط سے عمل مین آئین کہ قریش کو ذرا بھی شبہ نہوا[۱]،

اس عرصہ مین کفارِ مکہ بھی اپنی کوششون سے غافل نہ تھے، جس روز آنحضرت صلعم نے ہجرت فرمائی ہے اُس روز قریش کی مجلس ملی سے آپ کے قتل کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا اور تمام ضروری تدبیرین عمل مین آ چکی تھین، ابو جہل وغیرہ نے اُس روز رات بھر کا شانۂ اقدس کا محاصرہ رکھا لیکن جب وقت معین پر خوابگاہ مین داخل ہوے تو وہ گوہر مقصود سے خالی تھا، وہان سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دولت کدہ پر گئے اور حضرت اسماءؓ سے اُن کے والد کو دریافت کیا، اُنھون نے لاعلمی ظاہر کی تو ابوجہل نے غضبناک ہو کر زور سے ایک طمانچہ مارا اور اب اسے یقین ہو گیا کہ یہ دونون ایک ساتھ یہان سے روانہ ہو گئے[۲]،

قریش اپنی ناکامی پر سخت برہم ہوئے اسی وقت اعلان کیا گیا کہ جو شخص محمد کو گرفتار کر کے لائے گا اُس کو سو اونٹ انعام مین دیے جائین گے، چنانچہ متعدد بہادرون نے مذہبی جوش اور انعام کی طمع مین آپ کی تلاش شروع کی، مکہ کے اطراف مین کوئی آبادی، ویرانہ، جنگل، پہاڑ اور سنسان میدان ایسا نہو گا جس کا جائزہ نہ لیا گیا ہو، یہان تک کہ ایک جماعت غار کے پاس بھی پہونچی اُس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نہایت اضطراب ہوا اور حزن و یاس کے عالم مین بولے "اگر وہ ذرا بھی نیچے کی طرف نگاہ کرین گے تو ہم دیکھ لیے جائین گے" آنحضرت صلعم نے آپ کو تشفی دی اور فرمایا، مایوس و غمزدہ نہو، ہم صرف دو نہین ہین ایک تیسرا (یعنی خدا) بھی ہمارے ساتھ ہے[۳]، اس تشفی آمیز فقرہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اطمینان ہو گیا اور ان کا مضطرب دل امداد غیبی کے یقین پر لازوال جرات و استقلال سے مملو ہو گیا، خدا کی قدرت کہ کفار جو تلاش

---

[۱] بخاری ج ۲ باب بنیان الکعبہ باب ہجرۃ النبی و اصحابہ الی المدینۃ، [۲] سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۹، [۳] مسلم ج ۲ فضائل ابی بکر الصدیقؓ،

کرتے ہوئے اُس غار تک پہونچ گئے [redacted]
پنہاں ہے اور ناکام واپس چلے گئے،

غرض چوتھے روز یہ کاروان پھر آگے روانہ ہوا، اب آمین بجائے دو کے چار آدمی تھے، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو راستہ کی خدمات کے لیے اپنے پیچھے بٹھا لیا ہے عبد بن اریقط آگے آگے راستہ بتاتا جاتا، حضرت ابوبکرؓ مہبط وحی والہام کی حفاظت کے لیے کبھی آگے بڑھ جاتے ہین اور کبھی پیچھے ہو جاتے ہین، اسی اثنار مین سراقہ بن جعشم قریش کا ہرکارہ گھوڑا اڑاتا ہوا قریب پہونچ گیا حضرت ابوبکرؓ نے خوف زدہ ہو کر کہا "یا رسول اللہ! یہ سوار قریب پہونچ گیا" ارشاد ہوا غمگین نہو خدا ہمارے ساتھ ہے، بارگاہ رب العالمین مین دعا کی اس کا اثر یہ ہوا کہ سراقہ کے گھوڑون کے پاؤن زمین مین دھنس گئے، اُتر کر پانسہ پھینک کر فال نکالی جواب آیا کہ اس تعاقب سے دست بردار ہو جاؤ، نہ مانا، پھر آگے بڑھا، پھر وہی واقعہ پیش آیا، مجبور ہو کر امان طلب کی، اور واپس گیا[1]،

حضرت ابوبکر صدیقؓ نہایت کثیر الاحباب تھے، راہ مین بہت سے شناسا ملے جو آنحضرتؐ کو پہچانتے نہ تھے وہ پوچھتے تھے کہ ابوبکر! یہ تمھارے ساتھ کون ہے؟ تو آپ گول مول جواب دیتے کہ یہ ہمارے رہنما ہین، غرض اس طرح پہلی منزل ختم ہوئی، حضرت ابوبکرؓ نے ایک سایہ دار چٹان کے نیچے فرش درست کرکے اپنے محبوب آقا کے لیے استراحت کا سامان بہم پہونچایا اور خود کھانے کی تلاش مین نکلے، اتفاق سے ایک گڈریا اسی چٹان کی طرف آرہا تھا اُس سے پوچھا کہ یہ بکریان کس کی ہین؟ اُس نے ایک شخص کا نام لیا، پھر دریافت فرمایا کہ اسمین کوئی دودھاری بکری بھی ہے؟ اس نے کہا ہان! آپ نے فرمایا کہ ہمین دودھ دوگے؟ اُس نے رضامندی ظاہر کی تو آپ نے

[1] بخاری باب الہجرۃ النبی صلعم واصحابہ الی المدینہ،

ہدایت کی کہ پہلے تھن کو اور ہاتھ کو گرد و غبار سے اچھی طرح صاف کرو، اُس نے حسب ہدایت دودھ دوہ کر پیش کیا آپ نے ٹھنڈا کرنے کے لیے اُس مین تھوڑا سا پانی ملایا اور کپڑے سے چھپا کر خدمت بابرکت مین لائے آپ نے نوش فرمایا اور دوسری منزل کے لیے چل کھڑے ہوئے[1]

اسی طرح یہ مختصر قافلہ دشمنون کی گھاٹون سے بچتا ہوا بارھوین ربیع الاول سنہ نبوت کے چودھوین سال مدینہ کے قریب پہونچا، انصار کو آنحضرت صلعم کی روانگی کا حال معلوم ہو چکا تھا، وہ نہایت بے چینی سے آپکی آمد کا انتظار کر رہے تھے، آپ شہر کے قریب پہونچے تو انصار استقبال کے لیے نکلے اور ہادی برحق کو حلقہ مین لیکر شہر قبا کی طرف بڑھے، آنحضرت صلعم نے اس جلوس کو داہنی طرف مڑنے کا حکم دیا اور بنی عمرو بن عوف مین قیام پذیر ہوئے، یہان انصار جوق جوق زیارت کے لیے آنے لگے، آنحضرت صلعم خاموشی کے ساتھ تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر لوگون کا استقبال کر رہے تھے[2] بہت سے انصار جو پہلے آنحضرت صلعم کی زیارت سے مشرف نہین ہوئے تھے وہ غلطی سے حضرت ابوبکرؓ کے گرد جمع ہونے لگے، یہان تک کہ جب آفتاب سامنے آگیا اور جان نثار خادم نے بڑھ کر اپنی چادر سے آقائے نامدار پر سایہ کیا تو اُسوقت خادم و مخدوم مین امتیاز ہو گیا اور لوگون نے رسالتمآب صلعم کو پہچانا[3]،

حضرت سرور کائنات صلعم قبا مین چند روز مقیم رہ کر مدینہ تشریف لائے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہان مہمان ہوئے، حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ آئے اور حضرت خارجہ بن زید بن ابی زہیر کے مکان مین فرو کش ہوئے[4] کچھ عرصہ کے بعد آپ کے اہل و عیال بھی حضرت طلحہ کے ساتھ مدینہ پہونچ گئے لیکن مدینہ کی آب و ہوا مہاجرین کے لیے عموماً نہایت ناموافق ثابت ہوئی خصوصاً حضرت ابوبکرؓ بعد شدید بخار مین مبتلا ہوئے کہ زندگی سے مایوس ہو گئے، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے حال پوچھا تو

---

[1] بخاری باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینہ [2] بخاری ایضاً [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ١٢٣، [4] ایضاً ص ١٤٤

اس وقت یہ شعر وردِ زبان تھا،

کل امرءٍ مصبح فی اہلہٖ والموت ادنیٰ من شراک نعلہ

ہر آدمی اس حالت کے ساتھ اپنے اہل وعیال مین صبح کرتا ہے کہ موت جوتے کے تسمہ سے بھی قریب تر ہوتی ہے

حضرت عائشہؓ یہ حال دیکھکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئین اور کیفیت عرض کی، رسول اللہ صلعم نے اسی وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا اور فرمایا،

اللھم حبب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ اے خدا تو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ مدینہ کی محبت ہمارے

او اشد وصححھا وبارک لنا فی صاعھا دلون مین پیدا کر اسکو بیماریون سے پاک فرما اسکے صاع اور

ومدھا وانقل حماھا فاجعلھا بالجحفۃ[1] مدین برکت دے اور اسکے (وبائی) بخار کو جحفہ مین منتقل کردے،

دعا مقبول ہوئی، حضرت ابوبکرؓ بستر مرض سے اٹھ کھڑے ہوے اور مدینہ کی ہوا مہاجرین کے لیے مکہ سے بھی زیادہ خوش آیند ہوگئی،

مواخات | مدینہ پہونچنے کے بعد آنحضرت صلعم نے مہاجرین وانصار کی باہمی اجنبیت وبیگانگی دور کرنے کے لیے ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرادیا، اس مواخات مین طرفین کے اعزاز ومرتبہ کا خاص طور پر لحاظ کیا گیا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی برادری حضرت خارجہ بن زہیرؓ سے قائم کی گئی جو مدینہ مین ایک معزز شخصیت کے آدمی تھے[2]،

تعمیر مسجد | مدینہ اسلام کے لیے آزادی کی سرزمین تھی فرزندان توحید جو کفار کے خوف سے ادھر ادھر منتشر ہوگئے تھے آہستہ آہستہ اس مرکز پر جمع ہونے لگے اور اب آزادی واجتماع کے ساتھ معبود حقیقی کی پرستش کا موقع حاصل ہوا، اس بنا پر رسول اللہ صلعم کو سب سے پہلے تعمیر مسجد کا خیال پیدا ہوا اسکے لیے جو زمین منتخب ہوئی وہ دو یتیم بچون کی ملکیت تھی گو اُن کے اولیا وا قربا بلاقیمت

[1] بخاری باب مقدم النبی صلعم واصحابہ الی المدینۃ [2] اسد الغابہ تذکرہ خارجہ بن زہیرؓ

پیش کرنے پر مصر تھے، تاہم رحمۃ للعالمینؐ نے یتیون کا مال لینا پسند نہ کیا اور حضرت ابوبکرؓ سے اسکی قیمت دلوادی، اس طرح مدینہ پہونچنے کے بعد بھی سب سے پہلے صدیق اکبرؓ ہی کے ابرکرم نے اسلام کے لیے جود وسخا کی بارش کی، قیمت اداکرنے کے علاوہ یہ پیرمرد اسکی تعمیر مین بھی نوجوانون کے دوش بدوش سرگرم کار رہا،

غزوات

مدینہ پہونچکر مسلمانون کی بے بسی اور مظلومیت کا دور ختم ہوچکا تھا اور آزادی کے ساتھ دین متین کی نشرو اشاعت کا وقت آگیا تھا لیکن عرب کی جنگجو قوم مذہب کی حقانیت اور صداقت کو بھی تیر وتفنگ اور نوک سنان سے وابستہ سمجھتی تھی، اس لیے اُس نے ہمیشہ علمبردار اسلامؐ کو اپنی سیارزطلبی سے منبر وعظ وہدایت کو چھوڑکر میدان رزم مین آنے کے لیے مجبور کیا، چنانچہ آنحضرت صلعم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سے فتح مکہ تک خون ریز جنگون کا سلسلہ جاری رہا، اور اُن سب لڑائیون مین صدیق اکبرؓ ایک مشیر ووزیر باتدبیر کی طرح ہمیشہ شرف ہمرکابی سے مشرف رہے،

غزوۂ بدر | غزوۂ بدر حق وباطل کا اول اور فیصلہ کن معرکہ تھا خدا کا برگزیدہ پیغمبر ایک سایہ دار جگہ کے نیچے اپنی محدود جماعت کے ساتھ حق وصداقت کی حمایت مین سرگرم کارزار تھا اور وہی پیرمرد جس نے اپنے وعظ وپند سے عثمان بن عفانؓ، عبیدہ بن الجراح اور عبدالرحمن بن عوفؓ جیسے اولوالعزم واکابر صحابہ کو حلقہ بگوش اسلام بنالیا تھا، نہایت جانبازی کے ساتھ تیغ بکف اپنے ہادی کی حفاظت مین مصروف تھا، کفار ومشرکین ہرطرف سے نرغہ کرکے آتے اور یہ ہرایک کو اپنی خداداد شجاعت سے

سلہ فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۹۲،

بھگا دیتا تھا،

رسول اللہ صلعم کفار کی کثرت دیکھکر محزون ہوتے اور سر بسجدہ ہوکر خدا سے دعا فرماتے "اے خدا مجھکو بے یار و مددگار نہ چھوڑ اور اپنا عہد پورا کر، اے خدا! کیا تو چاہتا ہے کہ آج سے تیری پرستش نہو؟" اس عالم حزن و یاس میں آنحضرت صلعم کا قدیم مونس باوفا اور ہمدم غمگسار شمشیر برہنہ آپ کی حفاظت میں مصروف ہوتا اور تسلی و دلدہی کے کلمات اس کی زبان پر جاری ہوتے،[1]

اس خوفناک جنگ میں بھی حضرت ابوبکرؓ حضور انور صلعم کی خدمت گذاری سے غافل نہوئے ایک دفعہ رداے مبارک شانۂ اقدس سے گر گئی فوراً تڑپ کر آئے اور اٹھا کر شانہ پر رکھدی پھر جنگ بڑھتے ہوے غنیم کی صف میں گھس گئے، درحقیقت یہی وہ وارفتگی، جوش اور حب رسول کا جذبہ تھا جس نے قلت کو کثرت کے مقابلہ میں سربلند کیا،[2]

اس جنگ میں مال غنیمت کے علاوہ تقریباً ستر قیدی ہاتھ آئے، آنحضرت صلعم نے اُن لوگوں کے متعلق کبار صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت عمرؓ کی راے تھی کہ سب قتل کردیے جائیں لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی کہ یہ سب اپنے ہی بھائی بند ہیں اس لیے ان کے ساتھ رحم و تلطف کا برتاؤ کرنا چاہیے اور فدیہ لیکر اُن کو آزاد کرنا چاہیے، رحمۃ للعالمینؐ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی راے پسند آئی،[3]

غزوۂ احد | بدر کی شکست قریش مکہ کے دامن شجاعت پر ایک نہایت بدنما دھبہ تھا، انھوں نے جوش انتقام میں نہایت عظیم الشان تیاریاں کیں، چنانچہ معرکۂ اُحد اُسی جوش کا نتیجہ تھا، اس جنگ میں مجاہدین اسلام باوجود قلت تعداد پہلے غالب آئے لیکن اتفاقی طور پر پانسہ پلٹ گیا بہت سے

---

[1] زرقانی جلد ۱ غزوۂ بدر [2] زرقانی جلد ۲ ص ۲۸۴ [3] فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۲۵ مسلم باب امداد الملائکۃ و غزوۂ بدر،

مسلمانون کے پائے ثبات متزلزل ہو گئے، لیکن حضرت ابو بکرؓ آخر وقت تک ثابت قدم رہے،
آنحضرت صلعم سخت مجروح ہوے اور لوگ آپ کو پہاڑ پر لاے تو حضرت ابو بکرؓ بھی ساتھ تھے، ابو سفیان
نے پہاڑ کے قریب آکر پکارا "کیا قوم مین محمد ہین؟ کوئی جواب نہ ملا تو اُس نے حضرت ابو بکرؓ اور
حضرت عمرؓ کا نام لیا[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار بھی آنحضرت ؐ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی کو
رئیس امت سمجھتے تھے؛

اختتام جنگ کے بعد کفار مکہ واپس ہوے تو ایک جماعت اُن کے تعاقب مین روانہ
کی گئی حضرت ابو بکرؓ بھی اس مین شامل تھے[۲] غزوۂ احد کے بعد بنو نضیر کی جلا وطنی غزوۂ خندق
اور دوسرے چھوٹے چھوٹے غزوات پیش آئے حضرت ابو بکرؓ اُن تمام جنگون مین برابر کے
شریک تھے،

غزوۂ بنی مصطلق اور واقعۂ افک

سنہ ۵ھ مین غزوۂ بنی مصطلق پیش آیا حضرت ابو بکرؓ اس معرکہ مین بھی آنحضرت صلعم کے
ہمرکاب تھے، یہ مہم کامیابی کے ساتھ واپس آئی اور شب کے وقت مدینہ کے قریب
تمام لشکر نے پڑاؤ ڈالا، صبح کے وقت ام المومنین حضرت عائشہؓ جو اس سفر مین آنحضرت صلعم کے ساتھ
تھین، رفع حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئین واپس آئین تو دیکھا کہ گلے کا ہار کہین گر گیا، تلاش
کرتے ہوے پھر اُسی طرف چلین لیکن جب ڈھونڈھ کر پڑاؤ پر پہونچین تو لوگ روانہ ہو گئے تھے، اسی جگہ
غمگین و ملول بیٹھ گئین، اتفاقاً حضرت صفوان بن المعطلؓ جو نہایت ضعیف اور بوڑھے تھے اور عموماً
کوچ کے بعد قیامگاہ کا جائزہ لیکر شب سے پیچھے روانہ ہوتے تھے حضرت عائشہؓ کو دیکھ لیا
اور اونٹ پر بٹھا کر مدینہ لائے،

منافقین کی جماعت نے جو عموماً اپنی مفسدہ پردازی و فتنہ انگیزی سے اسلام مین

[۱] بخاری باب غزوۂ احد [۲] بخاری کتاب المغازی باب الذین استجابوا للہ والرسول ۱۲

تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتی رہتی تھی اس واقعہ کو نہایت مکروہ صورت مین مشتہر کیا، دوسری طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ اور خود حضرت عائشہؓ کو بارگاہِ نبوت مین جو غیر معمولی رسوخ تقرب اور اعزاز حاصل تھا اُس نے بعض مسلمانون کو بھی آمادۂ رشک کردیا تھا، چنانچہ انھون نے بھی اس افترا مین منافقین کی تائید کی سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کا ایک پروردۂ نعمت اور عزیز مسطح بن اثاثہ جسکے وہ اب تک متکفل تھے اس سازش مین افترا پردازون کا ہم آہنگ تھا،

عزت و آبرو انسان کو دنیا مین سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے، اسی بنا پر حضرت ابوبکرؓ کے لیے یہ نہایت روح فرسا آزمایش تھی لیکن خدائے پاک نے بہت جلد اس سے نجات دیدی اور وحی الٰہی نے اس شرمناک بہتان کی اس طرح قلعی کھولی،

اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ	جن لوگون نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی وہ تمھاری
لَا تَحۡسَبُوۡہُ شَرًّا لَّکُمۡ بَلۡ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ لِکُلِّ امۡرِیًٔ	ہی جماعت سے ہین اسکو تم اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ وہ تمھارے
مِّنۡہُمۡ مَّا اکۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ وَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی	لیے خیر ہے ان مین ہر شریک گناہ کو بقدرِ شرکت سزا
کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ،	ملے گی اور اُن مین سے جس نے بہت زیادتی کی ہو اُسپر
(سورۂ نور رکوع ۲)	سخت عذاب ہوگا،

حضرت ابوبکرؓ اس برات کے بعد مسطح بن اثاثہ کی کفالت سے دست بردار ہوگئے اور فرمایا "خدا کی قسم اس فتنہ پردازی کے بعد اُس کی کفالت نہین کرسکتا" لیکن جب یہ آیتین نازل ہوئین،

وَ لَا یَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡکُمۡ وَ السَّعَۃِ اَنۡ یُّؤۡتُوۡۤا	تم مین سے بڑے اور صاحب مقدرت لوگ رشتہ دار، دکین
اُولِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنَ وَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ	اور مہاجرین فی سبیل اللہ کو مدد، نہ دینے کی قسم نہ کھائین
وَ لۡیَعۡفُوۡا وَ لۡیَصۡفَحُوۡا اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَکُمۡ	اور چاہیے کہ وہ اُن کے قصور معاف کرین اور ان سے درگذر کرین
وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (نور رکوع ۳)	کیا تم یہ نہین چاہتے کہ اللہ تمکو بخشدے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحمت والا ہے

تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا "خدا کی قسم مین چاہتا ہون کہ خدا مجھے بخشدے" اور قسم کھائی کہ اب ہمیشہ اس کا کفیل رہون گا[1]

واقعہ حدیبیہ

اسی سال یعنی ۶ھ مین آنحضرت صلعم نے چودہسو صحابہؓ کے ساتھ زیارت کعبہ کا عزم فرمایا اور جب مکہ کے قریب پہونچے تو خبر ملی کہ قریش مزاحم ہون گے آنحضرت صلعم نے یہ سنکر صحابہ سے مشورہ طلب کیا، حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ قتل و خونریزی نہین بلکہ زیارت کعبہ کے قصد سے روانہ ہوے ہین، اس لیے تشریف لے چلیے، جو کوئی اس مین سدِ راہ ہوگا ہم اس سے لڑین گے" آنحضرت صلعم نے فرمایا بسم اللہ چلو، غرض آگے بڑھ کر مقامِ حدیبیہ مین پڑاؤ ڈالا گیا اور طرفین سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی، اسی اثنا مین مشہور ہوا کہ حضرت عثمانؓ جو سفیر ہو کر گئے تھے شہید ہوگئے، یہ سنکر آنحضرت صلعم نے تمام جان نثارون سے جہاد پر بیعت کی اور یہی وہ بیعت ہے جو تاریخ اسلام مین بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے[2]،

قریش مکہ ان تیاریون سے خوفزدہ ہوکر کچھ نرم پڑگئے اور مصالحت کے خیال سے عروہ بن مسعود کو سفیر بناکر بھیجا، اس نے آنحضرت صلعم سے گفتگو کرتے ہوے کہا "محمد! خدا کی قسم مین تمھارے ساتھ ایسے چہرے اور ایسے مخلوط آدمی دیکھتا ہون کہ وقت پڑے گا تو وہ تمکو چھوڑکر الگ ہو جائینگے" اس جملہ نے جان نثارانِ رسولؐ کے دلون پر نشتر کا کام کیا، حضرت ابو بکرؓ جیسے حلیم الطبع شخص نے برہم ہو کر کہا "کیا ہم رسول اللہ کو چھوڑکر بھاگ جائینگے" عروہ نے انجان بنکر پوچھا یہ کون ہین لوگون نے کہا، ابو بکرؓ، اس نے مخاطب ہو کر کہا "قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ مین میری جان ہے اگر مین تمھارا زیر بار احسان نہوتا تو تحقیق نہایت سخت جواب دیتا[3]"۔

---

[1] یہ تمام تفصیل بخاری باب حدیث الافک سے ماخوذ ہے ۱۲ [2] بخاری باب غزوۂ حدیبیہ [3] بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل الحرب

حدیبیہ مین جو معاہدہ طے پایا وہ بظاہر کفار کے حق مین زیادہ مفید تھا، اس بنا پر حضرت عمرؓ کو نہایت اضطراب ہوا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ کفار سے اسقدر دبکر کیون صلح کی جاتی ہے؟ حضرت ابوبکرؓ محرم اسرار نبوت تھے فرمایا، "آنحضرت صلعم خدا کے رسول ہین اس لیے آپ اس کی نافرمانی نہین کر سکتے، اور وہ ہر وقت آپ کا معین و ناصر ہے"[1]

اس معاہدہ کے باعث قریش مکہ سے گونہ اطمینان ہوا تو ۷ھ مین خیبر پر فوج کشی ہوئی، پہلے حضرت ابوبکرؓ سپہ سالار تھے لیکن درحقیقت یہ کارنامہ حضرت علیؓ کے لیے مقدر ہو چکا تھا، خیبر حضرت علیؓ کے ہاتھ مفتوح ہوا[2] اور حضرت ابوبکرؓ اسی سال ماہ شعبان مین بنی کلاب کی سرکوبی کیلیے مامور ہوئے[3]، وہان سے کامیابی کے ساتھ واپس آئے تو پھر بنو فزارہ کی تنبیہ کے لیے ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیے گئے، اور بہت سے قیدی اور مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے[4]

قریش مکہ کی عہد شکنی کے باعث ۸ھ مین رسول اللہ صلعم نے دس ہزار کی جماعت سے مکہ کا قصد فرمایا اور فاتحانہ جاہ وجلال سے داخل ہوئے، حضرت ابوبکرؓ بھی ہمراہ تھے اور مکہ مین پہنچکر اپنے والد ابو قحافہ عثمان بن عامر کو دربار نبوت مین پیش کیا آنحضرت صلعم نے نہایت شفقت کے ساتھ اُن کے سینہ پر ہاتھ پھیر کر نور ایمان سے مشرف فرمایا[5]،

مکہ سے واپسی کے وقت بنو ہوازن سے جنگ ہوئی جو عموماً غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے، حضرت ابوبکرؓ اس مین بھی ثابت قدم اصحاب کی صف مین شامل تھے، یہان سے بڑھ کر طائف کا محاصرہ ہوا، حضرت ابوبکرؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ اسی محاصرہ مین عبداللہ بن محجن ثقفی کے تیر سے زخمی ہوئے اور آخر کار یہی زخم حضرت ابوبکرؓ کے اوائل خلافت مین اُن کی شہادت کا باعث ہوا[6]،

[1] بخاری کتاب الشروط ... باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل الحرب [2] بخاری باب مناقب علی بن ابی طالب [3] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۲۰۷ [4] مسلم باب التنفیل وفداء المسلمین بالاساری [5] اصابہ تذکرہ ابو قحافہ عثمان بن عامر [6] اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن ابی بکر الصدیقؓ

۹ھ میں افواہ پھیلی کہ قیصرِ روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے چونکہ مسلسل جنگون کے باعث یہ نہایت عسرت و تنگ حالی کا زمانہ تھا اس لیے رسول اللہ صلعم نے جنگی تیاریون کے لیے صحابۂ کرامؓ کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی چنانچہ تمام صحابہ نے حسب حیثیت اس مین شرکت کی حضرت عثمانؓ نے بہت کچھ دیا لیکن اس موقع پر بھی حضرت ابوبکرؓ نے پیشقدمی کی اور جو کچھ تھا سب[1] لا کر آنحضرت صلعم کے سامنے ڈالدیا، آپ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا ہے، عرض کیا اُن کے لیے اللہ اور اُس کا رسول ہے، غرض انہین سرمایون سے ایک عظیم الشان فوج تیار ہو گئی اور حدودِ شام کی طرف بڑھی لیکن تبوک پہنچکر خبر غلط نکلی اور سب لوگ واپس آ گئے[2]۔

امارتِ حج — اسی سال یعنی ۹ھ مین آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کو امارتِ حج کے منصب پر مامور فرمایا اور ہدایت کی کہ منیٰ کے عظیم الشان اجتماع مین اعلان کر دین کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، اور نہ کوئی برہنہ شخص خانۂ کعبہ کا طواف کرے[3]، چونکہ سورہ برات اسی زمانہ مین نازل ہوئی تھی اور حضرت علیؓ حج کے موقع پر اس کو سنانے کے لیے بھیجے گئے تھے اس لیے بعضون کو یہ شک پیدا ہو گیا ہے کہ امارتِ حج کی خدمت بھی حضرت ابوبکرؓ سے لیکر حضرت علیؓ ہی کو تفویض کی گئی تھی لیکن یہ شدید غلطی ہے کیونکہ یہ دو مختلف خدمتین تھین، چنانچہ خود حضرت علیؓ کی ایک روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس شرف کے تنہا مالک تھے[4]،

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ صفحہ ۱۲۹ مطبوعہ مصر۔ [2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی، [3] بخاری باب حج ابی بکر بالناس فی سنہ تسع ۲، [4] فتح الباری ج ۸ صفحہ ۲۴۰،

آنحضرت صلعم کی وفات
اور
حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت

سنہ۱۰ھ میں رسول اللہ صلعم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے، حضرت ابوبکرؓ ہمرکاب تھے، اس سفر سے واپس آنے کے بعد آپ نے ایک مفصل خطبہ دیا اور فرمایا "خدا نے ایک بندہ کو دنیا اور عقبیٰ کے درمیان اختیار دیا تھا لیکن اُس نے عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح دی" حضرت ابوبکرؓ یہ سنکر رونے لگے لوگوں کو سخت تعجب ہوا کہ یہ رونے کا کون سا موقع تھا[1] لیکن درحقیقت اُنکی فراست اس کنایہ کی تہ تک پہونچ گئی تھی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ بندہ سے مراد خود ذات اقدس صلعم ہے، چنانچہ اس تقریر کے بعد ہی آنحضرت صلعم بیمار ہوئے، مرض روز بروز بڑھتا گیا یہانتک مسجد مین تشریف لانے سے بھی معذور ہوگئے اور حکم ہوا کہ ابوبکرؓ امامت کی خدمت انجام دین، حضرت عائشہؓ کو خیال ہوا کہ اگر امامت کا شرف حضرت ابوبکرؓ کو عطا کیا جائیگا تو وہ محسود خلائق ہو جائینگے اسلیے اُنھون نے خود اور اُن کی تحریک سے حضرت حفصہؓ نے بارگاہ نبوت مین عرض کی کہ ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب ہین اس لیے یہ منصب جلیل عمرؓ کو عطا کیا جائے، لیکن آنحضرت صلعم نے ابوبکرؓ کی امامت کے لیے اصرار کے ساتھ حکم دیا اور برہم ہوکر فرمایا "تم وہی ہو جنھون نے یوسف کو دھوکا دینا چاہا تھا"[2]

حضرت ابوبکرؓ کو جب اس حکم نبوی کی اطلاع ہوئی تو اُنھون نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم پڑھاؤ، اُنھون نے کہا آپ مجھ سے زیادہ مستحق ہین[3] غرض اس روز حضرت ابوبکرؓ ہی نماز

---

[1] بخاری باب فضائل الصدیق [2] بخاری باب اہل العلم و الفضل احق بالامامۃ [3] ایضاً

پڑھاتے رہے، ایک روز وہ حسب معمول نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ صلعم تشریف لائے،
حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلعم کو دیکھکر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپ نے اشارہ سے منع فرمایا،
اور خود اُن کے داہنے پہلو مین بیٹھ کر نماز ادا کی[۱]

۱۲ ربیع الاوّل دوشنبہ کے روز جس دن آنحضرت صلعم نے وفات پائی حضرت
ابوبکرؓ حسب معمول نماز پڑھا رہے تھے آنحضرت صلعم نے حجرہ کا پردہ اُٹھا کر دیکھا اور خوش ہو کر مسکرا دے
تو حضرت ابوبکرؓ نے اس خیال سے کہ شاید آپ نماز کے لیے تشریف لائینگے پیچھے ہٹنا چاہا،
لیکن اشارہ سے حکم ہوا کہ نماز پوری کرو اور پھر پردہ گرا دیا[۲] چونکہ اس روز بظاہر آنحضرت صلعم کے
مرض مین افاقہ معلوم ہوتا تھا اس لیے حضرت ابوبکرؓ نماز کے بعد اجازت لیکر مقام سنح کو گئے جہان
اُن کی زوجہ محترمہ حضرت خارجہ بنت زہیر رہتی تھین تشریف لے گئے[۳]

حضرت ابوبکر صدیقؓ سنح سے واپس آئے تو رسول اللہ صلعم کا وصال ہو چکا تھا اور مسجد کے
دروازہ پر ایک ہنگامہ برپا تھا لیکن وہ کسی سے کچھ نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے مکان
مین داخل ہو کر اپنے محبوب آقا کے نورانی چہرہ کو بے نقاب کیا پیشانی پر بوسہ دیا اور رو کر کہا[۴]

بابی انت وامی واللہ لایجمع اللہ علیک	میرے ماں باپ آپ پر فدا ہون خدا کی قسم آپ پر دو موتین
موتتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد	جمع نہون گی، وہ موت جو آپ کے لیے مقدر تھی اس کا
ذقتھا ثم لن تصیبک بعدہ موتۃ ابدا	مزہ چکھ چکے اب اُسکے بعد پھر کبھی کوئی موت نہ آے گی،

پھر چادر ڈال کر باہر تشریف لائے، یہان حضرت عمرؓ تقریر کر رہے تھے اور قسم کھا کھا کر رسول اللہ[۵]
کے انتقال سے انکار کر رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے یہ حال دیکھا تو فرمایا، عمر! تم بیٹھ جاؤ، لیکن

---

[۱] بخاری باب من قام الی جنب الامام لعلۃ، [۲] بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ ۱۲ [۳] بخاری
باب الدخول علی المیت بعد الموت [۴] ایضاً

انھون نے وارفتگی مین کچھ خیال نہ کیا تو الگ کھڑے ہوکر تقریر شروع کردی، چنانچہ تمام مجمع انہیں کی طرف جھک پڑا، اور حضرت عمرؓ تنہا رہ گئے، آپ نے فرمایا؛

امابعد فمن کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات	اگر لوگ محمدؐ کی پرستش کرتے تھے تو بیشک وہ مرگئے اور اگر
ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت	خدا کو پوجتے تھے تو بیشک وہ زندہ ہے اور کبھی نہ مریگا؛
قال اللہ تعالیٰ	خدائے برتر فرماتا ہے؛
وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ	"محمد صرف ایک رسول ہین جن سے پہلے بہت سے
الرُّسُل الآیۃ	رسول گذر چکے ہین"

یہ تقریر ایسی دلنشین تھی کہ ہر ایک کا دل مطمئن ہوگیا، خصوصاً جو آیت آپ نے تلاوت فرمائی وہ ایسی باموقع تھی کہ اُسی وقت زبان زدِ خاص و عام ہوگئی حضرت عبداللہؓ فرماتے ہین کہ خدا کی قسم ہم لوگون کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے نازل ہی نہین ہوئی تھی؛[۱]

سقیفۂ بنی ساعدہ رسول اللہؐ کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین کی سازش سے مدینہ مین خلافت کا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا، اور انصار نے سقیفۂ بنی ساعدہ مین مجتمع ہوکر خلافت کی بحث چھیڑ دی، مہاجرین کو خبر ہوئی تو وہ بھی مجتمع ہوئے، معاملہ اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو وقت پر اطلاع نہ ہوجاتی تو مہاجرین و انصار جو رسول اللہ صلعم کی زندگی مین بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے باہم دست و گریبان ہوجاتے اور اس طرح اسلام کا چراغ ہمیشہ کیلئے گل ہوجاتا لیکن خدا کو توحید کی روشنی سے تمام عالم کو منور کرنا تھا، اس لیے اُس نے آسمان اسلام پر ابوبکر و عمر جیسے مہروماہ پیدا کردیے تھے جنھون نے اپنی عقل و سیاست کی روشنی سے افقِ اسلام کی ظلمت اور تاریکیون کو کافور کردیا،

---

[۱] بخاری باب الدخول علی المیت بعد الموت [۲] بخاری باب مرض النبی صلعم و وفاتہ؛

حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو ساتھ لیے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ مین پہونچے انصار نے دعویٰ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمھارا ظاہر ہے کہ اس دو عملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ ممکن تھا کہ مسند خلافت مستقل طور پر صرف انصار ہی کے سپرد کر دی جاتی لیکن دقت یہ تھی کہ قبائل عرب خصوصاً قریش اُن کے سامنے گردن اطاعت خم نہین کر سکتے تھے، پھر انصار مین بھی دو گروہ تھے اوس اور خزرج اور ان مین باہم اتفاق نہ تھا غرض ان دقتون کو پیش نظر رکھکر حضرت ابوبکرؓ نے کہا "اُمرا ہماری جماعت سے ہون اور وزرا تمھاری جماعت سے" اسپر حضرت حباب بن المنذر انصاریؓ بول اُٹھے "نہین، خدا کی قسم نہین! ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمھارا" حضرت ابوبکرؓ نے یہ جوش وخروش دیکھا تو نرمی و آشتی کے ساتھ انصار کے فضائل ومحاسن کا اعتراف کر کے فرمایا "صاحبو! مجھے آپکے محامد سے انکار نہین! لیکن درحقیقت تمام عرب قریش کے سوا اور کسی کی حکومت تسلیم ہی نہین کر سکتا، پھر مہاجرین اپنے تقدم اسلام اور رسول اللہ صلعم سے خاندانی تعلقات کے باعث نسبتاً آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہین، یہ دیکھو عبیدہ بن الجراح، اور عمر بن الخطاب موجود ہین ان مین سے جسکے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو، لیکن حضرت عمرؓ نے پیشدستی کر کے خود حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ مین ہاتھ دیدیا اور کہا "نہین! بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہین، کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگون مین سب سے بہتر ہین اور رسول اللہ صلعم آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے[1]"، چونکہ اس مجمع مین حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ کوئی باا ثر بزرگ اور معمر نہ تھا اس لیے اس انتخاب کو سب نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا اور تمام خلقت بیعت کیلیے ٹوٹ پڑی، اس طرح یہ اُٹھتا ہوا طوفان دفعتہً رُک گیا اور لوگ رسول اللہ صلعم کی تجہیز وتکفین مین مشغول ہوئے،

---

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۸

اس فرض سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے روز مسجد مین بیعت عامہ ہوئی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منبر پر بیٹھ کر ان الفاظ مین اپنے آئندہ طرزِ عمل کی توضیح فرمائی،

ایھا الناس فانی قد وُلّیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعینونی وان اسأت فقوّمونی الصدق امانۃ والکذب خیانۃ، والضعیف فیکم قوی عندی حتی ازیح علیہ حقہ ان شاء اللہ والقوی فیکم ضعیف عندی حتی آخذ الحق منہ ان شاء اللہ لایدع قوم الجہاد فی سبیل اللہ الا ضربھم اللہ بالذل، ولا تشیع الفاحشۃ فی قوم قط الا عمّھم اللہ بالبلاء اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فاذا عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعۃ لی علیکم، قوموا الی صلاتکم یرحمکم اللہ

صاحبو! مین تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہون حالانکہ مین تم لوگون مین سب سے بہتر نہین ہون، اگر مین اچھا کام کردن تو میری اعانت کرو، اور اگر برائی کی طرف جاؤن تو مجھے سیدھا کر دو، صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے، انشاء اللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے، یہانتک کہ مین اُس کا حق واپس دلادون اور انشاء اللہ تمہارا قوی فرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہانتک کہ مین اُس سے دوسرے کا حق دلادون جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اسکو خدا ذلیل وخوار کر دیتا ہے اور جس قوم مین بدکاری عام ہو جاتی ہے خدا اُسکی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے، [illegible] مین خدا اور اُسکے رسول کی اطاعت کرون تو میری اطاعت کرو لیکن جب خدا اور اُسکے رسول کی نافرمانی کرون تو تم پر اطاعت نہین نماز کے لیے [1]

حضرت علیؓ کی بیعت

گو تمام مسلمانون نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ باقاعدہ مسندِ خلافت پر متمکن ہو گئے تاہم حضرت علیؓ اور ان کے ساتھ بعض دوسرے صحابہؓ نے کچھ دنون تک بیعت مین تاخیر کی، اس توقف نے تاریخ اسلام مین عجیب وغریب مباحث پیدا کر دیے ہین جن کی تفصیل کے لیے اس اجمال کی گنجایش نہین، ممکن ہے کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلعم سے اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر خلافت کے آرزومند ہون اور اس انتخاب کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہون تاہم اُن کا حق برست

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۲۹

دل نفسانیت سے پاک تھا اُس لیے یہ کسی طرح قیاس میں نہیں آتا، کہ محض اسی آرزو نے اُنکو چھ ماہ تک جمہور مسلمانوں سے انحراف پر مائل رکھا ہو، اس بنا پر دیکھنا چاہیے کہ خود حضرت علیؓ نے اس توقف کی کیا وجہ بیان کی ہے، ابن سعد کی روایت ہے،

عنی محمد بن سیرین قال لما بویع ابوبکر	محمد بن سیرین کی روایت ہے کہ جب ابوبکر کی بیعت کیگئی
ابطأ علی فی بیعته وجلس فی بیته فقال	تو علیؓ نے بیعت میں دیر کی اور خانہ نشین رہے ابوبکرؓ
فبعث الیه ابوبکر ما ابطأبك عنی	کہلا بھیجا کس چیز نے آپ کو میری بیعت سے باز رکھا ہے
أکرهت امارتی قال علی ما کرهت	کیا آپ میری امارت کو ناپسند کرتے ہیں؟ علیؓ نے کہا
امارتك ولکن آلیت ان لا ارتدی	میں آپکی امارت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جبتک
ردائی الا الی صلوٰۃ حتی اجمع القرآن[1]	قرآن جمع نہ کرلوں نماز کے سوا اپنی چادر نہیں اوڑھونگا،

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت میں دیر ہوجانے کی حقیقی وجہ کیا تھی؟

ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ باغِ فدک اور مسئلۂ وراثت کے جھگڑوں سے (جس کا تذکرہ آئندہ آئیگا) خلیفۂ اول کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کے دل میں کسی قدر ملال پیدا کردیا تھا اس لیے ممکن ہے کہ حضرت علیؓ نے محض اُن کے پاسِ خاطر سے بیعت میں دیر کی ہو چنانچہ جب ان کا انتقال ہوگیا تو حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو تنہا بلا کر اُن کے فضل و شرف کا اعتراف فرمایا اور کہا کہ خدا نے آپ کو جو درجہ عطا کیا ہے ہم اس پر حسد نہیں کرتے لیکن خلافت کے معاملہ میں ہماری حق تلفی ہوئی کیونکہ رسول اللہ صلعم سے قرابت یا رشتہ داری کی بنا پر ہم اسمیں یقیناً اپنا حصہ سمجھتے تھے، حضرت علیؓ نے اس کو کچھ اس انداز سے کہا کہ خلیفۂ اول کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور جواب دیا قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں سے رسول اللہ صلعم کے

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۲ ص ۱۰۱،

رشتہ داروں کو زیادہ عزیز رکھتا ہوں، ہاں آنحضرت ؐ کی متروکہ جائداد کا جھگڑا تو اس میں میں نے رسول اللہ صلعم کے طرز عمل سے سرمو انحراف نہیں کیا، غرض اسطرح دوستانہ شکوہ سنجی سے دونوں کا آئینۂ دل صاف ہوگیا اور بعد نماز ظہر حضرت ابوبکرؓ نے مجمع عام میں حضرت علیؓ کی طرف سے عذرخواہی کی، اور حضرت علیؓ نے شاندار الفاظ میں اُن کے فضل و شرف کا اعتراف کیا[1]۔

خلافت

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سند آرائے خلافت ہوتے ہی اپنے سامنے صعوبات مشکلات اور خطرات کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا، ایک طرف کذاب مدعیانِ نبوت اُٹھ کھڑے ہوئے تھے، دوسری طرف مرتدینِ اسلام کی ایک جماعت علم بغاوت بلند کیے ہوئے تھی، منکرینِ زکوٰۃ نے علیحدہ شورش برپا کر رکھی تھی، ان دشواریوں کے ساتھ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی مہم بھی درپیش تھی جنکو آنحضرت صلعم نے اپنی حیات ہی میں شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا، اسی مہم کے متعلق صحابۂ کرامؓ نے رائے دی کہ اُسکو ملتوی کرکے پہلے مرتدین و کذاب مدعیانِ نبوت کا قلع قمع کیا جائے لیکن خلیفۂ اول کی غیور طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ ارادۂ نبوی اور حکم رسالتماب صلعم معرض التوا میں پڑ جائے اور جو علم رسول اللہ صلعم کی ایما سے روم کے مقابلہ کے لیے بلند کیا گیا تھا اُس کو کسی دوسری جانب حرکت دی جائے، چنانچہ آپ نے برہم ہوکر فرمایا "خدا کی قسم اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہوجائے کہ درندے آکر میری ٹانگ کھینچنے لگیں جب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا[2]"۔

اسامہ بن زیدؓ کی روانگی مہم | غرض خلیفۂ اول نے خطرات و مشکلات کے باوجود حضرت اسامہؓ کو

---

[1] بخاری باب غزوۂ خیبر، [2] تاریخ الخلفاء ص ۱۷،

روانگی کا حکم دیدیا اور خود دور تک پیادہ پا مشایعت کر کے اُن کو نہایت زرین ہدایتیں فرمائیں، چونکہ اُسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور جانشین رسول پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ دوڑ رہا تھا، اس لیے اُنھوں نے تعظیماً عرض کی "اے جانشین رسول! خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہو لیں ورنہ مین بھی اتر تا ہون" بولے "اسمین کیا مضائقہ ہے اگر مین تھوڑی دیر تک راہِ خدا مین اپنا پانون غبار آلود کرون؟ حالانکہ غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیان لکھی جاتی ہین[1]"۔

حضرت اسامہؓ کی مہم رخصت ہو کر حدودِ شام مین پہنچی اور اپنا مقصد پورا کر کے یعنی حضرت زیدؓ کا انتقام لے کر نہایت کامیابی کے ساتھ چالیس دن مین واپس آئی، حضرت ابوبکرؓ نے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر نہایت جوشِ مسرت سے اُنکا استقبال فرمایا،

مدعیانِ نبوت کا قلع قمع سرورِ کائنات صلعم ہی کی زندگی مین بعض مدعیانِ نبوت پیدا ہو چکے تھے، چنانچہ مسیلمہ کذاب نے سنہ ۱۰ھ مین نبوت کا دعوی کیا تھا اور آنحضرت صلعم کو لکھا تھا کہ مین آپ کے ساتھ نبوت مین شریک ہون نصف دنیا آپ کی ہے اور نصف میری، سرور کائنات نے اِس کا جواب دیا تھا،

من محمد رسول اللہ الی مسیلمۃ الکذاب	محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو، اما بعد دنیا خدا کی
اما بعد فان الارض للہ یورثھا من یشاء	ہے وہ اپنے بندون مین سے جسکو چاہیگا اس کا وارث
من عبادہ والعاقبۃ للمتقین[2]	بنائے گا اور انجام پرہیزگارون کے لیے ہے،

لیکن آنحضرت صلعم کے بعد اور بھی بہت سے مدعیانِ نبوت پیدا ہو گئے تھے اور روز بروز

[1] طبری، ۱۸۵۰، [2] تاریخ طبری ۱۷۴۹،

ان کی قوت بڑھتی جاتی تھی، چنانچہ طلیحہ بن خویلد نے اپنے اطراف میں علمِ نبوت بلند کیا تھا
بنو غطفان اسکی مدد پر تھے اور عیینہ بن حصن فزاری اُن کا سردار تھا، اُسی طرح اسود عنسی نے یمن میں
اور مسیلمہ بن حبیب نے یمامہ میں نبوت کا دعوی کیا تھا، مرد تو مرد یہ ایسا مرض عام ہو گیا تھا کہ
عورتوں کے سر میں بھی نبوت کا سودا سما گیا تھا، چنانچہ سجاح بنت حارث تمیمیہ نے نہایت زور
وشور کے ساتھ نبوت کا دعوی کیا تھا اور اشعث بن قیس اس کا داعیِ خاص تھا، سجاح نے
آخر میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لیے مسیلمہ سے شادی کر لی تھی، خلاصہ یہ کہ یہ مرض وبا کی طرح
تمام عرب میں پھیل گیا تھا، اور اس کے انسداد کی نہایت سخت ضرورت تھی، اس بنا پر حضرت
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خاص طور پر اسی کی طرف توجہ کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ اس
مہم کے لیے کون شخص زیادہ موزوں ہوگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لیا گیا لیکن وہ اس وقت تک
تمام تعلقات دنیاوی سے کنارہ کش تھے، اس لیے قرعہ انتخاب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے
نام نکلا، چنانچہ وہ ۱۱ھ میں حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ مہاجرین و انصار کی
ایک جمعیت لیکر مدعیانِ نبوت کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے[1]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے طلیحہ کی جماعت پر حملہ کر کے اُسکے متبعین کو
قتل کیا اور عیینہ بن حصن کو گرفتار کر کے دوسرے تیس قیدیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا اور
عیینہ بن حصن نے مدینہ پہنچکر اسلام قبول کر لیا لیکن طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں
سے عذر خواہی کے طور پر دو شعر لکھ بھیجے اور تجدید اسلام کر کے حلقۂ مومنین میں داخل ہو گیا۔

مسیلمہ کذاب کی بیخ کنی کے لیے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ روانہ کیے گئے لیکن قبل
اس کے کہ وہ حملہ کی ابتدا کریں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اُن کی اعانت کے لیے روانہ کیا

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۸۷۰، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۵

گیا، چنانچہ اُنھون نے مجاعہ کو شکست دی اُسکے بعد خود مسیلمہ سے مقابلہ ہوا، مسیلمہ نے اپنے متبعین کو ساتھ لیکر نہایت شدید جنگ کی اور مسلمانون کی ایک بہت بڑی تعداد اس مین شہید ہوئی جسمین بہت سے حفاظِ قرآن بھی تھے لیکن آخر مین فتح مسلمانون کے ہاتھ رہی اور مسیلمہ کذاب حضرت وحشیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا، مسیلمہ کی بیوی سجاح جو خود مدعیِ نبوت تھی، بھاگ کر بصرہ پہونچی اور کچھ دنون کے بعد مرگئی[1]

اسود عنسی نے خود رسول اللہ صلعم کے زمانہ ہی مین نبوت کا دعوی کیا تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ مین اس کی قوت زیادہ بڑھ گئی تھی، اسکو قیس بن مکشوح اور فیروز دیلمی نے نشہ کی حالت مین واصلِ جہنم کیا[2]

مرتدین کی سرکوبی

حضرت سرورِ کائناتؐ کے بعد بہت سے سردارانِ عرب مرتد ہوگئے اور ہر ایک اپنے حلقہ کا بادشاہ مطلق بن بیٹھا، چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین مین سر اٹھایا، لقیط بن مالک نے عمان مین علمِ بغاوت بلند کیا، اسیطرح کندہ کے علاقہ مین بہت سے بادشاہ پیدا ہوگئے، اسلیے حضرت ابوبکرؓ نے مدعیانِ نبوت سے فارغ ہونے کے بعد اسی طوائف الملوکی کی طرف توجہ کی چنانچہ علاء بن حضرمی کو بحرین بھیجکر نعمان بن منذر کا قلع قمع کرایا، اسیطرح حذیفہ بن محصن کی تلوار سے لقیط بن مالک کو قتل کراکے سرزمینِ عمان کو پاک کیا، اور زیاد بن لبید کے ذریعہ سے ملوکِ کندہ کی سرکوبی کی[3]

منکرینِ زکوٰۃ کی تنبیہ

مدعیانِ نبوت اور مرتدین کے علاوہ ایک تیسرا گروہ منکرینِ زکوٰۃ کا تھا، چونکہ یہ گروہ اپنے کو مسلمان کہتا تھا اور صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے منکر تھا اس لیے اُس کے خلاف تلوار اُٹھانے کے متعلق خود صحابہ مین اختلافِ راے ہوا، چنانچہ حضرت عمرؓ جیسے متشدد صاحبِ راے

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۷، [2] تاریخ طبری ص ۱۸۶۳، [3] ایضاً،

بزرگ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے کہا کہ آپ ایک ایسی جماعت کے خلاف کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جو توحید و رسالت کا اقرار کرتی ہے اور صرف زکوٰۃ کی منکر ہے، لیکن خلیفہ اول کا عزم متزلزل ارادہ واستقلال اختلافِ آراء سے مطلق متاثر نہوا، اور صاف کہدیا "خدا کی قسم اگر ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ صلعم کو دیا جاتا تھا کوئی دینے سے انکار کرے گا، تو میں اُسکے خلاف جہاد کروں گا" اس تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی تنبیہ کے بعد تمام منکرین خود زکوٰۃ لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور پھر حضرت عمرؓ کو بھی حضرت صدیقؓ کی اصابتِ رائے کا اعتراف کرنا پڑا۔[1]

جمع و ترتیب قرآن | مدعیانِ نبوت و مرتدینِ اسلام کے مقابلہ میں بہت سے حفاظِ قرآن شہید ہوئے، خصوصاً یمامہ کی خونریز جنگ میں اسقدر صحابۂ کرام کام آئے کہ حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہوگیا کہ اگر صحابہ کی شہادت کا یہی سلسلہ قائم رہا تو قرآن شریف کا بہت حصہ ضائع ہو جائیگا، اس بنا پر اُنھوں نے خلیفۂ اوّل سے قرآن شریف کے جمع و ترتیب کی تحریک کی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پہلے عذر ہوا، کہ جس کام کو رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا ہے اُسکو میں کس طرح کروں، حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ کام اچھا ہے، اور اُن کے بار بار کے اصرار سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذہن میں بھی یہ بات آگئی، چنانچہ اُنھوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو جو عہدِ نبوت میں کاتبِ وحی تھے قرآن شریف کے جمع کرنے کا حکم دیا، پہلے اُن کو بھی اس کام میں عذر ہوا لیکن پھر اسکی مصلحت سمجھ میں آگئی اور نہایت کوشش و احتیاط کے ساتھ تمام متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا۔[2]

ایک غلط فہمی کا ازالہ | قرآن شریف کی جمع و ترتیب کے متعلق ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ عہدِ نبوت

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۱۰۰، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۵،

مین کلام مجید کی آیتون اور سورتون مین باہم کوئی ترتیب نہ تھی اور نہ سورتون کے نام وضع ہوے تھے، اس لیے عہدِ صدیقؓ مین جو کام انجام پایا وہ اُنھین آیات وسور کو باہم مرتب کرنا تھا، لیکن یہ ایک افسوسناک غلطی ہے، درحقیقت جس طرح قرآن کی ہرایک آیت الہامی ہے اسیطرح آیات وسور کی باہمی ترتیب اور سورتون کے نام بھی الہامی ہین اور خود مہبطِ وحی و الہام کی زندگی مین یہ تمام کام انجام پاچکے تھے، چنانچہ ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتے ہین،

آیات وسور عہدِ نبوت مین مرتب ہوچکے تھے

قرآن شریف کی آیتین عموماً کسی خاص واقعہ اور ضرورت کے پیش آجانے پر نازل ہوتی تھین اور صحابہؓ اُن کو کھجور کی شاخ، ہڈی، چمڑے اور پتھر کی تختی یا کسی خاص قسم کے کاغذ پر لکھ لیتے تھے، اور آنحضرت صلعم کی ہدایت کے مطابق خاص طور پر ترتیب دیتے جاتے تھے، جب ایک سورہ ختم ہوجاتی تو علیحدہ نام سے موسوم ہوجاتی تھی، اور پھر دوسری شروع ہوجاتی تھی، کبھی ایک ساتھ دو سورتین نازل ہوتین اور آنحضرت صلعم دونون کو الگ الگ لکھواتے جاتے، غرض اس طرح آپ کے زمانہ ہی مین سورتین مدون و مرتب ہوچکی تھین اور اُن کے نام بھی قرار پاچکے تھے، حدیثون مین ذکر آتا ہے کہ آنحضرتؐ نے نماز مین فلان فلان سورتین پڑھین یا فلان سورۃ سے فلان سورۃ تک تلاوت فرمائی، صحیح بخاری مین ہے کہ آنحضرتؐ نے مغرب مین سورۂ اعراف پڑھی، اسیطرح اور حدیثون مین بتصریح آیا ہے کہ آپ نے نماز مین بقرہ، آل عمران اور نساء پڑھی، سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کے ذکر سے تو شاید حدیث کی کوئی کتاب خالی نہوگی، اس لیے اب دیکھنا چاہیے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین کیا خدمت انجام پائی،

حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کے متفرق اجزا کو صرف ایک کتاب کی صورت مین جمع کرایا

علامہ حافظ ابن حجر بخاری کی شرح مین فرماتے ہین،

قد اعلم اللہ تعالیٰ فی القرآن بانہ مجموع فی الصحف فی قولہ اللہ تعالےٰ قرآن شریف مین اپنے قول

"یتلو صحفاً مطہرۃ" الآیہ

وکان القرآن مکتوباً فی الصحف لکن کانت متفرقۃ فجمعہا ابو بکر فی مکان واحد ثم کانت بعدہ محفوظۃ الی ان امر عثمان بالنسخ منہا عدۃ مصاحف وارسل بہا الی الامصار [1]

یتلو صحفاً مطہرۃ مین بیان فرما دیا ہو کہ قرآن صحیفون مین جمع ہو، قرآن شریف صحیفون مین لکھا ہوا ضرور تھا لیکن منفرق تھا حضرت ابو بکرؓ نے ایک جگہ جمع کر دیا پھر اُن کے بعد محفوظ رہا یہان تک کہ حضرت عثمانؓ نے متعدد نسخے نقل کرا کے دوسرے شہرون مین روانہ کر دیا،

اس تشریح سے صاف ظاہر ہوگیا کہ حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے حضرت زیدؓ نے صرف قرآن شریف کے متفرق اجزا کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت مین مدون کر دیا تھا،

صحیفۂ صدیقی کب تک محفوظ رہا

حضرت زید بن ثابتؓ کا مدون کیا ہوا نسخہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے خزانہ مین محفوظ رہا، اس کے بعد حضرت عمرؓ کے قبضہ مین آیا، حضرت عمرؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حوالہ فرما دیا اور وصیت کر دی کہ کسی شخص کو نہ دین، البتہ جسکو نقل کرنا یا اپنا نسخہ صحیح کرنا ہو وہ اُس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد مین حضرت حفصہؓ سے عاریۃً لیکر چند نسخے نقل کرائے اور دوسرے مقامات مین روانہ کر دیے لیکن اصل نسخہ بدستور حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ رہا، جب مروان مدینہ کا حاکم ہو کر آیا تو اس نے اس نسخہ کو حضرت حفصہؓ سے لینا چاہا لیکن اُنھون نے دینے سے انکار کر دیا اور تا حیات اپنے پاس محفوظ رکھا، اُن کے انتقال کے بعد مروان نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے لیکر اسکو ضایع کر دیا [2]

فتوحات

جزیرہ نمائے عرب کی سرحد دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتون سے ٹکراتی تھی، ایک طرف

[1] فتح الباری جلد ۹ ص ۱۰، [2] ایضاً ص ۱۷،

شام پر رومی پھریرا لہرا رہا تھا، دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان کا تسلط تھا، ان دونون ہمسایہ سلطنتون نے ہمیشہ کوشش کی کہ عرب کے آزاد و جنگجو باشندون پر اپنی حکمرانی کا سکہ جمائین خصوصاً ایرانی سلطنت نے اس مقصد کے لیے بارہا عظیم الشان قربانیان برداشت کین، بڑی بڑی فوجین اس مہم کے سر کرنے کے لیے بھیجین اور بعض اوقات اُس نے عرب کے ایک وسیع خطہ پر تسلط بھی قائم کرلیا چنانچہ شاپور بن اردشیر جو سلطنت ساسانیہ کا دوسرا فرمان روا تھا، اُس کے عہد مین حجاز و یمن دونون باجگذار ہوگئے تھے اسیطرح سابور ذی الاکتاف یمن و حجاز کو فتح کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہونچ گیا تھا، یہ عربون کا حد درجہ دشمن تھا، چنانچہ جو رؤسائے عرب گرفتار ہوکر جاتے تھے وہ اُن کے شانے اکھڑوا ڈالتا تھا، اسی سے عرب مین ذوالاکتاف کے لقب سے مشہور ہوا[1] تاہم عرب کی فطرت دب کر رہنا نہ جانتی تھی اسلیے جب کبھی موقع ملا بغاوت برپا ہوگئی یہانتک کہ چندبار خود عربون نے عراق پر قابض ہوکر اپنی ریاستین قائم کین، چنانچہ فرمان روایان یمن کے علاوہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق مین آباد ہوکر ایک مستقل حکومت قائم کرلی اور اس کے ایک فرمان روا عمر بن عدی نے حیرہ کو دار السلطنت قرار دیا،

گو شاہان عجم نے حیرہ کی عربی سلطنت کو زیادہ دنون تک آزاد نہین رہنے دیا اور بالآخر اپنی سلطنت کا ایک جزو بنا لیا تاہم عمر بن عدی کا خاندان مدتون ایک باجگذار رئیس کی حیثیت سے عراق پر حکمران رہا، اور اس تقریب سے بہت سے عربی قبائل وقتاً فوقتاً اسی سرزمین مین آباد ہوتے رہے غرض عرب و ایران کے تعلقات نہایت قدیم تھے اور آنحضرت صلعم کے عہد تک باہم چھیڑ چھاڑ چلی جاتی تھی چنانچہ جنگ ذی قار مین جو ایرانیون

[1] تاریخ الطوال ص ۴۹،

اور عربون کی ایک عظیم الشان قومی جنگ تھی جب ایرانیون نے شکست کھائی تو آپ نے فرمایا[1]

ھذا اوّل یوم انتصفت العرب من العجم یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلا لیا،

اسیطرح سنہ ۶ ھ مین جب رسول اللہ صلعم نے بادشاہون کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے

تو پرویز شہنشاہِ ایران نے اسی قدیم قومی عناد کی بنا پر نامۂ مبارک کو پھاڑ کر پھینکدیا اور

برہم ہو کر کہا "میرا غلام ہو کر مجھے یون لکھتا ہے"

رومی سلطنت سے بھی عربون کا نہایت دیرینہ تعلق تھا، عرب کے بہت سے قبائل

مثلاً سلیح، غسان وجذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع مین جاکر آباد ہو گئے تھے اور رفتہ

رفتہ عیسائی مذہب قبول کر کے ملک شام مین بڑی بڑی ریاستین قائم کرلی تھین اور اسی مذہبی تعلق

کے باعث اُن کو رومیون کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہو گئی تھی، اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین

عرب کی طرح حدودِ شام کے عرب عیسائیون نے بھی مخالفت ظاہر کی، اور سنہ ۶ ھ مین حضرت

دحیہ کلبیؓ قیصرِ روم کو دعوتِ اسلام کا پیغام دے کر واپس آرہے تھے تو انھین شامی عربون نے

ان کا مال و اسباب لوٹ لیا[1]، اسیطرح رسول اللہ صلعم کے قاصد حارث بن عمیر کو بصریٰ کے

حاکم عمر بن شرحبیل نے قتل کرادیا، سنہ ۸ ھ مین غزوہ موتہ اسی قتل و غارتگری کا انتقام تھا جسمین

بڑے بڑے صحابہ کام آئے[2]

سنہ ۹ ھ مین رومیون نے خاص مدینہ پر فوج کشی کی تیاریان کی تھین لیکن جب

خود رسول اللہ صلعم پیشقدمی کر کے مقامِ تبوک تک پہونچ گئے تو اُن کا حوصلہ پست ہو گیا اور عارضی

طور پر لڑائی رُک گئی، تاہم مسلمانون کو ہمیشہ شامی عربون اور رومیون کا خطرہ دامنگیر تھا، چنانچہ

[1] عقد الفرید جلد ۳ صفحہ ۱۰۳ ؎ طبری صفحہ ۱۵۶۲ ؎ اسد الغابہ تذکرہ دحیہ بن خلیفہ کلبی،

[2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲،

سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت صلعم نے اسی حفظ ما تقدم کے خیال سے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو شام کی مہم پر مامور فرمایا تھا،

غرض ان تمام واقعات سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عرب ہمیشہ سے اپنی دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف رہا تھا خصوصاً اسلام کی روز افزوں ترقی نے انھیں اور بھی مشکوک کردیا تھا جو اس عربی نونہال کے لیے حد درجہ خطرناک تھا، خلیفۂ اول نے انھیں اسباب کی بنا پر اندرونی جھگڑوں سے فراغت پاتے ہی بیرونی دشمنوں سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کردیں،

مہم عراق

اس زمانہ میں ایرانی سلطنت انقلاب حکومت و طوائف الملوکی کے باعث اپنی پہلی عظمت و شان کو کھو چکی تھی، یزدگرد شہنشاہ ایران نابالغ تھا اور ایک عورت پوران دخت اس کی طرف سے تخت کیانی پر متمکن تھی، عراق کے عربی قبائل جو ہمیشہ ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھانے کے عادی تھے نہایت زور شور کے ساتھ اٹھے، اور قبیلۂ وائل کے دو سردار مثنیٰ شیبانی و سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر حیرہ و ابلہ کے نواح میں غارتگری شروع کردی،

مثنیٰ اسلام لاچکے تھے، انھوں نے دیکھا کہ وہ تنہا اس عظیم الشان حکومت کا مقابلہ نہیں کرسکتے، اس لیے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوکر باقاعدہ فوج کشی کی اجازت حاصل کی، اور اپنے تمام قبیلہ کو لیکر ایرانی سرحد میں گھس گئے، اس وقت تک حضرت خالد بن ولیدؓ مدعیان نبوت و مرتدین کی بیخ کنی سے فارغ ہوچکے تھے، اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انکو ایک جمعیت کے ساتھ مثنیٰؓ کی کمک پر روانہ فرمایا،

حضرت خالد بن ولیدؓ نے پہونچنے کے ساتھ ہی جنگ کی صورت بدلدی اور بانقیا کسکر وغیرہ فتح کرتے ہوئے شاہان عجم کے حدود میں داخل ہوگئے، یہاں شاہ جاپان سے

مقابلہ کیا اور اسکو شکست دی، پھر حیرہ کے بادشاہ نعمان سے جنگ آزما ہوئے نعمان ہزیمت اُٹھاکر مدائن بھاگ گیا، یہاں سے خورنق پہونچے لیکن اہل خورنق نے مصلحت اندیشی کو راہ دے کر ستر ہزار یا ایک لاکھ درہم خراج پر مصالحت کر لی، غرض اسطرح حیرہ کا پورا علاقہ زیر نگین ہو گیا[1]

حملۂ شام | مہم عراق کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ دوسری طرف سرحد شام پر جنگ چھڑ گئی حضرت ابوبکرؓ نے ۱۳ھ میں صحابۂ کرام کے مشورہ لینے کے بعد شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا انتظام کیا، اور ہر ایک علاقہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فوج مقرر کر دی، چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ حمص پر، یزید بن ابی سفیانؓ دمشق پر، شرحبیل بن حسنہؓ اُردن پر اور عمرو بن العاصؓ فلسطین پر مامور ہوئے مجاہدین کی مجموعی تعداد ۲۷۰۰۰ ہزار تھی، ان سرداروں کو سرحد سے نکلنے کے بعد قدم قدم پر رومی جتھے ملے جنکو قیصر نے پہلے ہی سے الگ الگ ہر ایک سردار کے مقابلہ میں متعین کر دیا تھا، یہ دیکھ کر افسران اسلام نے اپنی کل فوجوں کو یکجا جمع کر لیا اور بارگاہ خلافت کو غنیم کی غیر معمولی کثرت کی اطلاع دے کر مزید کمک کے لیے لکھا، چونکہ اس وقت دار الخلافت میں کوئی فوج موجود نہ تھی اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو نہایت انتشار ہوا، اور اسیوقت حضرت خالد بن ولیدؓ کو لکھا کہ مہم عراق کی باگ مثنی کے ہاتھ میں دیکر شام کی طرف روانہ ہو جائیں، چنانچہ وہ فرمان پہونچتے ہی ایک جمعیت کے ساتھ شامی رزمگاہ کی طرف روانہ ہو گئے،

حضرت خالد بن ولیدؓ کو راہ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں چنانچہ جب حیرہ کے علاقہ سے روانہ ہو کر عین التمر پہونچے تو وہاں خود کسریٰ کی ایک فوج سد راہ ہوئی،

---

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۷،

[2] تاریخ طبری و فتوح الشام بلاذری صفحہ ۱۱۶،

عقبہ بن ابی ہلال النمری اس فوج کا سپہ سالار تھا حضرت خالدؓ نے عقبہ کو قتل کرکے اُس کی فوج کو ہزیمت دی، وہاں سے آگے بڑھے تو ہذیل بن عمران کی زیر سیادت بنی تغلب کی ایک جماعت نے مبارز طلبی کی ہذیل مارا گیا، اور اس کی جماعت کے بہت سے لوگ قید کرکے مدینہ روانہ کئے گئے، پھر یہاں سے انبار پہنچے اور انبار سے صحرا طے کرکے تدمر میں خیمہ زن ہوئے اہل تدمر نے بھی پہلے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا پھر مجبور ہو کر مصالحت کر لی تدمر سے گذر کر حوران آئے، تو یہاں بھی سخت جنگ پیش آئی، غرض اسکو فتح کرکے شام کی اسلامی مہم سے مل گئے، اور متحدہ قوت سے بصریٰ، فحل، اور اجنادین کو مسخر کر لیا، اجنادین کی جنگ نہایت شدید تھی اور اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے تاہم میدان انھیں کے ہاتھ رہا اور جمادی الاولیٰ[1] ۱۳ھ سے اجنادین ہمیشہ کے لیے اسلام کا زیر نگین ہو گیا،

اجنادین سے بڑھ کر اسلامی فوجوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا لیکن اُسکے مفتوح ہونے سے پہلے ہی خلیفۂ اول نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اس لیے اُس کی تفصیل فتوحات فاروقی کے سلسلہ میں آئے گی،

متفرق فتوحات عراق اور شام کی لشکر کشی کے علاوہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو توج روانہ کیا گیا، اُنھوں نے توج، مکران اور اُس کے متصلہ علاقوں کو اسلامی حدود میں داخل کر دیا، اسیطرح حضرت علاء بن حضرمیؓ زارہ پر مامور ہوئے، اُنھوں نے زارہ اور اُس کے اطراف کو زیر نگین کرکے اسقدر مال غنیمت مدینہ روانہ کیا کہ خلیفۂ اول نے اس میں سے مدینہ منورہ کے ہر خاص و عام، مرد، عورت اور شریف و غلام کو ایک ایک دینار تقسیم فرمایا،[2]

۱؎ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۱ ۲؎ ایضاً

مرض الموت

استخلاف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ابھی صرف سوا دو برس ہوئے تھے اور اس قلیل عرصہ مین مدعیان نبوت، مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے بعد فتوحات کی ابتدا ہی ہوئی تھی کہ پیغام اجل پہونچ گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہین کہ ایکدن جبکہ موسم نہایت سرد و خنک تھا آپ نے غسل فرمایا، غسل کے بعد بخار آگیا اور مسلسل پندرہ دن تک شدت کے ساتھ قائم رہا، اس اثنا مین مسجد تشریف لانے سے بھی معذور ہوگئے، چنانچہ آپ کے حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ امامت کی خدمت انجام دیتے تھے،

مرض جب روز بروز بڑھتا گیا اور افاقہ سے مایوسی ہوگئی تو صحابۂ کرام کو بلاکر جانشینی کے متعلق مشورہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا، حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا "عمر کے اہل ہونے مین کس کو شبہ ہوسکتا ہے، لیکن وہ کسی قدر متشدد ہین" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا "میرے خیال مین عمر کا باطن ظاہر سے اچھا ہے" لیکن بعض صحابہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تشدد کے باعث پس وپیش تھا، چنانچہ حضرت طلحہ عیادت کے لیے آئے تو شکایت کی کہ آپ عمر کو خلیفہ بنانا چاہتے ہین حالانکہ جب آپ کے سامنے وہ اسقدر متشدد تھے خدا جانے آئندہ کیا کرینگے، حضرت ابوبکر صدیق نے جواب دیا کہ جب اُن پر خلافت کا بار پڑیگا تو اُن کو خود نرم ہونا پڑیگا، اسی طرح ایک دوسرے صحابی نے کہا "آپ عمر کے تشدد سے واقف ہونے کے باوجود انکو جانشین کرتے ہین، ذرا سوچ لیجئے آپ خدا کے یہان جارہے ہین وہان کیا جواب دیجیگا" فرمایا، مین عرض کرونگا خدایا! مین نے تیرے بندون مین سے اُس کو منتخب کیا ہے جو

اُن مین سب سے اچھا ہے" غرض سب کی تشفی کردی اور حضرت عثمانؓ کو بلا کر عہد نامۂ خلافت لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھے جا چکے تھے کہ غش آگیا، حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھکر حضرت عمرؓ کا نام اپنی طرف سے بڑھا دیا، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ پڑھکر سناؤ، اُنھون نے پڑھا تو بیاختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور کہا تمھین خدا جزائے خیر دے تمنے میرے دل کی بات لکھدی، غرض عہد نامہ مرتب ہو چکا تو اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام مین سنا دے اور خود بالاخانہ پر تشریف لیجا کر تمام حاضرین سے فرمایا کہ مین نے اپنے کسی عزیز یا بھائی کو خلیفہ مقرر نہین کیا ہے بلکہ اُس کو منتخب کیا ہے جو تم لوگون مین سب سے بہتر ہے، تمام حاضرین نے اس حسنِ انتخاب پر سمعنا و اطعنا کہا، اُس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر نہایت مفید نصیحتین کین جو ان کی کامیاب خلافت کے لیے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئین[1]

اس فرض سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ذاتی اور خانگی امور کی طرف توجہ کی، حضرت عائشہؓ کو اُنھون نے مدینہ یا بحرین کے نواح مین اپنی ایک جاگیر دیدی تھی لیکن خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثون کی حق تلفی ہوگی اس لیے فرمایا! جانِ پدر! افلاس واما رت دونون حالتون مین تم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہی ہو لیکن جو جاگیر مین نے تمھین دی ہے کیا تم اسمین اپنے دوسرے بھائی بہنون کو شریک کرلوگی ؟" حضرت عائشہؓ نے ہامی بھرلی تو آپنے بیت المال کے قرض کی ادائگی کے متعلق وصیت فرمائی اور کہا کہ ہمارے پاس مسلمانون کے مال مین سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیون کے سوا کچھ نہین، عائشہ! میرے مرتے ہی یہ عمرؓ کے پاس بھیجدی جائین، چنانچہ یہ تمام چیزین حضرت عمرؓ کے پاس بھیجدی گئین، حضرت عائشہؓ فرماتی ہین کہ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دیکھنا کوئی اور چیز تو نہین رہ گئی ہے،

[1] طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ وصیت ابوبکر صفحہ ۱۴۲ ج ۵ ، ص ۱۳۸ ،

اگر ہو تو اس کو بھی عمرؓ کے پاس بھیجدینا، گھر کا جائزہ لیا گیا تو بیت المال کی کوئی اور چیز کاشانۂ صدیقی سے برآمد نہین ہوئیؓ

تجہیز وتکفین کے متعلق فرمایا کہ اس وقت جو کپڑا بدن پر ہے اسی کو دھوکر دوسرے دو کپڑون کے ساتھ کفن دینا حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ یہ تو پرانا ہے، کفن کے لیے نیا ہونا چاہیئے فرمایا زندہ مردون کی بہ نسبت نئے کپڑون کے زیادہ حقدار ہین میرے لیے یہی پھٹا پرانا بس ہے، اسکے بعد پوچھا آج دن کون ہے لوگون نے جواب دیا کہ دوشنبہ پھر پوچھا رسول اللہ صلعم کا وصال کس روز ہوا تھا؟ کہا گیا کہ دوشنبہ کے روز، فرمایا تو پھر میری آرزو ہے کہ آج ہی رات تک اس عالمِ فانی سے رحلت کرجاؤن" چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی یعنی دوشنبہ کا دن ختم کرکے منگل کی رات کو تر سٹھ برس کی عمر مین اواخر جمادی الاخری ۱۳ھ کو رہ گزین عالم جاودان ہوئےؓ، انا للہ وانا الیہ راجعون؛

وصیت کے مطابق رات ہی کے وقت تجہیز وتکفین کا سامان کیا گیا، آپکی زوجہ محترمہ حضرت اسما بنت عمیسؓ نے غسل دیا حضرت عمر فاروقؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے قبر مین اتارا اور سطح سرور کائناتؐ کا رفیقِ زندگی آپ کے پہلو مین مدفون ہوکر دائمی رفاقت کیلیے جنت مین پہونچ گیا،

کارنامہائے زندگی

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی عظیم الشان کارنامون سے لبریز ہے خصوصًا انھون نے سوا دو برس کی قلیل مدت خلافت مین اپنے مساعیِ جمیلہ کے جو لازوال نقش ونگار چھوڑے وہ قیامت تک محو نہین ہوسکتے، رسول اللہ صلعم کے بعد سرزمین عرب ایک دفعہ پھر ضلالت و

لہ طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳۲، سہ طبقات ابن سعد،

گمراہی کا گہوارہ بن گئی تھی، مورخ طبری کا بیان ہے کہ قریش وثقیف کے سوا تمام عرب اسلام کی حکومت سے باغی تھا، مدعیان نبوت کی جماعتین علحدہ ملک مین شورش برپا کر رہی تھین اور منکرین زکوٰۃ خود مدینہ منورہ کو لوٹنے کی دھمکی دے رہے تھے، غرض خورشید عالم عرب ہوتے ہی شمع اسلام بھی چراغ سحری ہو رہی تھی، لیکن جانشین رسول صلعم نے اپنی دوربینی، سیاست اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل ہونے سے محفوظ رکھا بلکہ پھر اسی شعل ہدایت سے تمام عرب کو منور کردیا، اس لیے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد اسلام کو جس نے دوبارہ زندہ کیا، اور دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہو وہ یہی ذات گرامی ہے،

اسمین شک نہین ہے کہ خلیفۂ دوم کے عہد مین بڑے بڑے کام انجام پائے، مہمات امور کا فیصلہ ہوا، یہان تک کہ روم وایران کے دفتر الٹ دیے گئے، تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ ملک مین یہ اولوالعزمانہ روح کب پیدا ہوئی؟ خلافت الٰہیہ کی ترتیب وتنظیم کا سنگ بنیاد کس نے رکھا، اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گرداب فنا سے کس نے بچایا؟ یقیناً ان تمام سوالون کے جواب مین صرف صدیق اکبرؓ ہی کا نام نامی لیا جاسکتا ہے، اور دراصل وہی اسکے مستحق ہین، اس لیے اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ عہد صدیقی کی وہ کونسی داغ بیل تھی جسپر عہد فاروقی مین اسلام کی رفیع الشان عمارت تعمیر کی گئی،

نظام خلافت اسلام مین خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے ڈالی، چنانچہ خود اُن کا انتخاب بھی جمہور کے اتفاق سے ہوا تھا، اور عملاً جسقدر بڑے بڑے کام انجام پائے، سب مین کبار صحابہ رائے ومشورہ کی حیثیت سے شریک تھے، یہی وجہ ہے کہ اُنھون نے صاحب رائے وتجربہ کار صحابہ کو کبھی دارالخلافہ سے جُدا ہونے دیا، حضرت اسامہؓ

کی مہم مین حضرت عمرؓ کو خود رسول اللہ صلعم نے نامزد کیا تھا لیکن انھون نے حضرت اسامہؓ کو راضی کیا کہ حضرت عمرؓ کو رائے و مشورہ مین مدد دینے کے لیے چھوڑ جائین[1]،

شام پر لشکر کشی کا خیال آیا تو پہلے اس کو صحابہ کی ایک جماعت مین مشورہ کیلیے پیش کیا، ان لوگون کو ایسے اہم اور خطرناک کام کو چھیڑنے مین پس و پیش تھا لیکن حضرت علیؓ نے موافق راے دی[2] اور پھر اسی پر اتفاق ہوا، اسیطرح منکرین زکواۃ کے مقابلہ مین جہاد، حضرت عمرؓ کے استخلاف اور تمام دوسرے اہم معاملات مین اہل الرائے صحابہ کی رائے دریافت کر لی گئی تھی، البتہ عہد فاروقی کی طرح اس وقت تک مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام نہ تھا، تاہم جب کوئی امر اہم پیش آجاتا تھا تو چند ممتاز مہاجرین و انصار جمع کیے جاتے تھے اور ان سے راے لی جاتی تھی، چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے،

ان ابا بکر الصدیق کان اذا نزل به امر یرید فیه مشاورة اهل الرای واهل الفقه ودعا رجالا من المهاجرین والانصار دعا عمر عثمان وعلیا وعبد الرحمن بن عوف ومعاذ بن جبل وابی بن کعب وزید بن ثابت وکل هؤلاء یفتی فی خلافة ابی بکر[3] الخ	جب کوئی امر پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اہل الرائے وفقہائے صحابہ سے مشورہ لیتے تھے اور مہاجرین و انصار مین سے چند ممتاز لوگ یعنی عمر، عثمان، علی، عبد الرحمن بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت کو بلاتے تھے، یہ سب حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت مین فتوے بھی دیتے تھے،

ملکی نظم و نسق: نوعیت حکومت کے بعد سب سے ضروری چیز ملک کے نظم و نسق کو بہترین اصول پر قائم کرنا، عہدون کی تقسیم اور عہدہ دارون کا صحیح انتخاب ہے، حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ [3] طبقات ابن سعد قسم ثانی جزء ثانی صفحہ ۱۰۹،

بیرونی فتوحات کی ابھی ابتدا ہوئی تھی اس لیے اُن کے دائرۂ حکومت کو صرف عرب پر محدود سمجھنا چاہیے، انھوں نے عرب کو متعدد صوبوں اور ضلعوں پر تقسیم کر دیا تھا، چنانچہ مدینہ، مکہ، طائف، صنعا، نجران، حضرموت، بحرین اور دومۃ الجندل علٰحدہ علٰحدہ صوبے تھے[1] ہر صوبہ میں ایک عامل ہوتا تھا جو ہر قسم کے فرائض انجام دیتا تھا، البتہ خاص دار الخلافہ میں تقریباً اکثر صیغوں کے الگ الگ عہدہ دار مقرر کیے گئے تھے، مثلاً حضرت ابو عبیدہؓ شام کی سپہ سالاری سے پہلے افسر مال تھے، حضرت عمرؓ قاضی تھے، اور حضرت عثمانؓ و حضرت زید بن ثابتؓ دربار خلافت کے کاتب تھے[2]

عاملوں اور عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت ابو بکرؓ نے ہمیشہ ان لوگوں کو ترجیح دی جو عہد نبوت میں عامل یا عہدہ دار رہ چکے تھے، اور اُن سے انھیں مقامات میں کام لیا جہاں وہ پہلے کام کر چکے تھے، مثلاً عہد نبوت میں مکہ پر عتاب بن اسیدؓ طائف پر عثمان بن ابی العاصؓ صنعا پر مہاجر بن امیہؓ حضرموت پر زیاد بن لبیدؓ اور بحرین پر علا بن الحضرمیؓ مامور تھے، اس لیے خلیفۂ اول نے بھی ان مقامات پر انھیں لوگوں کو برقرار رکھا،[3]

حضرت ابو بکرؓ جب کسی کو کسی ذمہ داری کے عہدہ پر مامور فرماتے تو عموماً بلا کر اس کے فرائض کی تشریح کر دیتے اور نہایت مؤثر الفاظ میں سلامت روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے چنانچہ عمرو بن العاصؓ اور ولید بن عقبہؓ کو قبیلۂ قضاعہ پر محصل صدقہ بنا کر بھیجا تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی،

اتق اللّٰہ فی السر و العلانیۃ	خلوت و جلوت میں خدا کا خوف رکھو جو خدا سے ڈرتا ہے وہ
فانہ من یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا	اسکے لیے ایک ایسی سبیل اور اسکے رزق کا ایک ایسا ذریعہ

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۱۲۲، [2] تاریخ طبری صفحہ ۲۱۳، [3] ایضاً صفحہ ۲۰۸۳،

ويرزقه من حيث لا يحتسب،
ومن يتق الله يكفر عنه سيأته
ويعظم له اجرا فان تقوى الله
خير ما تواصى به عباد الله انك في
سبيل الله لا يسعك فيه الاذهان والتفريط
والغفلة عما فيه قوام دينكم وعصمة
امركم فلا تن ولا تفتر الخ

پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آسکتا،
جو خدا سے ڈرتا ہو وہ اسکے گناہ معاف کر دیتا ہو اور اسکا
اجر دوبالا کر دیتا ہی بیشک بندگان خدا کی خیر خواہی
بہترین تقوی ہے تم خدا کی ایک ایسی راہ میں ہو جس میں
افراط، تفریط، اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش
نہیں جس میں مذہب کا استحکام اور خلافت کی حفاظت
مضمر ہے اس لیے سستی و تغافل کو راہ نہ دینا،

اسیطرح یزید بن سفیان کو مہم شام کی امارت سپرد کی تو فرمایا،

یا یزید ان لك قرابة عسیت
ان تؤثرهم بالامارة وذالك
اکبر ما اخاف علیك فان رسول الله
صلی الله علیه وسلم قال من ولی
من امر المسلمین شیئا فامر علیهم احدا محاباة
فعلیه لعنة الله لا یقبل الله منه صرفا
ولا عدلا حتی یدخله جهنم[1]

اے یزید! تمھاری قرابت داریاں ہیں شاید تم ان کو
اپنی امارت سے فائدہ پہونچاؤ، درحقیقت یہی سب سے
بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں، رسول اللہ صلعم
نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہوا اور ان پر
کسی کو بلا استحقاق محض رعایت کے طور پر افسر بنا دیا ہو
تو اس پر خدا کی لعنت ہو خدا اس کا کوئی عذر اور فدیہ
قبول نہ فرمائے گا یہانتک کہ اسکو جہنم میں داخل کریگا،

حکام کی نگرانی، کسی حکومت کا قانون و آئین گو کیسا ہی مرتب و منتظم ہو تاہم اگر ذمہ دار حکام کی نگرانی اور ان پر نکتہ چینی کا اہتمام نہ ہو تو یقیناً تمام نظام درہم برہم ہو جائیگا یہی وجہ ہے کہ خلیفۂ اول کو اپنی فطری نرم دلی تساہل اور چشم پوشی کے باوجود اکثر موقعوں پر تشدد، احتساب اور نکتہ چینی سے کام

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۰۰۰، [2] مسند جلد ۱ صفحہ ۶،

لینا پڑا، ذاتی معاملات مین رفق و ملاطفت اُن کا خاص شیوہ تھا لیکن حکومت و مذہب مین اس قسم کی مداہنت کو کبھی روا نہ رکھتے تھے چنانچہ حکام سے جب کبھی کوئی نازیبا امر سرزد ہو جاتا تو نہایت سختی کے ساتھ چشم نمائی فرماتے، یمامہ کی جنگ مین مجاعہ حنفی نے جو مسیلمہ کذاب کا سپہ سالار تھا حضرت خالد بن ولیدؓ کو دھوکا دیکر مسیلمہ کی تمام قوم کو مسلمانون کے پنجۂ اقتدار سے بچا لیا حضرت خالدؓ نے اس غداری پر اُس کو سزا دینے کے بجائے اس کی لڑکی سے شادی کر لی، چونکہ اس جنگ مین بہت سے صحابہ شہید ہوے تھے، اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کی اس مسامحت پر سخت ناراضگی ظاہر کرکے لکھا،

تنق تتب علی النساء وعند اطناب — یعنی تمھارے خیمہ کی طناب کے پاس مسلمانون کا خون بہ رہا ہے

بیتاك دماء المسلمین[1] — اور تم عورتون کے ساتھ عیش و عشرت مین مصروف ہو،

مالک بن نویرہ منکرِ زکوٰۃ تھا، حضرت خالد بن ولیدؓ اس کی تنبیہ پر مامور ہوئے لیکن انھون نے زبانی ہدایت سے پہلے ہی اسکو قتل کر ڈالا، مالک کا بھائی شاعر تھا اس نے اس کا نہایت پُر درد مرثیہ لکھا اور ظاہر کیا کہ وہ تائب ہونے کے لیے تیار تھا مگر خالد نے محض ذاتی عداوت سے قتل کر دیا، دربارِ خلافت تک اس کی اطلاع پہونچی اور اس غلطی پر حضرت خالدؓ سخت موردِ عتاب ہوئے تاہم وہ جو کام کر رہے تھے اس کے لیے کوئی دوسرا موزون نہ تھا اس لیے اپنے عہدہ پر برقرار رہے[2]،

تعزیر و حدود حضرت ابوبکر صدیقؓ ذاتی طور پر مجرمون کے ساتھ نہایت ہمدردانہ برتاؤ کرتے تھے، چنانچہ عہدِ نبوت مین قبیلۂ اسلم کے ایک شخص نے اُن کے سامنے بدکاری کا اعتراف کیا تو بولے "تم نے میرے سوا اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے؟" اُس نے کہا "نہیں" فرمایا "خدا سے

[1] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۰، [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۹،

توبہ کر اور اس راز کو پوشیدہ رکھ خدا بھی اس کو چھپائیگا کیونکہ وہ اپنے بندون کی توبہ قبول کرتا ہے اگر اس نے اُن کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو رجم سے بچ جاتا، لیکن خود دربار رسالت مین حاضر ہوکر متواتر چار دفعہ اقرار جرم کیا اور بخوشی سنگسار ہوا۱؎

زمانۂ خلافت مین بھی ان کی یہ طبعی ہمدردی قائم رہی چنانچہ اشعث بن قیس جو مدعی نبوت تھا جب گرفتار ہوکر آیا اور توبہ کرکے جان بخشی کی درخواست کی تو اُنھون نے نصرف اسکو رہا کردیا بلکہ اپنی ہمشیرہ حضرت ام فروہؓ سے اس کا نکاح بھی کردیا۲؎ لیکن سیاسی حیثیت سے خلیفۂ وقت کا سب سے بڑا فرض قوم کی اخلاقی نگرانی اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت ہے اور اس حیثیت سے اگرچہ اُنھون نے پولیس و احتساب کا کوئی مستقل محکمہ قائم نہین کیا بلکہ رسول اللہ صلعم کے عہدِ مبارک مین اُن کی جو حالت تھی وہ قائم رہی، تاہم اُنھون نے اس پر اس قدر اضافہ کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پہرہ داری کی خدمت پر مامور فرمادیا، اور بعض جرائم کی سزائین متعین کردین مثلاً حدِ خمر کی نسبت رسول اللہ صلعم کا طرزِ عمل مختلف تھا، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دورِ خلافت مین شرابی کے لیے چالیس دُرے کی سزا لازمی کردی۳؎

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت مین بعض جدید جرائم بھی پیدا ہوئے مثلاً حضرت خالد بن ولیدؓ نے اُن کو لکھا کہ حوالیِ مدینہ مین ایک شخص علتِ اُبنہ مین مبتلا ہے، چونکہ اہل عرب کیلیے ایک جدید جرم تھا اور حدیث و قرآن مین اسکی کوئی سزا مقرر نہ تھی اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے تمام صحابۂ کرام سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے جلانے کی رائے دی اور تمام صحابہ نے اسپر اتفاق کرلیا۴؎

ان کو ملک مین امن و امان اور شاہراہون کو محفوظ و بے خطر رکھنے کا حد درجہ خیال رہتا تھا اور جو کوئی اس مین رخنہ انداز ہوتا تھا اس کو نہایت عبرت انگیز سزائین دیتے تھے چنانچہ اس زمانہ مین عبداللہ بن ایاس سلمی مشہور رہزن تھا جس نے تمام ملک مین ایک غدر

۱؎ مسند ابن حنبل جلد اول
۲؎ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۹
۳؎ ابو داؤد کتاب الحدود
۴؎ الترغیب والترہیب جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ بحوالہ ابن الدنیا

برپا کر رکھا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے طریفہ بن حاجب کو بھیجکر نہایت اہتمام کے ساتھ اسکو گرفتار کرایا اور آگ مین جلانے کا حکم دیا، لیکن اسی کے ساتھ حدودِ شریعت سے تجاوز کسی حالت مین جائز نہین رکھتے تھے اور ان موقعون پر اُن کا طبعی حلم وکرم صاف نمایان ہوجاتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ حضرت مہاجر بن امیہؓ نے جو یمامہ کے امیر تھے دو گانیوالی عورتون کو اس جرم پر کہ انہین سے ایک آنحضرت صلعم کی ہجو گاتی تھی اور دوسری مسلمانون کو بُرا کہتی تھی، یہ سزا دی کہ ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور دانت اکھڑوا ڈالے حضرت ابوبکرؓ کو معلوم ہوا تو انھون نے اس سزا پر سخت برہمی ظاہر فرمائی اور لکھا کہ بے شک انبیاؑ کا سب وشتم ایک نہایت قبیح جرم ہے اور اگر سزا مین تم عجلت نہ کرتے تو مین قتل کا حکم دیتا، کیونکہ وہ اگر مدعیِ اسلام ہے تو گالی دینے سے مرتد ہوگئی اور اگر ذمیہ تھی تو اس نے خلافِ عہد کیا لیکن دوسری جو صرف مسلمانون کو برا کہتی تھی اُس کو کوئی سزا نہ دینا چاہیے تھا کیونکہ اگر وہ مسلمان عورت ہے تو اس کے لیے معمولی تنبیہ وتادیب کافی تھی اور اگر ذمیہ ہے تو جبکہ مین نے اس کے شرک سے جو سب سے بڑا گناہ ہے درگذر کر دیا تو مسلمانون کو بُرا کہنے کی کیا سزا ہوسکتی ہے؟ بہرحال یہ تمہاری پہلی خطا نہوتی تو تمھین ضرور اس کا خمیازہ اُٹھانا پڑتا، دیکھو! مثلہ سے ہمیشہ محترز رہو، یہ نہایت نفرت انگیز گناہ ہے جو صرف قصاص مین مباح ہے۔

مالی انتظامات! عہدِ نبوت مین صیغۂ مال کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا بلکہ مختلف ذرائع سے جو رقم آتی تھی اسی وقت تقسیم کردی جاتی تھی حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین بھی یہی انتظام قائم رہا، چنانچہ انھون نے پہلے سال ہر ایک آزاد، غلام، مرد، عورت اور ادنی واعلی کو بلاتفریق دس دس درہم عطا کیے، دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو بیس بیس درہم مرحمت فرمائے ایک شخص نے

ؔ اسد الغابہ ذکر طریفہ، ؔ تاریخ الخلفا صفحہ ۹

اس سادات پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ فضل ومنقبت اور شے ہے اس کو رزق کی کمی بیشی سے کیا تعلق ہے[1]؟ البتہ اس پر اسقدر اضافہ کیا کہ اپنے اخیر عہدِ حکومت مین ایک بیت المال تعمیر کرایا لیکن اس مین کبھی کسی بڑی رقم کے جمع ہونے کا موقع نہ آیا، یہی وجہ ہے کہ بیت المال کی حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا، ایک دفعہ کسی نے کہا کہ یا خلیفۂ رسول اللہ صلعم آپ بیت المال کی حفاظت کے لیے کوئی محافظ کیون نہین مقرر فرماتے؟ فرمایا اس کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے[2]۔

خلیفۂ اول کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہ کو ساتھ لیکر مقام سخ مین بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک درہم برآمد ہوا، لوگون نے کہا "خدا ابوبکر پر رحم کرے" اور بیت المال کے خزانچی کو بلا کر پوچھا کہ شروع سے اسوقت تک خزانہ مین کس قدر مال آیا ہوگا؟ اس نے کہا "دو لاکھ دینار[3]"

فوجی نظام عہدِ نبوت مین کوئی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا بلکہ جب ضرورت پیش آتی تو صحابۂ کرام خود ہی شوق سے علمِ جہاد کے نیچے جمع ہوجاتے تھے، حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین بھی یہی صورتِ حال باقی رہی، لیکن اُنھون نے اسپر اسقدر اضافہ کردیا کہ جب کوئی فوج کسی مہم پر روانہ ہوتی تو اسکو مختلف دستون مین تقسیم کرکے الگ الگ افسر مقرر فرما دیتے چنانچہ شام کی طرف جو فوج روانہ ہوئی اسمین اسی طریقہ پر عمل کیا گیا تھا یعنی قومی حیثیت سے تمام قبائل کے افسر اور اُن کے جھنڈے الگ الگ تھے، امیرالامراء یعنی کمانڈر انچیف کا نیا عہدہ بھی خلیفۂ اول کی ایجاد ہے اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ اس عہدہ پر مامور ہوئے تھے[4]۔

دستہ بندی کا صریح فائدہ یہ ہوا کہ مجاہدین اسلام کو، رومیون کی باقاعدہ فوج سے

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۱۵۱ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] فتوح البلدان ص ۱۱۵،

مقابلہ مین اس سے بڑی مدد ملی، یعنی حضرت خالد بن ولیدؓ نے تعبیہ کا طریقہ ایجاد کرکے میدانِ جنگ مین ہر دستہ کی جگہ اور اس کا کام متعین کردیا، اسیطرح حالتِ جنگ مین کسی ترتیب و نظام کے نہونے سے فوج مین جو ابتری پھیل جاتی تھی اس کا سدِباب ہوگیا[1]،

فوج کی اخلاقی تربیت رسول اللہ صلعم یا خلفائے راشدین کے عہد مین جسقدر لڑائیان پیش آئین وہ سب للہیت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ پر مبنی تھین، اس لیے ہمیشہ کوشش کی گئی کہ اس مقصدِ عظیم کے لیے جو فوج تیار ہو وہ اخلاقی رفعت مین تمام دنیا سے ممتاز ہو، آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی فوجی ترتیب مین اس نکتہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور جب کبھی کوئی فوج کسی مہم پر روانہ ہوئی تو خود دور تک پیادہ پا ساتھ گئے اور امیرِ عسکر کو زرین نصائح کے بعد رخصت فرمایا، چنانچہ ملک شام پر فوج کشی ہوئی تو سپہ سالار سے فرمایا،

انک تجد قوما زعموا انھم حبسوا انفسھم للہ فذرھم وانی موصیک بعشر لا تقتلن امرأۃ ولا صبیا ولا کبیرا ھرما ولا تقطعن شجرا مثمرا ولا تخربن عامرا ولا تعقرن شاۃ ولا بعیرا الا لماکلۃ ولا تحرقن نخلا ولا تغللن ولا تجبنن[2]	تم ایک ایسی قوم کو پاؤگے جنھون نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لیے وقف کردیا ہے، ان کو چھوڑدینا، مین تم کو دس وصیتین کرتا ہون، کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھلدار درخت کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، بکری اور اونٹ کھانے کے سوا بیکار نہ ذبح کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت مین غبن نہ کرنا اور نہ بزدل ہوجانا،

سامانِ جنگ کی فراہمی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سامانِ جنگ کی فراہمی کا یہ انتظام فرمایا تھا کہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کا ایک معقول حصہ سامانِ باربرداری

[1] تاریخ طبری [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۶،

اور اسلحہ کی خریداری پر صرف فرماتے تھے، اس کے علاوہ قرآن پاک نے مالِ غنیمت مین خدا رسول اور ذوی القربیٰ کے جو حصے قرار دیے تھے ان کو فوجی مصارف کے لیے مخصوص کردیا تھا کیونکہ رسول اللہ صلعم بھی ضروری مصارف کے بعد اسکو اسی کام مین لگاتے تھے۔[۱]

اونٹ اور گھوڑون کی پرورش کے لیے مقام نقیع مین ایک مخصوص چراگاہ تیار کرائی جسمین ہزار ہا جانور پرورش پاتے تھے، مقام ربذہ مین بھی ایک چراگاہ تھی جسمین صدقہ اور زکوٰۃ کے جانور چرتے تھے۔[۲]

فوجی چھاؤنیون کا معائنہ | حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ضعف پیری و ہجوم افکار کے باوجود خود ہی چھاؤنیون کا معائنہ فرماتے تھے اور سپاہیون مین مادی یا روحانی حیثیت سے جو خرابی نظر آتی تھی ان کی اصلاح فرماتے تھے، ایک دفعہ کسی مہم کے لیے مقام جرف مین فوجین مجتمع ہوئین حضرت ابوبکر صدیق معائنہ کے لیے تشریف لے گئے، جب بنی فزارہ کے پڑاؤ مین پہونچے تو سب نے کھڑے ہوکر تعظیم کی اُنھون نے ہر ایک کو مرحبا کہا، ان لوگون نے عرض کی "یا خلیفۂ رسول اللہ صلعم ہم لوگ گھوڑون پر خوب چڑھتے ہین اس لیے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہین آپ بڑا جھنڈا ہمارے ساتھ کردیجیے"، فرمایا "خدا تمھاری ہمت و ارادہ مین برکت دے، لیکن بڑا جھنڈا تمھین نہین ملسکتا، کیونکہ وہ بنو عبس کے حصہ مین آچکا ہے" اسپر ایک فزاری نے کھڑے ہوکر کہا "ہم لوگ بنو عبس سے اچھے ہین" حضرت ابوبکرؓ نے ڈانٹ کر کہا "چپ احمق تجھ سے ہر عبسی اچھا ہے" بنو عبس بھی کچھ بولنا چاہتے تھے مگر اُنھین بھی ڈانٹ کر خاموش کردیا، غرض اسیطرح چھاؤنیون مین جا کر قبائل کے باہمی جوش و رقابت کو دبا کر اسلامی رواداری کا سبق دیتے تھے۔[۳]

---

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۱۲ [۲] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ بحوالۂ ابن سعد [۳] ایضاً

بدعات کا سدباب | تمام مذاہب کے مسخ ہوجانے کی اصلی وجہ وہ بدعات ہین جو رفتہ رفتہ جزوِ مذہب ہوکر اس کی اصلی صورت اس طرح بدل دیتے ہین کہ بانیانِ مذہب کی صحیح تعلیم اور متبعین کی جدت طرازیون مین امتیاز و تفریق بھی دشوار ہوجاتی ہے، حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین اگرچہ بدعات بہت کم پیدا ہوئین تاہم جب کبھی کسی بدعتی کا ظہور ہوا تو اُنھون نے اسکو مٹا دیا، ایک دفعہ حج کے موقع پر قبیلۂ احمس کی ایک عورت کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ کسی سے گفتگو نہین کرتی، اُنھون نے اس کی وجہ پوچھی لوگون نے کہا کہ اس نے خاموش حج کا ارادہ کیا ہی، یہ سُن کر اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا" یہ جاہلیت کا طریقہ ہے اسلام مین جائز نہین تم اس سے باز آؤ اور بات چیت کرو، اس نے کہا آپ کون ہین؟ بولے" ابوبکرؓ"[1]

خدمتِ حدیث | حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد مین قرآن شریف کی تدوین و ترتیب کا جو کام انجام پایا اس کی تفصیل گذر چکی ہے، ایک روایت کے مطابق اُنھون نے تقریباً پانچسو حدیثین بھی جمع فرمائی تھین لیکن وفات کے کچھ دنون پہلے اس خیال سے ان کو ضائع کر دیا کہ شاید اس مین کوئی روایت خلافِ واقعہ ہو تو یہ بار میرے سر رہ جائیگا، لیکن علامہ ذہبی نے اس خیال کی تغلیط کی ہے، بایہمہ اُنھون نے احادیث کے متعلق نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا، صحابۂ کرام کو جمع کرکے خاص طور سے فرمایا،

انکم تحدثون عن رسول اللہ	تم لوگ رسول اللہ صلعم سے ایسی حدیثین روایت کرتے
احادیث تختلفون فیھا والناس	ہو جن مین خود تم ہی باہم اختلاف رکھتے ہو تمھارے بعد
بعدکم اشد اختلافا	جو لوگ آئین گے تو اُن مین اور بھی سخت اختلاف واقع

---

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۴۰،

فلاتحدثوا عن رسول الله صلعم شیئاً فمن سألکم فقولوا بیننا وبینکم کتاب الله فاستحلوا حلالہ وحرموا حرامہ،

ہوگا اس لیے رسول اللہ صلعم سے کوئی روایت نہ کرو، اور جو کوئی تم سے سوال کرے تو کہدو کہ ہمارے اور تمھارے درمیان خدا کی کتاب ہے اس کے حلال کو حلال سمجھو اور اسکے حرام کو حرام قرار دو،

لیکن اس سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیئے کہ اُنھون نے مطلقاً روایت کا سد باب کردیا بلکہ ان کی غرض صرف یہ تھی کہ جب تک کسی حدیث کی صحت پر کامل یقین نہو روایت نہ کرنا چاہیئے چنانچہ وہ خود بھی اسی پر عمل پیرا تھے اور جب کسی روایت کی اچھی طرح تصدیق ہوجاتی تو بغیر پس وپیش اس کو قبول فرما لیتے تھے، ایک دفعہ دادی کی وراثت کا جھگڑا پیش ہوا چونکہ قرآن مجید اس کے متعلق بالکل خاموش ہے اس لیے آنحضرت صلعم کا طرزِ عمل دریافت کرنا پڑا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ موجود تھے اُنھون نے کہا "مین جانتا ہون کہ رسول اللہ صلعم دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے" احتیاطاً پوچھا "کوئی گواہ پیش کرسکتے ہو؟" حضرت محمد بن سلمہؓ نے کھڑے ہوکر اس کی تصدیق کی، تو اسی وقت حکم نافذ کردیا[1]، بعد کو حضرت عمرؓ نے اس اصول سے زیادہ کام لیا،

محکمۂ افتا

حضرت ابوبکرؓ نے مسائل فقہیہ کی تحقیق وتنقید اور عوام کی سہولت کے خیال سے افتا کا ایک خاص محکمہ قائم کردیا تھا، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت زید بن ثابتؓ جو اپنے علم واجتہاد کے لحاظ سے تمام صحابہ مین منتخب تھے، اس خدمت پر مامور تھے، اور ان کے سوا اور کسی کو فتوے دینے کی اجازت نہ تھی[2]، حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہدِ خلافت مین اسی پابندی سے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اص ۳ [2] طبقات ابن سعد ق ۲ ج ۲ ص ۱۰۹،

ساتھ اسکو قائم رکھا،

اشاعتِ اسلام | نائب رسول کا سب سے اہم فرض دین متین کی تبلیغ و اشاعت ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اس کار خیر مین شروع سے جو غیر معمولی انہماک تھا اس کا ایک اجمالی تذکرہ گذر چکا ہے اس سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ آسمانِ اسلام کے اختر ہائے تابان اسی خورشیدِ صداقت کے پرتو ضیا سے منور ہوے ہین خلافت کا بار سر پر آیا تو ایک فرض کی حیثیت سے قدرۃً یہ انہماک یاد ترقی کر گیا، تمام عرب مین پھر نئے سرے سے اسلام کا غلغلہ بلند کیا اور رومیون اور ایرانیون کے مقابلہ مین جو فوجین روانہ فرمائین انھین ہدایت کردی کہ سب سے پہلے غنیم کو اسلام کی دعوت دین نیز قبائلِ عرب جو ان اطراف مین آباد ہین اُن مین اس تحریک کو پھیلائین کیونکہ وہ قومی یکجہتی کے باعث زیادہ آسانی کے ساتھ اس طرف مائل ہوسکتے ہین چنانچہ مثنیٰ بن حارثہؓ کے ساعیِ جمیلہ سے بنی وائل کے تمام بت پرست و عیسائی مسلمان ہوگئے اسیطرح حضرت خالد بن ولیدؓ کی دعوت پر عراق عرب اور حدودِ شام کے اکثر عربی قبائل نے لبیک کہا، (یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۵)

حیرہ کے ایک عیسائی راہب نے خود بخود اسلام قبول کیا، یمن مین اشعث اور اُسکے رفقا نے پھر تجدیدِ اسلام کی، اسی طرح طلیحہ جو مدعیِ نبوت تھا حضرت خالد بن ولیدؓ کے مقابلہ سے بھاگ کر جب شام پہونچا تو اس نے بطور اعتذار حسبِ ذیل اشعار لکھ بھیجے اور اسلام کا اقرار کیا،

فهل يقبل الصديق انى مراجع	ومعط بما احدثت من حدث يدى
کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ اسکو قبول فرمائینگے کہ مین باز آؤن	اور میرے ہاتھون نے جو گناہ کیے ہین اُن کی تلافی کردون
وانى من بعد الضلالة شاهد	شهادة حق لست فيها ملحد
اور مین گمراہی کے بعد گواہی دیتا ہون	ایک ایسی سچی گواہی کہ مین اس سے ہٹنے والا نہین ہون،

اس اعتذار و اقرار ایمان سے حضرت صدیقؓ کا آئینۂ دل تیمہ کی طرف سے بالکل صاف ہو گیا اور اس کو مدینہ آنے کی اجازت دیدی لیکن وہ اس وقت پہونچا جبکہ آفتابِ صداقت دنیا سے ہمیشہ کے لیے غروب ہو چکا تھا،

رسول اللہ صلعم کی طرف سے ایفائے عہد

رسول اللہ صلعم کے قرضوں کا چکانا اور وعدوں کا پورا کرنا بھی فرائضِ خلافت میں داخل تھا حضرت ابوبکرؓ نے اولین فرصت میں اس فرض سے سبکدوشی حاصل کی اور جیسے ہی بحرین فتح ہو کر کثیر مالِ غنیمت مدینہ پہونچا اُنھوں نے اعلان عام کر دیا کہ رسالتمآب کے ذمہ کسی کا کچھ نکلتا ہو یا آپ نے کسی سے کوئی وعدہ فرمایا ہو تو وہ میرے پاس آئے اُس اعلان پر حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلعم نے اُن کو تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر دینے کا وعدہ فرمایا تھا حضرت ابوبکرؓ نے اُن کو اسی طرح تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے عطا فرمایا[1]، نیز حضرت ابوبشیر مازنی کے بیان پر اُن کو چودہ سو درہم مرحمت فرمائے[2]

رسول اللہ صلعم کے اہلبیت اور متعلقین کا خیال

باغِ فدک اور مسئلۂ خمس کے منازعات نے گو رسول اللہ صلعم کے رشتہ داروں میں کسی قدر غلط فہمی پھیلا دی تھی خصوصاً حضرت فاطمہؓ کو نہایت رنج تھا، تاہم خلیفۂ اول نے ہمیشہ اُن کے ساتھ لطف و محبت کا سلوک قائم رکھا اور وفات کے وقت سیدۂ جنتؓ سے عفو خواہ ہو کر اُن کا آئینۂ دل صاف کر دیا[3]،

امہات المومنین کی راحت و آسائش اور آنحضرت صلعم کے حفظِ ناموس کا خاص خیال تھا عکرمہ بن جہل نے حضرموت میں آنحضرت صلعم کی ایک منکوحہ حرم قتیلہ بنت قیس سے نکاح کر لیا تو اُنھوں نے چاہا کہ دونوں کو آگ میں جلا دیں لیکن حضرت عمرؓ نے باز رکھا اور کہا کہ قتیلہ سے صرف نکاح ہوا تھا وہ حرم میں داخل نہیں ہوئی تھیں اس لیے امہات المومنین میں

[1] بخاری ۱۰۷، ۳۰ [2] طبقات ابن سعد [3] ایضاً

اُن کا شمار نہیں ہوسکتا۔

آنحضرت صلعم نے جن لوگوں کے لیے کوئی وصیت فرمائی تھی یا جن کے حال پر آپ نے خاص طور سے لطف وکرم مبذول رکھا تھا حضرت ابوبکرؓ نے ہمیشہ اُن کی تعظیم وتوقیر اور رسول اللہ کی وصیت کا خیال رکھا، آنحضرت صلعم اکثر حضرت ام ایمنؓ کی ملاقات کے لیے تشریف لیجاتے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا، اسیطرح سندر نام ایک غلام کو آپ نے آزاد کرکے فرمایا تھا کہ تیرے حق مین ہر مسلمان کو وصیت کرتا ہون، حضرت ابوبکرؓ مسند نشین خلافت ہوے تو اُن کے لیے وظیفہ مقرر فرمادیا اور تاحیات اسکو جاری رکھا۔

ذمی رعایا کے حقوق عہدِ نبوت مین جن غیر مذاہب کے پیرؤن کو اسلامی ممالک محروسہ مین پناہ دی گئی تھی اور عہدناموں کے ذریعہ سے اُن کے حقوق متعین کردیے گئے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف ان حقوق کو قائم رکھا بلکہ اپنے مہر ودستخط سے پھر اس کی توثیق فرمائی اسیطرح خود اُن کے عہد مین جو ممالک فتح ہوئے وہان کی ذمی رعایا کو تقریباً وہی حقوق دیے جو مسلمانون کو حاصل تھے، چنانچہ اہل حیرہ سے جو معاہدہ ہوا اس کے الفاظ یہ تھے،

لا یھدم لھم بیعۃ ولاکنیسۃ ولا قصر من	ان کی خانقاہین اور گرجے منہدم نہ کیے جائین گے،
قصورھم التی کانو ایتحصنون اذا نزل	اور نہ کوئی ایسا قصر ڈھایا جائیگا جسمین وہ ضرورت کے وقت
بھم عدو لھم ولا یمنعون	دشمنون کے مقابلہ مین قلعبند ہوتے ہین، ناقوس
من ضرب النواقیس ولا من اخراج	(اور گھنٹے) بجانے کی ممانعت نہ ہوگی، اور نہ تہوار کے موقعون
الصلبان فی عیدھم۔	پر صلیب نکالنے سے روکے جائین گے،

یہ معاہدہ نہایت طویل ہے یہان صرف وہی جملے نقل کیے گئے ہین جن سے مسلمانون کی

۱؎ اسدالغابہ تذکرہ قتیلہ بنت قیس ۲؎ اصابہ تذکرہ ام ایمن ۳؎ استیعاب تذکرۂ سندر ۴؎ کتاب الخراج،

غیر معمولی مذہبی رواداری کا ثبوت ملتا ہی،

خلیفۂ اول کے عہد مین جزیہ یا ٹیکس کی شرح نہایت آسان تھی اور ان ہی لوگون پر مقرر کرنے کا حکم تھا جو اس کی ادائگی کی صلاحیت رکھتے ہون، چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندون مین سے ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی پر صرف دس دس درہم سالانہ مقرر کئے گئے تھے، معاہدون مین یہ شرط بھی تھی کہ کوئی ذمی بوڑھا، اپاہج اور مفلس ہوجائے گا تو وہ جزیہ سے بری کردیا جائیگا، نیز بیت المال اس کا کفیل ہوگا،[1] کیا دنیا کی تاریخ ایسی بے تعصبی ورعایا پروری کی نظیر پیش کرسکتی ہے؟

فضائل ومناقب

بارگاہِ نبوت مین رسوخ — حضرت ابوبکر صدیقؓ محبوب بارگاہ ومحرم اسرار نبوت تھے، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مکہ مین آنحضرت صلعم روزانہ صبح وشام اُن کے گھر تشریف لے جاتے تھے، مدینہ منورہ مین بھی اکثر مہمات امور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شرکت سے طے پاتے تھے اور اس کی وجہ سے اُن کو اکثر رات کے وقت دیر تک کاشانۂ اقدس پر حاضر رہنا پڑتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ اُنھون نے تین اصحاب صفہ کو کھانے پر مدعو کیا لیکن وہ خود دیر تک بارگاہِ نبوت سے واپس نہ آسکے، جب رات زیادہ گذر گئی اور گھر آئے تو یہ معلوم ہوا کہ مہمانون نے ابتک کھانا نہین کھایا اپنے صاحبزادہ پر سخت برہم ہوئے،[2]

حضرت عمرؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم رات رات بھر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مسلمانون کے معاملات مین مشورہ فرمایا کرتے تھے، نیز ان کی رازداری و

[1] کتاب الخراج، [2] بخاری،

وخلوص پر اعتماد اس قدر تھا کہ پوشیدہ سے پوشیدہ بات کہدیتے تھے، ہجرت کے واقعات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ رازداری کا تمام کام صرف حضرت ابوبکرؓ اور اُن کے اہل وعیال سے متعلق تھے، حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر غار مین پوشیدہ ہونا، حضرت عبداللہؓ کا رات کے وقت آکر مشرکین کے حالات سے باخبر کرنا، حضرت عامر بن فہیرۃؓ کا روزانہ بکریان لانا، حضرت اسماءؓ کا کھانا پہونچانا، غرض اس قسم کے تمام امور جن کا تعلق رازداری سے تھا وہ سب خاندان صدیقی کے سپرد تھا،

حضرت سرورِ کائنات صلعم کو اپنے اس رفیق جان نثار کے ساتھ جو مخصوص انس وخلوص تھا اس کا آپ نے بارہا نہایت محبت آمیز پیرایہ مین اظہار فرمایا، چنانچہ وفات سے کچھ دنون پہلے جو تقریر فرمائی اس مین ارشاد ہوا "ابوبکرؓ اپنی صحبت اور مال کے لحاظ سے میرا سب سے بڑا محسن ہے اگر مین خدا کے سوا کسی کو اپنا دوست بنا سکتا، تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلامی اخوت ومحبت افضل ہے[1] اس کے بعد حکم ہوا کہ ابوبکرؓ کے دروازہ کے سوا مسجد کے احاطہ مین جس قدر دروازے ہین سب بند کردیے جائین[2] اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے پوچھا کہ مردون مین آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو ارشاد ہوا ابوبکرؓ[3]

اس غیر معمولی تقرب ورسوخ کی بنا پر صحابۂ کرام جب آنحضرت صلعم کو برہم دیکھتے تھے تو انہی کی وساطت سے عفو درگذر کی درخواست پیش کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ابوجہل بن ہشام کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا چونکہ یہ سرورِ کائنات صلعم کی مرضی کے خلاف تھا اس لیے جب وہ بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوئے تو روئے انور پر برہمی کے آثار نمایان تھے، یہ دیکھکر حضرت علیؓ باہر چلے آئے اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر پھر حاضرِ خدمت

---

[1] بخاری جلد ۱ مناقب ابوبکرؓ [2] بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۶، [3] بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۷،

ہوئے، آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا تو چہرۂ مبارک بشاش ہوگیا اور برہمی کے آثار جاتے رہے، اسی طرح ایک روز رسول اللہ صلعم خلاف معمول صبح سے شام تک خاموش رہے، اور جب عشار کی نماز پڑھ کر کاشانۂ اقدس کی طرف تشریف لے چلے تو گو صحابہ کرام کو اس غیر معمولی سکوت پر سخت خلفشار تھا، تاہم کسی کو زبان کھولنے کی جراءت نہ تھی، بالآخر سب نے حضرت ابوبکرؓ کو آگے بڑھایا، اور انھوں نے اس سکوت کی وجہ دریافت کی تو ارشاد ہوا کہ جو کچھ دنیا و آخرت میں ہونے والا ہے وہ سب آج میرے سامنے پیش کیا گیا تھا، اس کے بعد بالتفصیل قیامت کے واقعات بیان فرمائے،

اصابتِ رائے اور معاملہ فہمی کا یہ حال تھا کہ انھوں نے جس معاملہ میں جو رائے دی وہ مقبول ہو کر رہی، رازداری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی راز کو بھی کبھی ظاہر ہونے نہ دیا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اُن کو اپنی صاحبزادی حفصہ کا پیغام دیا، سنکر خاموش ہو رہے اور جب کچھ دنوں کے بعد وہ حرم نبوی میں داخل ہوگئیں تو حضرت عمرؓ سے ملاقات کر کے کہا، "شاید تم کو میری خاموشی ناگوار ہوئی ہوگی بولے کیوں نہیں؟ فرمایا" میں رسول اللہ کے ارادہ سے آگاہ تھا اور اس راز کو قبل از وقت ظاہر نہیں کر سکتا تھا[۱]، غرض انہی اوصاف نے حضرت صدیق اکبرؓ کو بارگاہِ نبوت میں سب سے زیادہ معتمد علیہ اور بارسوخ بنا دیا تھا،

علم و فضل | حضرت ابوبکر صدیقؓ نے گو کسی مکتب میں باقاعدہ زانوے تلمذ تہ نہیں کیا تھا تاہم فطری جودتِ طبع اور دربارِ نبوت کی حاشیہ نشینی سے آسمان فضل و کمال پر مہر درخشان ہو کر چمکے، فصاحت و بلاغت میں کمال رکھتے تھے، ابتدا میں شاعری کا ذوق بھی تھا لیکن اسلام کے بعد ترک کر دیا تھا، کبھی کبھی جذبات و خیالات خود بخود نظم موزون کے

[۱] بخاری،

قالب میں ڈھل جاتے تھے، ایک دفعہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا، رسول اللہ صلعم کی یاد تازہ ہوگئی، بے اختیار ان کو گود میں اٹھالیا اور فرمایا۔[1]

وبابی شبیہ النبی | لیس شبیہا بعلی
میرا باپ فدا ہو یہ نبی سے مشابہ ہے | علی سے مشابہ نہیں ہے،

ذوق سخن | اسلام کے بعد صرف اشعار سے دلچسپی رہ گئی تھی، جن میں خدا کی عظمت و جلالت کا ذکر ہوتا تھا ایک مرتبہ لبید نے یہ مصرعہ پڑھا الا کل شئی ما خلا اللہ باطل یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں تو فرمایا "تم نے سچ کہا"، لیکن جب اس نے دوسرا مصرع پڑھا وکل نعیم لا محالۃ زائل یعنی ہر نعمت یقیناً زائل ہوجائے گی" تو بولے غلط ہے خدا کے پاس بہت سی ایسی نعمتیں ہیں جو زائل نہوں گی۔[2]

حالت نزع میں حضرت عائشہ سرہانے بیٹھی ہوئی یہ شعر پڑھ رہی تھیں،

من لا یزال دمعہ مقنعا | فانہ فی مرۃ مدفوق

فرمایا یہ نہ کہو بلکہ کہو

وجاءت سکرۃ الموت بالحق ذلک ما کنت منہ تحید | موت کی بیہوشی ٹھیک وقت آگیا اور یہ چیز ہے جس سے تم بھاگتے تھے

انھوں نے اسکے بعد دوسرا شعر پڑھا،

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ | ثمال الیتامی عصمۃ للارامل
گورا جسکے چہرے سے بادل بھی پانی طلب کرتا ہے | یتیموں کا ہادی اور بیواؤں کا ملجا

بولے یہ رسول اللہ صلعم کی شان تھی"

تقریر و خطابت | تقریر و خطابت کا خدا داد ملکہ حاصل تھا، رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد

---

[1] مسند احمد ج ۱ ص ۸، [2] تاریخ الخلفا، ص ۱۰۳،

اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں جو تقریریں کیں ان کا تذکرہ گذر چکا ہے، اس سے برجستگی اور زور کلام کا اندازہ ہوا ہوگا، ان معرکۃ الآرا، تقریروں کے علاوہ ان کی عام تقریریں بھی نہایت پراثر ہوتی تھیں، ہم یہاں ایک تقریر کے چند فقرے نقل کرتے ہیں؛

این الوضاءۃ الحسنۃ وجوھھم المعجبون	آج وہ حسین اور روشن اور نورِ شباب سے حیرت میں
بشبابھم این الملوک الذین	ڈالنے والے چہرے کہاں ہیں؟ آج بڑے بڑے شہروں کے
بنوا المدائن وحصنوھا این الذین	بسانے والے اور ان کو قلعہ بند کرنے والے سلاطین
کانوا یعطون الغلبۃ فی مواطن الحرب	کدھر گئے؟ آج بڑے بڑے غالب آنے والے مردِ میدان
قد تضعضع ارکانھم حین اخنی بھم	سور ماکیا ہوئے؟ زمانے کی گردشوں نے انکی قوتیں
الدھر واصبحوا فی طبقات القبور	پست کردیں ان کے بازو توڑ دیے اور قبر کی تاریکی
الوحا الوحا ثم النجا النجا[1]	میں ہمیشہ کے لیے سوگئے،

تقریر کی حالت میں رقت طاری ہوجاتی تھی، ایک دفعہ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا میں جس جگہ کھڑا ہوں گذشتہ سال خود رسول اللہ صلعم یہاں تشریف فرما تھے، یہ کہکر زار و قطار رونے لگے، اسیطرح ایک روز تین مرتبہ تقریر کا ارادہ فرمایا اور ہر مرتبہ ایک ہی جملہ کہکر گلوگرفتہ ہوگئے[2]

نسب دانی | علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا اس زمانہ کا سب سے بڑا پُر فخر و مایہ ناز علم تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس فن میں خصوصیت کے ساتھ کمال رکھتے تھے، حضرت جبیر بن مطعمؓ جو طبقہ صحابہ میں سب سے بڑے نساب گذرے ہیں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس فن کو حضرت ابوبکرؓ سے سیکھا ہے جو نسب دانی کی حیثیت سے

---

[1] تاریخ الخلفاء [2] مسند ج ۱ ص ۲ و ۳،

تمام عرب مین ممتاز تھے[1]

حضرت ابو بکرؓ کی نسب دانی سے اکثر موقعون پر اسلام کو بھی فائدہ پہونچا، آغاز نبوت مین آنحضرت صلعم تبلیغ و اشاعت کے لیے قبائل عرب مین تشریف لے جاتے تھے تو عموماً یہ بھی ہمرکاب ہوتے اور اپنی نسب دانی کے باعث آپ کا لوگون سے تعارف کراتے،

حضرت حسان بن ثابتؓ قریش کی ہجو کیا کرتے تھے، ایک روز رسول اللہ صلعم نے اُن سے بلا کر کہا، "تم قریش اور ابو سفیان کی مذمت کرتے ہو کیا تمھین معلوم نہین ہے کہ مین بھی قریشی ہون اور ابو سفیان میرا ابن عم ہے" انھون نے کہا "خدا کی قسم مین حضور کو ان سے علٰحدہ کر لیتا ہون جسطرح جو خمیر سے الگ ہو جاتا ہے" ارشاد ہوا کہ ابو بکر کے پاس جاؤ وہ انساب عرب مین سب سے زیادہ ماہر ہین غرض اس روز سے وہ اس فن کی تعلیم کے لیے حضرت ابو بکرؓ کی خدمت مین حاضر ہونے لگے[2]

تعبیر رویا | خواب کی تعبیر مین بھی خداداد ملکہ تھا، یہان تک کہ صحابۂ کرام آنحضرت صلعم کے بعد اُن کو سب سے بڑا معبر سمجھتے تھے، اور اپنا اپنا خواب بیان کرکے تعبیر پوچھتے تھے، ایکدفعہ حضرت خالد بن سعیدؓ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے خواب دیکھا کہ وہ دہکتی ہوئی آگ کے کنارہ کھڑے ہین اور اُن کے والد اُن کو اس مین جھونک رہے ہین اسی اثنا مین سرور کائنات تشریف لاتے ہین اور اُن کی کمر پکڑ کر کھینچ لیتے ہین، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس خواب کو سُنا تو فرمایا "خالد! تمھین اس کے ذریعہ سے راہ حق کی ہدایت کی گئی ہے تمھارا باپ تمکو کفر پر مجبور کرتا ہے لیکن آنحضرت صلعم کی اتباع تمھاری نجات کا باعث ہوگی"[3]

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلعم کی وفات سے کچھ پہلے خواب مین تین چاند اپنے

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۰۴ [2] استیعاب جلد ۱ ص ۱۲۰ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۴۸

حجرہ مین گرتے ہوے دیکھے، انھون نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کا تذکرہ کیا تو وہ اسوقت خاموش ہو رہے، لیکن جب آنحضرت صلعم نے وفات پائی اور اُن کے حجرہ مین مدفون ہوئے تو فرمایا "عائشہ! یہ تمھارے حجرہ کا پہلا اور سب سے بہتر چاند ہے"[1]

آنحضرت صلعم بھی کبھی کبھی اپنا خواب یا رویا بیان کرکے انھین تعبیر کا حکم دیتے تھے، ایک دفعہ آپنے دیکھا کہ چند سیاہ بھیڑون مین بہت سی سفید رنگ کی بھیڑین شامل ہوگئین، حضرت ابوبکرؓ سے اس کی تعبیر پوچھی تو انھون نے عرض کی "یا رسول اللہ! سیاہ بھیڑ اہل عرب ہین جو پہلے آپ کے متبع ہونگے پھر نہایت کثرت کے ساتھ عجمی جو سفید بھیڑون کے رنگ مین ظاہر کیے گئے ہین اسلام قبول کرکے ان مین شامل ہوجائینگے" ارشاد ہوا "صحیح ہے فرشتہ آسمانی نے بھی یہی تعبیر کی تھی"[2]

علم تفسیر | حضرت ابوبکر صدیقؓ چونکہ سفر، حضر، خلوت، جلوت، جنگ و صلح غرض ہر موقع مین مہبطِ وحی و الہام کے شرفِ صحبت سے مستفیض ہوئے اور تمام امور مین آنحضرت صلعم کے مشیر خاص تھے اس لیے اسلامی علوم و فنون مین بھی قدرۃً ان کا پایہ سب سے بلند تھا، قرآن شریف اسلام کا اصل الاصول ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس سے غیر معمولی شغف تھا، عموماً رسول اللہ صلعم سے آیاتِ قرآن کی تفسیر پوچھا کرتے تھے، ایک دفعہ انھون نے عرض کی یا رسول اللہ اس آیت کے بعد کیا چارہ کار ہے؟

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (نساء ۱۸)

(فلاح عاقبت) نہ تمھاری آرزو پر (موقوف ہے) نہ اہل کتاب کی آرزو پر، بلکہ جو برا کام کریگا وہ اسکی جزا پائیگا،

کیا درحقیقت ہم ہر برے کام کا بدلہ پاتے ہین ارشاد ہوا "ابوبکر خدا تمھاری مغفرت کرے

[1] موطا امام مالک ص ۸۰ [2] تاریخ الخلفا ص ۱۰۴

کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تمھیں کوئی رنج و صدمہ نہیں پہونچتا؟ اور کیا تمھیں کوئی مصیبت نہیں ستاتی؟ بولے کیون نہیں، فرمایا یہ سب برائیون ہی کا خمیازہ ہے۔

وہ ہر آیت کی شانِ نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے آگاہ تھے، نیز مختلف موقعون پر اُنھون نے جو باریک نکتے حل فرمائے ہین اُس سے ان کی دقیقہ سنجی کا اندازہ ہوسکتا ہے، ایک مرتبہ مجمع عام مین فرمایا "صاحبو! آپ قرآن شریف مین یہ آیت پڑھتے ہون گے،

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ (مائدہ ۱۴)	اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو تم پر صرف تمھارے نفس کی ذمہ داری ہے جو گمراہ ہوگیا ہو وہ تمھین نقصان نہین پہنچا سکتا جبکہ تم خود ہدایت یاب ہو،

حالانکہ مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جب لوگ ناپسندیدہ امر دیکھتے ہین اور اسکی اصلاح کی فکر نہین کرتے تو خدا کا عذاب سب کے لیے عام ہوجاتا ہے یعنی اس آیت سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دوسرون کی اصلاح کا خیال رکھنا ضروری نہین۔[1]

آیاتِ قرآنی سے استدلال، استنباطِ احکام و تفریعِ مسائل مین مجتہدانہ ملکہ رکھتے تھے، رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد جو تقریر فرمائی اس مین برجستہ اس آیت سے انبیا کی وفات پر استدلال لائے،

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران ۱۴)	یعنی محمد صرف رسول ہین اور اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر گئے کیا اگر وہ مرجائین یا شہید ہون تو تم الٹے پاؤن پھر جاؤ گے

اس آیت نے یکایک ایمان و اعتقاد کے متزلزل ستونون کو مستحکم کردیا اور لوگون کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے سے موجود ہی نہ تھی،[2]

[1] ابن جریر طبری ج ۵ ص ۱۶۳ و مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۲۷۰
[2] ابن جریر جلد ۴ ص ۶۰

حضرت ابوبکرؓ بیمار ہوے تو لوگون نے پوچھا کہ طبیب بلائین؟ چونکہ مسئلۂ تقدیر پر نہایت شدت کے ساتھ اعتماد رکھتے تھے بولے "طبیب نے مجھے دیکھکر کہا ہے 'انی فعال لما ارید' یعنی ارادہ خداوندی مین کوئی مانع نہین ہوسکتا[1]"

حدیث حضرت ابوبکر صدیقؓ چونکہ آنحضرت صلعم کے بعد صرف سوا دو برس زندہ رہے اسلیے ان سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہین، علاوہ اس کے اسوقت تمام حاشیہ نشینان بساط رسول صلعم بقیدِ حیات تھے جن کی نگاہون سے عہدِ نبوت کی کوئی بات پوشیدہ نہ تھی، اس بنا پر کثرتِ روایت کا کوئی موقع بھی نہ تھا، تاہم انھون نے جانشینِ رسولؐ کی حیثیت سے ان احادیث کو جن کا تعلق ضروری مسائل سے تھا خاص طور پر شہرت دی، مثلاً نصابِ زکوٰۃ کا مفصل ہدایت نامہ تمام ملک مین شایع کیا اور حکم دیا کہ اگر کوئی عامل اس سے زیادہ طلب کرے تو نہ دیا جائے،

آنحضرت صلعم کے بعد تمام اہم مواقع پر خلیفۂ اول ہی کے معلومات نے مسلمانون کی رہبری کی، سقیفۂ بنی ساعدہ مین خلافت کا جھگڑا جب خوفناک حد تک پہونچ گیا تو سب سے پہلے انھین نے الائمۃ من قریش کی حدیث پیش کی جس نے اس بحث کا فیصلہ کردیا،

رسول اللہ صلعم کے مدفن کا سوال پیدا ہوا تو صدیق اکبرؓ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور فرمایا "مین نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ انبیاؑ کی جائے وفات ہی اُن کا مدفن ہے[2]"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلعم کی متروکہ جائداد مین میراث طلب کی تو سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ حدیث پیش کی،

لا نورث ما ترکنا صدقۃ — یعنی ہمارے مال مین وراثت جاری نہوگی، ہمارا تمام متروکہ وقف ہے

---

[1] ابن سعد جزو ۳ قسم اول ۱۴۱ [2] موطا امام مالک صفحہ ۸۰

بعد کو دوسرے صحابہؓ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی، غرض وہ دربارِ نبوت میں اپنے مخصوص تقرب کی بنا پر آنحضرت صلعم کے ارشادات، طرزِ عمل اور اُن کے اسباب وعلل سے قدرۃً زیادہ باخبر تھے،

امامت و اجتہاد

امامت یا خلافت گو نبوت ہی کا ایک پرتو ہے تاہم دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سند نشین خلافت ہونے کے ساتھ ہی اس فرق کو جمہور مسلمانوں پر ظاہر کر دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلعم معصوم تھے، نیز خدا نے ان کو وحی سے ممتاز فرمایا تھا اور میں ایک معمولی انسان ہوں اس لیے اگر تم مجھے راہِ راست پر دیکھو تو اتباع کرو اور اگر کج ہو جاؤں تو سیدھا کر دو[1]،

حضرت ابوبکرؓ نے نبوت و خلافت کی اس تفریق کو عملاً قائم رکھا اور کبھی ان اختیارات وحقوق سے کام نہیں لیا جو صرف انبیاء کے لیے مخصوص ہیں، ایک دفعہ ایک مسلمان پر سخت برہم ہوئے، حضرت ابو برزہ اسلمی نے انکے تیور دیکھکر عرض کی یا خلیفۂ رسول اللہ اُس کی گردن اڑا دیجئے،، حضرت ابوبکرؓ نے قتل کا نام سنا تو خاموش ہو گئے، کچھ دیر کے بعد غصہ فرو ہوا تو ابو برزہ سے بلا کر پوچھا "اگر میں اس کو قتل کرنے کا حکم دیتا تو کیا تم واقعی اُسکو مار ڈالتے" بولے ہاں، فرمایا "خدا کی قسم رسول اللہ صلعم کے بعد کسی کو یہ (شرف) حاصل نہیں ہے[2]" اسی طرح کسی نے خلیفۃ اللہ کہکر مخاطب کیا تو بولے "مجھے خلیفۃ اللہ نہ کہو، میں نائبِ خدا نہیں بلکہ نائبِ رسول ہوں اور یہی میرے لیے بس ہے[3]،، غرض خلیفۂ اول کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ اُنھوں نے خلافت و نبوت کی سرحدیں الگ کر دیں ورنہ جسطرح عدم تفریق و امتیاز نے

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ا صفحہ ۲۰ و تاریخ الخلفاء صفحہ ۸۹ [2] ابو داؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبیؐ
[3] استیعاب تذکرۂ ابوبکرؓ

الوہیت و نبوت کے ڈانڈے ملا دیے ہین اور دنیا کی اکثر قومون نے انبیا علیہم السلام کو مظاہرِ خداوندی تصور کر لیا ہے، اسیطرح خلافت و نبوت کی حدود مین بھی امتیاز دشوار ہو جاتا،

اصول اجتہاد | رسول اللہ صلعم کے جانشینون کا سب سے بڑا فرض استنباطِ احکام و تفریعِ مسائل کی ایک عام شاہراہ قائم کرنا اور مذہبی دفتر کو اصولی حیثیت سے منضبط و مرتب کرنا تھا خلیفۂ اول نے اس سلسلہ مین جو کچھ کیا وہ آج بھی شریعت غرا کا سنگِ اساس ہے چنانچہ نصوص شرعیہ کی درجہ بدرجہ ترتیب اور اجماع کا طریقہ اسی ذاتِ گرامی سے ظہور مین آیا، مسند دارمی مین ہے'

کان ابوبکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب اللہ فان وجد فیہ ما یقضی بینھم قضیٰ بہ وان لم یکن فی الکتاب وعلم من رسول اللہ صلعم فی ذالک الامر سنۃ قضی بہا فان اعیا خرج فسأل المسلمین،

حضرت ابوبکرؓ کی عدالت مین جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے اگر متنازعہ فیہا کے متعلق اس مین کوئی حکم ہوتا تو اسکے مطابق فیصلہ کرتے ورنہ سنتِ رسول کی طرف رجوع کرتے اور جب اس سے بھی کار برآری نہوتی تو مسلمانون سے سوال کرتے،

قیاسی مسائل سے خوف | قیاسی مسائل یا نصوص قرآنی مین اپنی راے کو دخل دینے سے محترز رہتے اور فرماتے کہ مین اگر کتاب اللہ یا نامعلوم مسائل مین خواہ مخواہ راے زنی کرون تو کون زمین میرا بار اٹھائے گی اور کون آسمان مجھے سایہ دیگا؟ حضرت ابن سیرین فرماتے ہین کہ نامعلوم مسائل مین ابوبکرؓ سے زیادہ کوئی خائف نہ تھا، تاہم ضرورت کے وقت قیاس سے کام لینے پر مجبور رہتے، ایک دفعہ ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا جسکے متعلق نہ قرآن مین

لہ طبقات ابن سعد جلد ثالث قسم اول ص ۲۷،

کوئی تصریح تھی نہ آنحضرت صلعم کے طرز عمل سے مدد ملتی تھی مجبوراً قیاس سے کام لینا پڑا لیکن اس کے ساتھ ہی فرمایا یہ میری راے اگر صحیح ہے تو منجانب اللہ ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے ہے، مین خدا سے طالب مغفرت ہون،

ایک قیاسی مسئلہ | حضرت ابو بکر صدیقؓ کے قیاسی مسائل مین سب سے زیادہ مشہور دادا کی وراثت کا مسئلہ ہے ہم اسکو بالتفصیل درج کرتے ہین اس سے اُن کی اجتہادی قوت کا اندازہ ہوگا،

اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی میت ورثہ مین صرف دادا اور بھائی بہن چھوڑے یعنی اصول مین باپ اور فروع مین کوئی نسبی اولاد نہو تو مستحق وراثت کون ہوگا، دادا یا بھائی بہن؟ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور ان کے ساتھ تقریباً چودہ صحابہ کرام جنمین حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ وغیرہ شامل ہین دادا کو باپ کے مرتبہ مین قرار دیکر بھائی بہن کو محجوب الارث سمجھتے ہین لیکن صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت اس سے اختلاف رکھتی ہے اور بھائی بہن کو اصل وارث قرار دیتی ہے، یہ اختلاف درحقیقت لفظ کلالہ کی تشریح پر مبنی ہے، کیونکہ قرآن شریف مین آیا ہے،

یَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ	لوگ تم سے فتوی طلب کرتے ہین تو کہدو کہ اللہ کلالہ کے
إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ	بارہ مین تمکو حکم دیتا ہو کہ اگر کوئی ایسا مرد مرجائے جسکی اولاد
فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا	نہو اور اسکی ایک بہن ہو تو اس کو ترکہ آدھا ملے گا،
إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ (نساء ع ۲۴)	اور بہن (مرجاے اور) اس کی اولاد نہ ہو تو وہ اس کا وارث ہوگا،

اس آیت مین گو باپ کی کوئی تصریح نہین ہے تاہم اس حد تک سب کو اتفاق ہے

کہ کلالہ کی صورت مین باپ کا نہونا ضروری ہے، لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ دادا کا نہ ہونا بھی ضروری قرار دیتے تھے، اور اس آیت سے استدلال لاتے ہین،

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ (نساء ع ۲)	اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے (اصول و فروع مین) کوئی نہو اور (دوسری ماں سے) بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا،

اس آیت مین علاتی بھائی بہنون کی وراثت کا تذکرہ ہے اور یہان بالاتفاق کلالہ کے یہ معنی ہین کہ میت کے اصول و فروع مین کوئی نہو یعنی اگر میت کا دادا موجود ہوگا تو وہ کلالہ نہوگا اور علاتی بھائی بہن محجوب الارث ہون گے، اس بنا پر کوئی وجہ نہین ہے کہ کلالہ کی یہی تشریح زیر بحث مسئلہ مین بھی قائم نہ رہے اور بلا وجہ اس کے معنی مین تفریق کی جائے،

اخلاق و عادات

حضرت ابو بکر صدیقؓ فطرۃً اخلاق حمیدہ سے متصف تھے، ایام جاہلیت مین عفت، پارسائی، رحمدلی، راستبازی اور دیانت داری ان کے مخصوص اوصاف تھے، یہی وجہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت مین دیت کی تمام رقم انھین کے پاس جمع ہوتی تھی، شرابخواری، فسق و فجور گو اس زمانہ مین عالمگیر تھا تاہم اُن کا دامنِ عفاف کبھی ان دھبون سے داغدار نہین ہوا، فیاضی، مفلس و بینوا کی دستگیری، قرابت دارون کا خیال، مہمان نوازی، مصیبت زدون کی اعانت، غرض اس قسم کے تمام محاسن و محامد ان مین پہلے ہی سے موجود تھے، شرفِ ایمان نصیب ہوا تو رسول اللہ صلعم کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا،

تقوی | ورع وتقویٰ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے معدن اخلاق کا سب سے درخشاں گوہر ہے

ایک دفعہ ایام جاہلیت مین ایک شخص کسی نامعلوم راستہ سے لے چلا اور بولا "اس راہ مین ایسے آوارہ منش وبدمعاش رہتے ہین کہ اس طرف سے گذرنے مین بھی حیا دامنگیر ہوتی ہے" یہ سننا تھا کہ زمین نے پاؤن پکڑلیے اور یہ کہکر لوٹ آئے "مین ایسے شرمناک راستہ سے نہین جاسکتا[1]"

ایک دفعہ آپ کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز لاکر پیش کی جب تناول فرماچکے تو اُنھون نے کہا "آپ جانتے ہین یہ کس طرح حاصل ہوا؟" فرمایا "بیان کرو" بولے "مین نے جاہلیت مین ایک شخص کا فال کھولدیا تھا، فال کھولنا تو جانتا نہ تھا صرف اس کو دھوکا دیا تھا لیکن آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے اس کے صلہ مین یہ کھانا دیا" یہ سرگذشت سنی تو منھ مین انگلی ڈال کر جو کچھ کھایا تھا سب قے کردیا[2]، فرمایا کرتے تھے کہ جو جسم اکل حرام سے پرورش پاتا ہے جہنم اس کا بہترین مسکن ہے

حضرت عائشہؓ کے گھر مین عید کے روز انصار کی دو لڑکیاں جنگ بعاث کے تاریخی اشعار گارہی تھین، آنحضرت صلعم مُنھ پھیر کر فرش پر استراحت فرماتھے، اس حالت مین حضرت ابوبکر صدیقؓ تشریف لے آئے تو اُن کے کمال اتقاء نے اس کو بھی ناپسند کیا، حضرت عائشہؓ کو ڈانٹ کر بولے "رسول اللہ صلعم کے سامنے یہ مزمار شیطان!" لیکن آنحضرت صلعم نے فرمایا "ابوبکر! انھین گانے دو، ہر قوم کے لیے عید ہے اور یہ ہماری عید ہے[3]"

انسان کا کمال اتقاء یہ ہے کہ جس طرح اس کے اعضاء وجوارح اعمال شنیعہ وافعال ناپسندیدہ سے مجتنب رہتے ہین اور اس کا دل تخیلات باطلہ سے محترز رہتا ہے اسی طرح

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۲ [2] بخاری ج ۱ ص ۵۴۲، [3] بخاری جلد ۱ ص ۱۳۰

اس کی زبان بھی کبھی کلمات نا ملائم سے آلودہ نہ ہونے پاتی، حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ورع و تقوی اسی انتہائے کمال پر تھا، کہ درشت و نا ملائم الفاظ سے ہمیشہ پرہیز فرماتے، اگر اتفاقاً غیظ و غضب کی حالت میں کوئی سخت کلمہ زبان سے نکل جاتا تو نہایت ندامت و پشیمانی ہوتی اور جب تک اسکی تلافی نہو جاتی چین نہ آتا، ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ سے کوئی نزاع در پیش تھی اثنائے گفتگو میں کوئی سخت جملہ زبان سے نکل گیا، لیکن خود ہی ندامت دامنگیر ہوئی اور نہایت اصرار کے ساتھ عفو خواہ ہوئے، حضرت عمرؓ نے انکار کیا تو ان کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ تھی، اسی وقت دامن اٹھائے ہوئے آستانۂ نبوت پر حاضر ہوئے اور وجہ پریشانی بیان کی آنحضرت صلعم نے ان کو تین مرتبہ اس بشارت سے طمانیت دی "ابو بکر! خدا تمھیں بخشدیگا، ابو بکر خدا تمھیں بخشدیگا"، اسی اثنا میں حضرت عمرؓ کو بھی اپنے انکار سے ندامت ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ کو ان کے مکان پر تلاش کرتے ہوئے دربار نبوت میں حاضر ہوئے اُن کو دیکھ کر حضور پُر نور کا چہرہ متغیر ہونے لگا، حضرت ابو بکرؓ نے یہ تیور دیکھے تو دو زانو بیٹھ کر التجا کی "یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں ہی ظالم تھا، میری ہی زیادتی تھی" اس طریقہ سے گو غیظ و غضب کی طغیانی فرو ہوگئی تاہم ارشاد ہوا "میں مبعوث ہوا تو تم سب نے مجھے جھٹلا دیا، لیکن ابو بکر نے تصدیق کر کے جان و مال سے میری غمخواری کی کیا تم اُس کو مجھ سے چھڑا دو گے؟"[1]

حضرت ربیعہ بن جعفرؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ میں ایک درخت کیلئے باہم اختلاف ہوا، حضرت ابو بکرؓ نے اثنائے بحث میں کوئی ایسا جملہ کہدیا جو اُن کی ناگواری کا باعث ہوا لیکن جیسے ہی غصہ فرو ہوا کہنے لگے "ربیعہ! تم بھی مجھے کوئی ایسی ہی سخت بات کہدو، انھوں نے

[1] بخاری جلد اول ص ۵۱۶،

انکار کیا تو دربار نبوت مین حاضر ہوئے، حضرت ربیعہؓ بھی ساتھ تھے، حضور انورؐ نے مفصل روئیداد سُن کر فرمایا" ربیعہ! تم کوئی سخت جواب نہ دو، لیکن یہ کہدو غفر اللہ لک یا ابا بکر یعنی ابو بکر! خدا تمھین معاف کردے" حضرت ابو بکرؓ پر اس واقعہ کا اس قدر اثر تھا کہ زار قطار رو رہے تھے اور آنکھون سے سیل اشک رواں تھا[1]،

زہد امارت، دنیا طلبی، وجاہ پسندی سے قطعی نفرت تھی، خلافت کا بار گران بھی محض امت مرحومہ کو تفریق و اختلاف سے محفوظ رکھنے کے لیے اُٹھا لیا تھا ورنہ دل سے اس ذمہ داری کے متمنی نہ تھے، انھون نے بارہا اپنے خطبون مین اس حقیقت کی تصریح فرمادی تھی اور اعلان کردیا تھا کہ اگر کوئی اس بار کو اُٹھانے کیلئے تیار ہوجائے تو وہ نہایت خوشی کے ساتھ سبکدوش ہوجائین گے[2]"

حضرت رافع طائیؓ فرماتے ہین کہ ایک دفعہ مین نے کہا کہ آپ سن رسیدہ بزرگ ہین مجھے کچھ وصیت فرمائین بولے" خدا تم پر رحمت و برکت نازل فرمائے، نمازین پڑھو، روزے رکھو، زکوٰۃ دو، حج کرو اور سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ کبھی امارت و سیادت نہ قبول کرو، دنیا مین امیر کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، نیز قیامت کے روز اس کا محاسبہ نہایت سخت ہوگا اور فرد عمل زیادہ طویل ہوگی"

ایک مرتبہ اُنھون نے پینے کے لیے پانی مانگا لوگون نے پانی اور شہد لاکر پیش کیا، لیکن جیسے ہی منہ کے قریب لے گئے بے اختیار آنکھون سے آنسو بھر آئے اور اسقدر روئے کہ تمام حاضرین پر رقت طاری ہوگئی جب کسی قدر سکون ہوا تو لوگون نے گریہ و زاری کی وجہ پوچھی، بولے، "ایک روز مین رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھا، آپ کسی چیز کو دور دور کر رہے تھے

[1] فتح الباری ج ۷ ص ۱۸ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۵۰

مین نے عرض کیا! یا رسول اللہ! کیا چیز ہے جسکو دور فرما رہے ہین ہین تو کچھ نہین دیکھتا، ارشاد ہوا کہ ظاہر فریب دنیا مجسم ہو کر میرے سامنے آئی تھی، مین نے اُسکو دور کردیا، اسوقت یکایک مجھے یہ واقعہ یاد آگیا اور ڈرا کہ شاید مین اُس کے دام تزویر مین پھنس جاؤن[۱]۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تمام دولت راہِ خدا مین لٹا دی یہان تک کہ زمانۂ خلافت مین ان پر بیت المال کا چھ ہزار درہم قرض چڑھ گیا، لیکن بے نیازی دیکھو کہ مسلمانون کا ایک حبہ بھی اپنی ذات پر صرف کرنا یا اولاد کے لیے چھوڑ جانا گوارا نہ ہوا، وفات کے وقت وصیت فرمائی تو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ میرا فلان باغ بیچکر بیت المال کا قرض ادا کر دیا جائے اور میرے مال مین جو چیز فاضل نظر آئے وہ عمر بن الخطاب کے پاس بھیجدی جائے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہین کہ وفات کے بعد جائزہ لیا گیا تو صرف یہ چیزین زیادہ نکلین ایک غلام، ایک لونڈی، اور دو اونٹنیان، چنانچہ یہ تمام چیزین اسیوقت حضرت عمرؓ کے پاس بھیجدی گئین، خلیفۂ دوم کی آنکھون سے عبرت کے آنسو نکل آئے، رو کر بولے "ابوبکر! خدا تم پر رحم کرے، تم نے پس از مرگ بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا اور کسی کو نکتہ چینی کا موقع نہ دیا[۲]"

تواضع نہایت متواضع اور خاکسار تھے اور کسی کام سے اُن کو عار نہ تھا، بسا اوقات بھیڑ بکریان تک خود ہی چرا لیتے اور محلہ والون کی بکریان دوہ دیتے تھے، چنانچہ منصبِ خلافت کیلیے جب اُن کا انتخاب ہوا، تو سب سے زیادہ محلہ کی ایک لڑکی کو فکر لاحق ہوئی اور اُس نے تاسف آمیز لہجہ مین کہا "اب ہماری بکریان کون دوہے گا" حضرت ابوبکرؓ نے سُنا تو فرمایا خدا کی قسم! مین بکریان دوہون گا، امید ہے کہ خلافت مجھے

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۷، [۲] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۱۳۶

مخلوق کی خدمتگذاری سے باز نہ رکھے گی[1]"

حضرت ابو بکرؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، خلیفہ منتخب ہونے کے بعد بھی حسب معمول کندھے پر کپڑوں کے تھان رکھ کر بازار کی طرف روانہ ہوئے، راہ میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا "یا خلیفۂ رسول اللہ! کہاں؟ بولے "بازار" انھوں نے کہا "اب آپ مسلمانوں کے حاکم ہیں چلیے، ہم آپ کے لیے کچھ وظیفہ مقرر کردینگے[2]"

دار الخلافہ سے کوئی فوجی مہم روانہ ہوتی تو حضرت ابو بکرؓ ضعف و کبر سنی کے باوجود دور تک پاپیادہ ساتھ جاتے، اگر کوئی افسر تعظیماً گھوڑے سے اترنا چاہتا تو روک کر فرماتے "اس میں کیا مضائقہ ہے اگر میں تھوڑی دور تک راہ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کروں"، رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ "جو پاؤں راہ خدا میں غبار آلود ہوتے ہیں خدا ان پر جہنم کی آگ حرام کردیتا ہے[3]"

عجز و تواضع کی انتہا یہ تھی کہ لوگ جانشینِ رسول کی حیثیت سے تعظیم و توقیر کرتے تو آپ کو تکلیف ہوتی، اور فرماتے کہ "مجھے لوگوں نے بہت بڑھا دیا ہے" کوئی مدح و ستایش کرتا تو فرماتے "اے خدا تو میرا حال مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور میں اپنی کیفیت ان لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں، خدایا تو ان کے حسن ظن سے مجھے بہتر ثابت کر، میرے گناہوں کو بخشدے اور لوگوں کی بیجا تعریف کا مجھ سے مواخذہ نہ کر[4]" غایت تواضع سے تکبر و غرور کی علامات سے بھی خوف زدہ ہوجاتے، ایک روز رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو شخص تکبر سے اپنا کپڑا کھینچے

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۱۳۰ [2] ایضاً [3] طبری ۲۱۰۰ و مسند دارمی باب فضل الغبار فی سبیل اللہ [4] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۷

ہوے چلتا ہے قیامت کے روز خدا اس کی طرف نگاہ نہ کرے گا" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میرا دامن بھی کبھی کبھی لٹک جاتا ہے" ارشاد ہوا "تم تکبر سے ایسا نہین کرتے"[1]

انفاق فی سبیل اللہ | مال و دولت اگر صحیح مصرف اور مناسب موقع پر صرف ہو تو اس کی قدر و قیمت غیر متناہی ہو جاتی ہے، روٹی کا ایک خشک ٹکڑا شدت گرسنگی مین خوان نعمت ہے، لیکن آسودگی مین الوان نعمت بھی بے حقیقت شے ہین یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگون نے اپنے جان و مال سے رسول اللہ صلعم کی اعانت کی ہے اُن کو قرآن کریم نے مخصوص عظمت و فضیلت کا مستحق قرار دیا ہے،

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا،	تم مین وہ لوگ جنھون نے فتح مکہ سے پہلے خدا کی راہ مین خرچ کیا اور لڑے وہ (دوسرے مسلمانون کے) برابر نہین ہو سکتے بلکہ یہ اُن لوگون سے درجہ مین بڑے ہین
(سورۂ حدید رکوع ۱)	جنھون نے بعد فتح مکہ خرچ کیا اور لڑے،

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس قبول اسلام کے وقت چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے[2] اُنھون نے یہ تمام دولت راہ خدا مین صرف کر دی،[3] آنحضرت صلعم نے بارہا اس فیاضی کے برمحل ہونے کا اعتراف فرمایا،

ما نفعنی مال قط ما نفعنی مال ابی بکر[4]	ابو بکر کے مال سے زیادہ کوئی مال میرے لیے مفید نہوا،

اس فیاضی کے ساتھ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ حضرت رسالت پناہ صلعم جب بطور تشکر و امتنان فرماتے،

انہ لیس من الناس احد امنّ علیّ فی	یعنی جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابو بکر سے زیادہ

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۷، [2][3] ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۱۲۲، [4] کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۹،

تو آبدیدہ ہو کر عرض کرتے "یا رسول اللہ جان و مال سب حضور ہی کے لیے ہے"

آغازِ اسلام میں جن لوگوں نے داعیِ توحید کو لبیک کہا تھا ان میں ایک بڑی تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجۂ ستم میں گرفتار تھی حضرت ابو بکرؓ نے اکثروں کو آزاد کرایا جن میں بعض کے نام یہ ہیں،

بلالؓ، عامر بن فہیرہ، نذیرہ، جاریہ بنی مومل، نہدیہ، بنت نہدیہ وغیرہم،

حضرت ابو بکر صدیقؓ صدقات و خیرات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، حضرت عمرؓ نے بارہا سبقت کی کوشش کی لیکن وہ کبھی اُن کے مقابلہ میں کامیاب نہوئے، ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نے صحابۂ کرام کو صدقہ نکالنے کا حکم دیا، حضرت عمرؓ کے پاس اسوقت معمول سے زیادہ سرمایہ موجود تھا، اُنھوں نے خیال کیا کہ آج ابو بکرؓ سے سبقت لیجانے کا موقع ہے، غرض وہ اپنا نصف مال لیکر آستانۂ نبوت پر حاضر ہوئے، آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اہل وعیال کے لیے کسقدر رہنے دیا ہے؟ بولے "اسی قدر" لیکن حضرت ابو بکرؓ اپنا کل سرمایہ لائے تھے، اس لیے جب اُن سے سوال ہوا تو اُنھوں نے عرض کی "اُن کے لیے خدا اور اس کا رسول ہے" اس ایثار و قربانی پر حضرت عمرؓ کی آنکھیں کھل گئیں بولے "اب میں کبھی ان سے سبقت نہیں لیجا سکتا"[1]

صدقات میں اخفار و اظہار دونوں جائز ہے ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتوتوھا الفقراء فھو خیر لکم لیکن اظہار میں ریا و تفاخر کا امکان ہے اس لیے حضرت ابو بکرؓ صدقات میں اخفار کا خاص لحاظ رکھتے تھے، نیز ہمیشہ یہ خیال رکھتے تھے کہ اُنکی

[1] ترمذی، باب مناقب ابی بکرؓ،

تمام کائنات خدا کی امانت و ودیعت ہے، چنانچہ ایک دفعہ نہایت مخفی طور پر صدقہ لیکر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یا رسولؐ اللہ! اس کے علاوہ خدا کی اور امانت بھی میرے پاس ہے[1]"۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فیاضی کا سلسلہ آخری لحۂ حیات تک جاری رہا یہانتک کہ وفات کے وقت بھی آپ نے فقراء و مساکین کو فراموش نہ کیا اور اپنے مال میں ان کے لیے ایک خمس کی وصیت فرمادی[2]،

خدمت گذاریِ خلق۔ خلق اللہ کی نفع رسانی اور خدمتگذاری میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا اکثر محلہ والوں کا کام کر دیتے، بیماروں کی تیمارداری فرماتے اور اپنے ہاتھ سے ضعیف و ناتوان اشخاص کی خدمت انجام دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، اطرافِ مدینہ میں ایک نہایت ضعیف و نابینا عورت تھی حضرت عمر فاروقؓ روز علی الصباح اس کے جھوپڑے میں جاکر ضروری خدمات انجام دیتے تھے کچھ دنوں کے بعد انھوں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ان سے پہلے اس کار ثواب سے بہرہ یاب ہوجاتا ہے، ایک روز بغرض تفتیش کچھ رات رہتے ہوئے آئے تو دیکھا کہ خلیفۂ رسول یعنی ابوبکر صدیقؓ اس ضعیفہ کی خدمت گذاری سے فارغ ہوکر جھوپڑے سے نکل رہے ہیں، بولے "انت لعمری یا خلیفۃ رسول اللہ" قسم ہے کیا روز آپ ہی سبقت کرجاتے ہیں،

مذہبی زندگی۔ حضرت ابوبکرؓ رات رات بھر نمازیں پڑھتے، دن کو اکثر روزے رکھتے خصوصاً موسمِ گرما روزوں ہی میں بسر ہوتا، خضوع و خشوع کا یہ عالم تھا کہ نماز میں لکڑی کی طرح بے حس و حرکت نظر آتے، رقت اس قدر طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی، خوفِ محشر

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۰، [2] ایضاً ص ۳۲۴،

وعبرت پذیری کا یہ حال تھا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ اُن کے لیے سرمایۂ عبرت تھا، کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو کہتے کاش! میں درخت ہی ہوتا کہ عاقبت کے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا کسی باغ کی طرف گذرتے اور چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو آہ سرد کھینچکر فرماتے "پرندو! تمھیں مبارک ہو کہ دنیا میں چرتے چگتے ہو، درخت کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت میں تمھارا کوئی حساب کتاب نہیں کاش! ابو بکر بھی تمھاری طرح ہوتا۔"[۱]

قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتے کہ آس پاس کے تمام لوگ جمع ہوجاتے، نرم دلی اور رقت قلب کے باعث بات بات پر آہ سرد کھینچتے تھے، یہاں تک کہ "اواہ منیب" اُن کا نام ہوگیا تھا۔

نیکو کاری وحصول ثواب کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے ایک روز رسول اللہ صلعم نے صحابۂ کرام رض سے پوچھا "آج تم میں روزہ سے کون ہے"؟ حضرت ابو بکر رض نے عرض کی "میں ہوں!" پھر فرمایا "آج کسی نے جنازہ کی مشایعت کی ہے؟ کسی نے مسکین کو کھانا دیا ہے؟ اور کسی نے مریض کی عیادت کی ہے"؟ صرف حضرت ابو بکر رض نے اثبات میں جواب دیا، ارشاد ہوا کہ جس نے ایک دن میں اسقدر نیکیاں جمع کی ہوں وہ یقیناً جنت میں جائیگا۔[۲]

خانگی زندگی حضرت ابو بکر رض بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے، خصوصاً ام المومنین حضرت عائشہ رض کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، انھوں نے نواحِ مدینہ میں اپنی ایک جاگیر مخصوص طور پر اُنکو ہبہ کردی تھی لیکن وفات کے وقت خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی اس لیے ان کو بلاکر فرمایا "جانِ پدر! افلاس وامارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب رہی ہو لیکن جو جاگیر میں نے تمھیں دی ہے اسمیں تم اپنے دوسرے

رسول اللہ عائشہ سے محبت ... عائشہ اور ... ہے ؟

---

[۱] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۲۲۔ [۲] مسلم فضائل ابی بکر۔

بھائی بہنوں کو شریک کرلو" انھوں نے وفات کے بعد حسب وصیت جاگیر تقسیم کردی،

مہمان نوازی | نہایت مہمان نواز تھے، چنانچہ ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحاب صفہ اُن کے مہمان تھے، اُنھوں نے اپنے صاحبزادہ عبدالرحمٰن کو ہدایت فرمائی کہ میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں جاتا ہوں تم میرے واپس آنے سے پہلے اُن کی مہمان نوازی سے فارغ ہوجانا، حضرت عبدالرحمٰن نے حسب ہدایت اُن کے سامنے ما حضر پیش کیا لیکن اُنھوں نے صاحبِ خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کردیا، اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کرکے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں اپنے صاحبزادہ پر نہایت برہم ہوئے، اور بُرا بھلا کہکر کہا "واللہ میں اس کو آج کھانے میں شریک نہیں کرونگا"، حضرت عبدالرحمٰنؓ ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے، وہ کسی قدر جرأت کرکے سامنے آئے اور بولے "آپ اپنے مہمانوں سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لیے اصرار کیا تھا"، مہمانوں نے اس کی تصدیق کی اور کہا "خدا کی قسم! جب تک آپ عبدالرحمٰن کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے"، غرض اس طرح غصہ فرو ہوگیا، اور دسترخوان بچھایا گیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت نازل ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ اسمیں سے کچھ آنحضرت صلعم کی خدمت میں بھیجدیا گیا[1]،

لباس وغذا | طرز معاشرت نہایت سادہ تھا، موٹے جھوٹے کپڑے استعمال فرماتے تھے، دسترخوان بھی پُرتکلف نہ تھا، خلافت کے بعد یہ سادگی زیادہ ترقی کرگئی تھی، چنانچہ وفات کے وقت انھوں نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا "جب سے خلافت کا بار میرے سر پر آیا ہے میں نے

---

[1] طبقات ابن سعد جزء ۳ قسم اول صفحہ ۱۳۸، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۰۶،

معمولی سے معمولی غذا اور موٹے جھوٹے کپڑے پر قناعت کی ہے، مسلمانون کے مال مین سے میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اونٹ اور اس پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہین ہے میرے بعد یہ تمام چیزین عمر بن الخطاب کو واپس دیکر ان سے بری ہو جانا[1]"

حضرت ابو بکرؓ نے چونکہ اپنی تمام دولت اسلام پر نثار کردی تھی اس لیے عسرت و ناداری کے باعث بارہا دو دو، تین تین وقت فاقے سے گذر جاتے تھے، ایک روز آنحضرت صلعم نے اُن کو اور حضرت عمرؓ کو مسجد مین بھوک سے بے قرار دیکھا، فرمایا "مین بھی تمھاری طرح سخت بھوکا ہون" حضرت ابو الہیثم انصاریؓ کو معلوم ہوا تو انھون نے اپنے گھر پر کھانے کی دعوت دی[2]،

ذریعۂ معاش

تجارت اصلی ذریعۂ معاش تھی، فرماتے ہین کہ "مین قریش مین سب سے بڑا اور متمول تاجر تھا" عہدِ اسلام مین بھی یہی شغلہ جاری رہا، اور مالِ تجارت لیکر دور دراز ممالک کا سفر اختیار فرمایا، چنانچہ آنحضرت صلعم کی وفات سے ایک سال پہلے تجارت کے خیال سے بصریٰ تشریف لے گئے تھے[3]،

خلافت کا بار جب سر پر آیا تو قدرةً اُن کا تمام وقت مسلمانون کی فلاح و بہبود کے لیے وقف ہو گیا، اس بنا پر صحابۂ کرامؓ نے مشورہ کرکے روزانہ آدھی بکری کا گوشت اور ان کے اور ان کے اہل و عیال کے کپڑے اور کھانے مقرر کر دیئے[4]، حضرت ابو بکرؓ نے اسکو منظور کرکے فرمایا "قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل و عیال کی حاجت روائی سے قاصر نہ تھا، لیکن اب جبکہ مسلمانون کے کام مین مشغول ہون تو ابو بکر کا خاندان حسبِ ضرورت اُن کے مال سے کھائیگا، اور اُن کا

[1] طبقات ابن سعد ق ا ج ۳ ص ۱۳۹ [2] موطا امام مالک ص ۳۰۷ [3] سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب المزاح [4] طبقات ج ۳ ق ا ص ۱۳۰،

کام کرے گا[۱]

ابن سعد نے وظیفہ کی تفصیل یہ بیان کی ہو کہ ان کو دو چادرین ملتی تھین جب وہ پرانی ہو جاتی تھین تو اُنھین واپس کرکے دوسری لے لیتے تھے، سفر کے موقع پر سواری اور خلافت سے پہلے جو خرچ تھا اسی کے موافق اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے خرچ لیتے تھے[۲]

جاگیر | آنحضرت صلعم نے ان کو خیبر مین ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی اس کے علاوہ اُنھون نے اطرافِ مدینہ اور بحرین مین دوسری جاگیرین بھی حاصل کی تھین[۳]

حُلیہ | حضرت ابوبکرؓ نہایت نحیف ولاغر اندام تھے، چہرہ کم گوشت، اور رنگ گندم گون تھا، پیشانی بلند وفراخ اور آنکھین دھنسی ہوئی تھین، بالون مین مہدی کا خضاب کرتے تھے،

ازدواج واولاد | حضرت ابوبکرؓ نے مختلف اوقات مین متعدد شادیان کین، جن بیویون سے اولاد ہوئی اُن کے نام یہ ہین،

قُتَیلہ یا قتلہ[۴]، ان سے حضرت عبد اللہؓ اور حضرت اسماءؓ پیدا ہوئین،

ام رُومان، یہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت عبد الرحمنؓ کی مان تھین،

اسماء، ان سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے،

حبیبہ[۵] بنت خارجہ، حضرت ابوبکرؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ام کلثوم ان ہی کے بطن سے تھین[۶]

---

۱ بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۷۸، ۲ طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۳۱، ۳ ایضاً ص ۱۴۰، ۴ طبقات تذکرۂ ابوبکر

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ

نام و نسب اور خاندان — عمر نام، ابو حفص کنیت، فاروق لقب، والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام ختمہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالکؓ چونکہ عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو رسول اللہ صلعم کے اجداد سے ہیں، اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلعم کی آٹھویں پشت میں جا کر ملجاتا ہے،

حضرت عمرؓ کا خاندان ایام جاہلیت میں بھی نہایت ممتاز تھا، آپ کے جد اعلیٰ عدی عرب کے باہمی منازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے، اور قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آجاتا تو سفیر بنکر جایا کرتے تھے، اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آرہے تھے، آبائی خاندان کی طرح حضرت عمرؓ ننہیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ آپ کی والدہ ختمہ ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں، اور مغیرہ اسی درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے نبرد آزمائی کے لیے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا،

حضرت عمرؓ ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے، ایام طفولیت کے حالات پردۂ خفا میں ہیں بلکہ سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں، شباب کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے، یعنی نسب دانی،

۱؎ اصابہ ج ۴ ص ۵۱۸، ۲؎ عقد الفرید باب فضائل العرب،

سپہ گری، پہلوانی اور خطابت مین مہارت پیدا کی، خصوصاً شہسواری مین کمال حاصل کیا، اسی زمانہ مین اُنھون نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا،

تعلیم و تعلم سے فارغ ہونے کے بعد فکرِ معاش کی طرف متوجہ ہوئے، عرب مین لوگون کا ذریعۂ معاش زیادہ تر تجارت تھا، اس لیے اُنھون نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور اُسی سلسلہ مین دور دور ممالک کا سفر کیا اور اس طریقہ سے خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی کی لازوال دولت حاصل کی، یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ قبولِ اسلام سے پہلے ہی تمام عرب مین روشناس ہو گئے تھے، اور قریش نے اُن کی قابلیت کے جوہر دیکھ کر سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا، قبائل مین جب کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تھی تو آپ ہی سفیر بن کر جاتے تھے اور اپنے غیر معمولی فہم تدبر اور تجربہ سے اس عقدہ کو حل کرتے تھے،

حضرت عمرؓ کا ستائیسوان سال تھا کہ ریگستانِ عرب مین آفتابِ اسلام پرتو افگن ہوا، اور مکہ کی گھاٹیون سے توحید کی صدا بلند ہوئی، حضرت عمرؓ کیلیے یہ آواز نہایت نامانوس تھی، اس لیے سخت برہم ہوئے، یہان تک کہ جس کی نسبت معلوم ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے اس کے دشمن بن جاتے، اُن کے خاندان کی ایک کنیز لبینہ نامی مسلمان ہو گئی تھی، اس کو اسقدر مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے، لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہین کرتے تھے، لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا، ان تمام سختیون پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے،

لہ استیعاب برحاشیہ اصابہ ج ۲ ص ۵۱۸،

اسلام حضرت عمرؓ

قریش کے سربرآوردہ اشخاص مین ابوجہل اور حضرت عمرؓ اسلام اور بانی اسلام کی دشمنی مین سب سے زیادہ سرگرم تھے، اس لیے آنحضرت صلعم نے خصوصیت کے ساتھ انھین دونون کے لیے اسلام کی دعا فرمائی، "اللھم اعز الاسلام باحد الرجلین اما ابن ھشام واما عمر بن الخطاب"[1] یعنی خدایا اسلام کو ابوجہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر، مگر یہ دولت تو قسام ازل نے حضرت عمرؓ کی قسمت مین لکھدی تھی، ابوجہل کے حصہ مین کیونکر آتی؟ اس کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنون کے بعد جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جان نثار ہوگیا، یعنی حضرت عمرؓ کا دامن دولت ایمان سے بھر گیا، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء؛ تاریخ وسیر کی کتابون مین حضرت عمرؓ کی تفصیلات اسلام مین اختلاف ہے، ایک مشہور واقعہ جسکو عام طور پر ارباب سیر لکھتے ہین یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ اپنی انتہائی سختیون کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بددل نہ کرسکے تو آخرکار مجبور ہوکر (نعوذ باللہ) خود بانی اسلامؐ کے قتل کا ارادہ کیا، اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلعم کی طرف چلے، راہ مین اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے اور اُن کے تیور دیکھکر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے محمد صلعم کا فیصلہ کرنے جاتا ہون، انھون نے کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمھاری بہن اور بہنوئی اسلام لاچکے ہین" فوراً پلٹے اور بہن کے ہان پہونچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھین، ان کی آہٹ پاکر چپ ہوگئین اور قرآن کے اجزا چھپالیے لیکن آواز اُن کے کانون مین پڑچکی تھی، بہن سے پوچھا

[1] جامع ترمذی مناقب عمرؓ

یہ کیا آواز تھی؟ بولیں کچھ نہیں، انھوں نے کہا میں سُن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہوگئے ہو، یہ کہکر بہنوئی سے دست وگریبان ہوگئے اور جب اُن کی بہن بچانے کو آئیں تو اُن کی بھی خبر لی یہاں تک کہ اُن کا جسم لہولہان ہوگیا، لیکن اسلام کی محبت پر اُن کا کچھ اثر نہوا، بولیں کہ "عمرؓ جو بن آئے کرو، لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا"

ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، دیکھکر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھکو بھی سُناؤ، فاطمہ نے قرآن کے اجزاء سامنے لاکر رکھدیئے، اٹھاکر دیکھا تو یہ سورہ تھی،

سبح للہ ما فی السموات والارض — زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں

وھو العزیز الحکیم (حدید) — وہ غالب اور حکمت والا ہے،

ایک ایک لفظ پر اُن کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا، یہان تک کہ جب اس آیۃ پر پہونچے

آمنوا باللہ و رسولہ (حدید) — خدا پر اور اُسکے رسول پر ایمان لاؤ،

تو بے اختیار پکار اُٹھے اکہ

اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلعم ارقمؓ کے مکان میں جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا پناہ گزین تھے، حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہونچکر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، صحابہ کو تردد ہوا، لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا آنے دو، "مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کردوں گا"، حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلعم خود آگے بڑھے اور اُنکا دامن پکڑکے فرمایا "کیوں عمرؓ کس ارادہ سے آئے ہو؟" نبوت کی پُرجلال آواز نے ان کو کپکپا دیا،

نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لیے، آنحضرت صلعم اور صحابہ نے بیساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں[۱]

یہی روایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ دارقطنی، حاکم، ابویعلی اور بیہقی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے، دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی میں سورۂ حدید کی آیہ سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے اور دوسری میں سورۂ طٰہٰ کی یہ آیت ہے،

انّنی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی و	میں ہوں خدا کوئی نہیں خدا لیکن میں، تو مجھکو پوجو اور میری
اقم الصلوٰۃ لذکری (سورۂ طٰہٰ)	یاد کے لیے نماز کھڑی کرو،

جب اس آیہ پر پہونچے تو یہ اثر ہوا کہ دل سے لا الٰہ الا اللہ پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی، لیکن یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے اور دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قبول کے لائق نہیں، چنانچہ دارقطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھکر کہا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں[۲] ذہبی نے مستدرک حاکم کے استدراک میں لکھا ہے، کہ روایت واہی و منقطع ہے[۳] میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ قاسم بن عثمان بصری نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا جو قصہ نقل کیا ہے وہ نہایت ہی منکر ہے[۴]، کنز العمال میں بھی اسکی تضعیف کی گئی ہے[۵]،

ان دونوں روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان، اسحاق بن ابراہیم الحسینی، اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں، اور یہ سب کے سب پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں،

[۱] سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۲۰۹، ۲۱۰، بحوالہ اسد الغابہ و ابن عساکر و کامل ابن اثیر [۲] دارقطنی باب الطہارۃ للقرآن [۳] مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۵۹، [۴] میزان الاعتدال قاسم بن عثمان بصری [۵] کنز العمال فضائل عمر بن الخطابؓ

ان روایتون کے علاوہ مسند بن حنبل مین ایک روایت خود حضرت عمرؓ سے مروی ہے جو گو ایک تابعی کی زبان سے مروی ہے تاہم اس باب مین سب سے زیادہ محفوظ ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہین کہ ایک شب مین آنحضرت صلعم کو چھیڑنے نکلا آپ بڑھکر مسجد حرام مین داخل ہوگئے، اور نماز شروع کردی جسمین آپ نے سورہ الحاقہ تلاوت فرمائی مین کھڑا سنتا رہا، اور قرآن کے نظم واسلوب سے حیرت مین تھا، دل مین کہا خدا کی قسم یہ شاعر ہے جیسا قریش کہا کرتے ہین ابھی یہ خیال تھا ہی کہ آپ نے یہ آیت پڑھی،

انہ لقول رسول کریم وما ھو بقول شاعر قلیلاً ما تؤمنون (الحاقہ ۲) — یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہو اور یہ کسی شاعر کا کلام نہین تم بہت کم ایمان رکھتے ہو،

مین نے کہا یہ تو کاہن ہے مرے دل کی بات جان گیا ہے اُسکے بعد ہی یہ آیت پڑھی

ولا بقول کاھن قلیلاً ما تذکرون تنزیل من رب العلمین (الحاقہ ع ۲) — یہ کاہن کا کلام بھی نہین تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو یہ تو جہانون کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے،

آپ نے یہ سورہ آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کو سُن کر اسلام میرے دل مین پوری طرح گھر کر گیا،[1]

اس کے علاوہ صحیح بخاری مین خود حضرت عمرؓ کی زبانی یہ روایت ہے کہ بعثت سے کچھ پہلے یا اس کے بعد ہی وہ ایک تبخانہ مین سوتے تھے کہ اُنھون نے دیکھا کہ ایک بت پر ایک قربانی چڑھائی گئی اور اس کے اندر سے آواز آئی اے جلیح! ایک فصیح البیان کہتا ہے کہ لا الہ الا اللہ اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن مین کھڑا رہا کہ دیکھون اس کے بعد کیا ہوتا ہے کہ پھر وہی آواز آئی، اس واقعہ پر تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ لوگون مین یہ

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۷،

چرچا ہوا کہ یہ نبی ہیں (باب بنیان الکعبہ) اس روایت میں یہ بیان نہیں ہے کہ اس آواز کا حضرت عمرؓ پر کیا اثر ہوا،

پہلی عام روایت بھی اگر صحیح مان لی جائے تو شاید واقعہ کی ترتیب یہ ہوگی کہ اس ندائے غیب کی آواز پر حضرت عمرؓ نے لبیک نہیں کہا، اور اس کا کوئی تعلق آنحضرت صلعم کی بعثت کی بشارت سے وہ پیدا نہ کر سکے کہ اس میں ان کی رسالت اور نبوت کا کوئی ذکر نہ تھا تاہم چونکہ اس میں توحید کا ذکر تھا اس لیے ادھر میلان ہوا ہوگا، لیکن چونکہ اُن کو قرآن کے سننے کا موقع نہیں ملا اس لیے اُن کو اس توحید کی دعوت کی حقیقت نہ معلوم ہوسکی، اس کے بعد اُنھوں نے آنحضرت صلعم کو سورۂ الحاقہ نماز میں پڑھتے سُنی جسمیں قیامت اور حشر و نشر کا نہایت مؤثر بیان ہے تو اُن کے دل پر ایک خاص اثر ہوا، جیسا کہ ان کے اس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ "وقع الاسلام فی قلبی کل موقع" یعنے اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا، تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل مزاج اور پختہ کار تھے اس لیے اسلام کا اُنھوں نے اعلان نہیں کیا، بلکہ اس اثر کو شاید وہ روکتے رہے، لیکن اس کے بعد جب اُن کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور سورۂ طٰہٰ پر نظر پڑی جسمیں توحید کی نہایت مؤثر دعوت ہے تو دل پر قابو نہ رہا اور بے اختیار کلمۂ توحید پکار اُٹھے، اور دراقدس پر حاضری کی درخواست کی،

اور اگر وہ پہلی عام روایت صحیح تسلیم نہ کی جائے تو واقعہ کی سادہ صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ان ندائے غیب نے انکے دل میں توحید کا خیال پیدا کیا، تین برس تو دعوت محدود اور مخفی رہی، اور ان کو اس کا حال نہ معلوم ہوسکا، اور مخالفت کی شدت کے باعث کبھی خود بارگاہ نبوی میں جانے اور قرآن سننے کا موقع نہ ملا، پھر رفتہ رفتہ اسلام کی حقیقت کی مختلف آوازیں اُن کے کانوں میں پڑتی رہیں جو اُن کی شدت کو کم کرتی گئیں، بالآخر وہ دن آیا کہ آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے اُن کو سورۂ الحاقہ سننے کا موقع ملا، اور وہ لبیک کہتے اسلام کے آستانہ پر داخل ہوگئے،

(۱) کا اسلام | عام مورخین اور ارباب سیر نے حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا زمانہ ۶ نبوی مقرر کیا ہے، اور لکھا ہے، کہ آپ چالیسوین مسلمان تھے، آجکل کے ایک نوجوان خوش فہم صاحب قلم نے تمام گذشتہ روایات کو ایک سرے سے ناقابل التفات قرار دیکر یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نہایت قدیم الاسلام تھے، شاید مقصود یہ ہو کہ حضرت ابو بکرؓ وغیرہ کے بعد ہی اُنکا شمار ہو اس مقصد کے لئے اُنھون نے تنہا بخاری کو سند قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ کے اسلام کی تمہید مین وہ لکھتے ہین کہ:۔

"اسی فطرت سلیمہ کی بنا پر اُن کو دعوت کی سے اسلام سے ہمدردی پیدا ہوئی، چنانچہ اُن کی ہمشیر اور سعید بن زید نے اسلام قبول کیا تو گو وہ مسلمان نہین ہوے تھے تاہم لوگون کو اسلام پر قائم رہنے کی تاکید کرتے تھے، چنانچہ سعید نے اس واقعہ کو ایک موقع پر بیان کیا ہے

کان عمر بن الخطاب یقیم علی الاسلام انا و اختہ وما اسلم، — یعنی حضرت عمرؓ مجھکو اور اپنی بہن کو اسلام پر مضبوط کرتے تھے، حالانکہ خود نہین اسلام لائے تھے[1]

اس حدیث مین اپنے موافق مطلب تحریف کرنے کے بعد وہ فرماتے ہین کہ:۔

کہ اس حدیث کا بعض لوگون نے اور ہی مطلب بیان کیا ہے، اور قسطلانی نے اسکی تردید کی ہے[2]"

اس کے بعد تجانہ مین ندائے غیب سننے کے واقعہ کا ذکر کیا ہے،

پہلی حدیث سے حضرت عمرؓ کی اسلام کے ساتھ ہمدردی اور دوسری مین ہاتف غیب کی آواز سننے کا ذکر ہے، ان دونون باتون کو ملا کر انھون نے فوراً حضرت عمرؓ کے آغاز ہی اسلام مین مسلمان ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا اور اسی واقعہ کو اُن کے فوری اسلام کا سبب قرار دے دیا،

[1] سیرالصحابہ صفحہ ۲۲۳، [2] ایضاً صفحہ ۲۲۴،

اس کے بعد ایک اور شہادت پر مصنف کی نظر پڑی کہ مرض الموت مین ایک نوجوان نے حضرت عمرؓ کے سامنے یہ الفاظ کہے کہ

"اے امیر المومنین! خدا نے آپ کو رسول اللہ صلعم کی صحبت اور سبقت کے ذریعہ سے جسکو آپ جانتے ہین، جو بشارت دی ہے اس سے آپ خوش ہون[1]"۔

اس قدر شواہد اور اتنے دلائل کے بعد فاضل مصنف ناظرین سے داد طلب ہین کہ:-

"ایک طرف تو صحیح بخاری کی مستند روایات ہین جو حضرت عمرؓ کی فطری سلامت روی اور حق پرستی کو ظاہر کرتی ہین، دوسری طرف مزخرفات کا یہ دفتر بے پایان ہے جو اُن مین گذشتہ اوصاف سے متعارض صفات تسلیم کراتا ہے۔ ناظرین انصاف کرلین کہ ان مین سے کس کو صحیح تسلیم کیا جائے"۔

افسوس مصنف کو دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ مین بھی متعدد مسامحات مین گرفتار ہونا پڑا ہے، اب ہم ناظرین کو مصنف کے ابتدائی دلائل کی طرف توجہ دلاتے ہین،

مصنف نے سب سے پہلے اسلام کے ساتھ حضرت عمرؓ کی ہمدردی مین سعید بن زید کی یہ روایت پیش کی ہے،

کان عمر بن الخطاب موثقی علی الاسلام	یعنی حضرت عمرؓ مجھکو اور اپنی بہن کو اسلام پر مضبوط کرتے تھے[2]
انا واختہ وما اسلم،	حالانکہ خود مسلمان نہین ہوتے تھے،

اس کے بعد لکھتے ہین کہ اس حدیث کا بعض لوگون نے ایک اور مطلب بھی بیان کیا ہے اور قسطلانی نے اس کی تردید کی ہے، یہان پر مصنف نے اپنے مطلب کے ثابت کرنے مین بڑی جسارت سے کام لیا ہے، اول تو حدیث کے لفظ مین صریح تحریف کی ہے، اور وہ تحریف بھی

[1] اس سے مراد وہ روایات ہین جو حدیث و سیر کی کتابون مین مذکور ہین، [2] بخاری باب اسلام عمر،

ادب عربی کے خلاف ہے اور اسپر حدیث مین "فقیدہ بجبا‌ئے" "موثق" [1] ہے جسکے معنی باندھنے کے ہین نہ کہ مضبوط کرنے کے اور قائم رکھنے کے' یہ عربی کا محاورہ ہے اور قسطلانی نے باندھنے کے معنی لیے ہین اور مصنف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطلانی سے مصنف کے بیان کردہ معنی کی تائید ہوتی ہے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے' ہذا بہتان عظیم چنانچہ قسطلانی کے الفاظ یہ ہین [2] بحبل او قد کالاسیر تضییقا واھانۃ یعنی "موثق" سے مراد رسی یا تسمہ سے قیدی کی طرح تنگ کرنے اور ذلیل کرنے کے لیئے باندھنا ہے' البتہ قسطلانی نے مصنف کے اختیار کردہ غلط معنی کی تردید کی ہے' جس کو بعض خوش فہمون نے اختیار کرنا چاہا تھا'

دوسری حدیث جو مصنف نے حضرت عمرؓ کے اسلام کے باب مین پیش کی ہے' یعنی ہاتف غیب کی آواز اس روایت مین کوئی ایسا فقرہ نہین ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت عمرؓ اسکو سنکر متاثر ہوئے اور فوراً اسلام لے آئے' اس قصہ کے آخر مین یہ صاف مذکور ہے کہ اس کے بعد تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ آپ کی نبوت کا شہرہ ہوا' اس لیے یہ بالکل ہی آغاز اسلام کا واقعہ ہوگا' اور اگر اسی وقت حضرت عمرؓ کا اسلام ثابت ہو جائے تو یہ بھی ثابت ہو جائیگا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ولادت سے پہلے ہی آپ مسلمان ہو چکے تھے' حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے جیسا کہ آگے ثابت ہوگا'

آیئے اب ہم صحیح بخاری ہی کے اشارات پر چلکر حضرت عمرؓ کے اسلام کی تاریخ تلاش کرین'

حضرت عمرؓ کے اسلام کے واقعہ کے بیان مین حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے یہ الفاظ بخاری مین ہین [3]

"حضرت عمرؓ مسلمان ہوے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا' مشرکین بکثرت اُن کے مکان پر جمع ہو گئے اور کہنے لگے صبا عمر' عمر بیدین ہو گئے' حضرت عمرؓ خوف زدہ مکان کے اندر تھے اور مین مکان کی چھت پر تھا' دیکھا...."

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام کے وقت نہ صرف یہ کہ وہ پیدا ہو چکے

---

[1] بخاری جلد ۱ باب اسلام سعید بن زید و اسلام عمر' [2] قسطلانی جلد ۶ صفحہ ۲۱۳' [3] صحیح بخاری' اسلام عمر'

بلکہ سن دتیز کے اس درجہ پر پہونچ چکے تھے کہ ان کو لڑکپن کے واقعات وضاحت سے یاد رہ گئے، اور تجربہ اس کا شاہد ہے کہ ۵، ۶ سال کا بچہ واقعات کو اس طرح سے محفوظ نہین رکھ سکتا، آگے چلیے ۳ھ ہجری یعنی بعثت کے سولھوین سال غزوۂ احد ہوا، بخاری مین خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اسوقت اُن کی عمر ۱۴ سال تھی، اسلیئے خورد سال بچون کے ساتھ چھانٹ دیے گئے تھے، اور مجاہدین مین نہین لیے گئے،[۱] اس حساب سے بعثت کے دو سال بعد آپ کی پیدائش ماننی پڑے گی، اور کم از کم پانچ سال کی عمر واقعات محفوظ رہنے کیلئے ماننی ہوگی، تو پانچ سال یہ اور دو سال بعد بعثت کے کل سات سال ہوجاتے ہین، لہذا خود صحیح بخاری کی تائید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا زمانۂ اسلام ۷ھ بعثت ہوگا، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ہاتف غیب کی آواز سننے کے سات سال بعد اسلام لائے،

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہوجانے سے اسلام کی تاریخ مین ایک نیا دور شروع ہوگیا، اسوقت تک چالیس یا اس سے کچھ کم و بیش آدمی دائرۂ اسلام مین داخل ہوچکے تھے لیکن وہ نہایت بے بسی و مجبوری کے عالم مین تھے، علانیہ فرائض مذہبی ادا کرنا تو در کنار اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا، اور کعبہ مین نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا، حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے دفعۃً حالت بدل گئی، انھون نے علانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا، صرف یہی نہین بلکہ مشرکین کو جمع کرکے باآواز بلند اپنے ایمان کا اعلان کیا، مشرکین نہایت برافروختہ ہوئے لیکن عاص ابن وائل نے جو رشتہ مین حضرت عمرؓ کے ماموں تھے اُن کو اپنی پناہ مین لے لیا، حضرت عمرؓ قبولِ اسلام سے پہلے اپنی آنکھون سے مسلمانون کی مظلومیت کا

[۱] بخاری باب غزوۃ الخندق،

تماشا دیکھتے تھے اس لیے شوق سعادت نے پسند نہین کیا کہ وہ اس نعمت سے متمتع ہونیکے بعد عاص بن وائل کی پناہ کے باعث محفوظ رہین اُنھون نے پناہ قبول کرنے سے انکار کردیا اور برابر ثبات واستقلال کے ساتھ مشرکین کا مقابلہ کرتے رہے یہان تک کہ مسلمانون کی جماعت کے ساتھ کعبہ مین جاکر نماز ادا کی،

یہ پہلا موقع تھا کہ حق باطل کے مقابلہ مین سر بلند ہوا اور حضرت عمرؓ کو اس صلہ مین دربار نبوت سے فاروق کا لقب مرحمت کیا گیا،

ہجرت مکہ مین جس طرح مسلمانون کی تعداد بڑھتی گئی اسیطرح مشرکین قریش کے بغض وعناد مین ترقی ہوتی گئی اگرپہلے وہ صرف فطری خونخواری اور جوش مذہبی کی بنا پر مسلمانون کو اذیت پہونچاتے تھے تو اب اُنھین سیاسی مصالح نے مسلمانون کے کامل استیصال پر آمادہ کردیا تھا، سچ یہ ہے کہ اگر بلاکشان اسلام مین غیر معمولی جوش ثبات اور وارفتگی کا مادہ نہوتا تو ایمان پر ثابت قدم رہنا غیر ممکن تھا،

حضرت عمرؓ ۶ نبوی مین اسلام لائے تھے، اور ۱۳ نبوی مین ہجرت ہوئی اسطرح گویا اُنھون نے اسلام لانے کے بعد تقریباً ۶-۷ برس تک قریش کے مظالم برداشت کیے جب مسلمانون کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ہوئی تو حضرت عمرؓ بھی اس سفر کے لیے آمادہ ہوئے اور بارگاہ نبوت سے اجازت لیکر چند آدمیون کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوے اور اس شان کے ساتھ روانہ ہوے کہ پہلے مسلح ہوکر مشرکین کے مجمعون سے گذرتے ہوے خانۂ کعبہ پہونچے نہایت اطمینان سے طواف کیا نماز پڑھی پھر مشرکین سے مخاطب ہوکر کہا کہ جس کو مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرے لیکن کسی کی ہمت نے یاری نہ کی،

سنہ ۱ ابن سعد جزو ۳ قسم اول صفحہ ۱۹۳،

اور وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے[1]

حضرت عمرؓ مدینہ پہونچکر قبا میں رفاعہ بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے، قبا کا دوسرا نام عوالی ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں اُن کی فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے، حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی، یہان تک کہ ۱۳ نبوی میں خود آفتابِ رسالت بھی مکہ کی گھاٹیون سے نکل کر مدینہ کے افق سے ضو ر افگن ہوا،

آنحضرت صلعم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد غریب الوطن مہاجرین کے رہنے سہنے کا اس طرح انتظام کیا کہ ان میں اور انصار میں برادری قائم کردی، جس کا یہ اثر ہوا کہ انصار نے عدیم النظیر ایثار سے کام لیکر اپنے مہاجر بھائیون کو تمام مال واسباب میں نصف کا شریک بنالیا، اس رشتے کے قائم کرنے میں فرقِ مراتب کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا یعنی جو مہاجر جس رتبہ کا تھا اسی حیثیت کے انصاری سے اُس کی برادری قائم کی گئی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کے برادر اسلامی حضرت عتبان بن مالکؓ قرار پائے تھے جو قبیلۂ بنی سالم کے معزز رئیس تھے،

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس ومجبور نہ تھا بلکہ اب آزادی اور اطمینان کا دور تھا، اس لیے وقت آگیا تھا کہ فرائض وارکان محدود اور معین کیے جائین، نیز مسلمانون کی تعداد وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی تھی اور وہ دور دور کے محلون مین آباد ہونے لگے تھے اس بنا پر شدید ضرورت تھی کہ اعلانِ نماز کا کوئی طریقہ معین کیا جائے، چنانچہ حضرت رسالت پناہ صلعم نے سب سے پہلے اسی کا انتظام کرنا چاہا، بعض صحابہ کی رائے ہوئی کہ آگ جلا کر لوگون کو خبر کیجائے، بعض کا خیال تھا کہ یہودیون اور عیسائیون کی طرح بوق وناقوس سے کام لیا جائے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کیلیے کیون نہ مقرر کیا جائے، رسول اللہ صلعم کو یہ رائے پسند آئی،

[1] زرقانی ج ا صفحہ ۳۱۷،

اور اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا گیا، اس طرح اسلام کا ایک شعار اعظم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات مین پانچ وقت توحید و رسالت کے اعلان سے گونجتا رہیگا،

غزوات و دیگر حالات

مدینہ مین سب سے پہلا معرکہ بدر کا پیش آیا، حضرت عمرؓ اس معرکہ مین رائے تدبیر جانبازی اور پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہؐ کے دست و بازو رہے، عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو رشتہ مین ان کا ماموں تھا خود اُن کے خنجر خار اشگاف سے واصل جہنم ہوا، یہ بات حضرت عمرؓ کے خصوصیات مین سے ہے کہ اسلام کے مقابلہ مین قرابت و محبت کے تعلقات سے مطلقاً متاثر نہین ہوتے تھے، چنانچہ اس خصوصیت کی یہ پہلی مثال تھی،

بدر کا میدان مسلمانون کے ہاتھ رہا، غنیم کے کم و بیش ستر آدمی مارے گئے اور تقریباً اسی قدر گرفتار ہوئے، چونکہ ان مین قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار تھے اس لیے بحث پیدا ہوئی کہ اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، رسول اللہؐ نے تمام صحابہ سے رائے لی لوگون نے مختلف رائین دین، حضرت ابو بکرؓ کی رائے ہوئی کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے، حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہیئے اور اس طرح کہ ہم مین سے ہر ایک اپنے عزیز کو آپ قتل کرے، علیؓ عقیل کی گردن مارین، اور فلان جو میرا عزیز ہے اس کا کام مین تمام کر دون،

آنحضرت صلعم کی شان رحمۃ للعالمین نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لیکر

سلہ صحیح بخاری کتاب الاذان باب بدء الاذان سلہ ابن جریر صفحہ ۱۳۰۹ و استیعاب،

چھوڑ دیا، بارگاہ الٰہی میں یہ چیز پسند نہ آئی اسپر عتاب آیا، اور یہ آیت نازل ہوئی،

ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی — کسی پیغمبر کیلیے یہ مناسب نہیں ہو کہ اس کے پاس

یثخن فی الارض الخ — قیدی ہوں جب تک وہ خونریزی نہ کرلے،

حضور انور صلعم اور حضرت ابو بکرؓ نے گریہ وزاری کی [۱]،

واقعۂ بدر کے بعد خود مدینہ کے یہودیوں سے لڑائی ہوئی اور اُن کو جلاوطن کیا گیا اسیطرح

غزوۂ سویق اور دوسرے چھوٹے چھوٹے معرکے پیش آئے سب میں حضرت عمرؓ سرگرم پیکار رہے

یہاں تک کہ شوال ۳ھ ہجری میں غزوۂ احد کا معرکہ پیش آیا، اس میں ایک طرف تو قریش کی

تعداد تین ہزار تھی جسمیں دو سو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے، ادھر غازیان اسلام کی کل تعداد

صرف سات سو تھی جسمیں سو زرہ پوش اور دو سوار تھے، ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی

آنحضرتؐ نے عبد اللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیراندازوں کے ساتھ فوج کے عقب میں متعین

کردیا تھا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں،

مسلمانوں نے غنیم کی صفیں تہ وبالا کردیں، کفار شکست کھا کر بھاگے اور غازیان

دین مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہوگئے تیراندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ختم ہوچکا اس

خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہوگئے، تیراندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ خالدؓ نے

(جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوے تھے) دفعۃً عقب سے زور شور کے ساتھ حملہ کردیا،

مسلمان چونکہ غافل تھے اس لیے اس ناگہانی ریلے کو روک نہ سکے یہاں تک کہ کفار نے خود

ذات اقدس صلعم پر یورش کردی، اور اسقدر تیروں اور پتھروں کی بارش کی کہ آپ کے

دندان مبارک شہید ہوگئے، پیشانی پر زخم آیا اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں،

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم،

اور اس کے ساتھ آپ ایک گڑھے مین گر پڑے اور لوگون کی نظرون سے چھپ گئے،

جنگ کا زور شور جب کسی قدر کم ہوا تو آنحضرت صلعم اپنے تیس فدائیون کے ساتھ پہاڑ پر تشریف لائے اسی اثنا مین خالدؓ کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس طرف بڑھتے ہوے دیکھکر فرمایا کہ خدایا یہ لوگ یہان تک نہ آنے پائین، حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھکر حملہ کیا اور اُن لوگون کو ہٹا دیا[1]،

ابوسفیان سالار قریش درہ کے قریب پہنچکر پکارا کہ اس گروہ مین محمدؐ ہین؟ آنحضرت صلعم نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے، ابوسفیان نے پھر حضرت عمرؓ اور ابوبکرؓ کا نام لیکر کہا یہ دونون اس مجمع مین ہین یا نہین؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہین دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے، حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا پکار کر کہا او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہین! ابوسفیان نے کہا اعل ہبل یعنی اے ہبل[2] بلند ہو، رسول اللہ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جواب دو، اللہ اعلیٰ واجل، یعنی خدا بلند و برتر ہے[3]،

غزوۂ احد کے بعد ۳ھ ہجری مین حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انکی صاحبزادی حضرت حفصہؓ رسول اللہ کے نکاح مین آئین ۴ھ ہجری مین بنونضیر کو اُن کی بدعہدی کے باعث مدینہ سے جلاوطن کیا گیا، اس واقعہ مین بھی حضرت عمرؓ شریک رہے، ۵ھ ہجری مین غزوۂ خندق پیش آیا، آنحضرت صلعم نے مدینہ سے باہر نکل کر خندق تیار کرائی، دس ہزار کفار نے خندق کا محاصرہ کیا، وہ لوگ کبھی کبھی خندق مین گھس کر حملہ کرتے تھے، اس لیے آنحضرت صلعم نے خندق کے اِدھر اُدھر کچھ کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ کو معین کر دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائین، ایک حصہ پر حضرت عمرؓ معین تھے، چنانچہ یہان اُن کے نام کی ایک

---

[1] طبری صفحہ ۱۴۱۱ [2] ہبل ایک بت کا نام تھا [3] بخاری کتاب المغازی غزوۂ احد،

مسجد آج بھی موجود ہی، ایک دن کافرون کے مقابلہ مین اُن کو اس قدر مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی، چنانچہ آنحضرت ؐ کے پاس آکر عرض کی کہ آج کافرون نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا، رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مین نے بھی اب تک عصر کی نماز نہین پڑھی[1]، مختصر یہ کہ کامل ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد مسلمانون کے ثبات واستقلال کے آگے کافرون کے پاؤن اکھڑ گئے اور یہ میدان بھی غازیون کے ہاتھ رہا،

سنہ ۶ ہجری مین رسول اللہؐ نے زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا اور اس خیال سے کہ کسی کو لڑائی کا شبہ نہو حکم دیا کہ کوئی ہتھیار باندھکر نہ چلے، ذوالحلیفہ پہنچکر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ دشمنون مین غیر مسلح چلنا مصلحت نہین ہے؟ چنانچہ رسول اللہؐ نے ان کی راے کے موافق مدینہ سے اسلحہ منگوا لیے، مکہ کے قریب پہنچکر معلوم ہوا کہ قریش نے عہد کرلیا ہے کہ مسلمانون کو مکہ مین قدم نہ رکھنے دین گے، چونکہ رسول اللہؐ کو لڑنا مقصود نہین تھا، اس لیے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا، قریش نے ان کو روک رکھا، اور جب کئی دن گذر گئے تو خبر مشہور ہوئی کہ وہ شہید کردیے گئے، رسول اللہؐ نے یہ خبر سنکر صحابہ سے جو تعداد مین چودہ سو تھے، ایک درخت کے نیچے جہاد پر بیعت لی، چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت مین لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے[2]

حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے ہی لڑائی کی تیاری شروع کردی تھی ہتھیار سج رہے تھے کہ خبر ملی کہ آنحضرت صلعم بیعت لے رہے ہین اسی وقت بارگاہ نبوت مین حاضر ہوے اور جہاد کے لیے دست اقدس پر بیعت کی[3]

قریش مصر تھے کہ رسول اللہ اس سال مکہ مین داخل نہین ہوسکتے، آخر بڑے رد و قدح

[1] بخاری باب مواقیت الصلاۃ [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ [3] بخاری غزوۂ حدیبیہ

کے بعد ایک معاہدہ پر طرفین رضامند ہوگئے، اس معاہدہ مین ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہؐ کے ہان چلا جائے تو اُس کو قریش کے پاس واپس کردیا جائے گا لیکن اگر مسلمانون کا کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو اُن کو نہ واپس کرنے کا اختیار ہوگا، حضرت عمرؓ کی غیور طبیعت اس شرط سے نہایت مضطرب ہوئی، اور خود سرورِ کائنات ؐ کے دربار مین حاضر ہوکر دریافت کیا کہ جب ہم حق پر ہین تو باطل سے اسقدر دب کر کیون صلح کرتے ہین، آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ مین خدا کا پیغمبر ہون اور خدا کے حکم کے خلاف نہین کرتا، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خدمت مین بھی یہی گفتگو کی اور انھون نے بھی یہی جواب دیا بعد کو حضرت عمرؓ کو اپنی اس گفتگو پر ندامت ہوئی اور اُس کے کفارے مین کچھ خیرات کی[1]

غرض معاہدۂ صلح لکھا گیا، حضرت عمرؓ نے بھی اس پر اپنے دستخط ثبت کیے[2]، رسول اللہؐ نے مدینہ کا قصد کیا، راہ مین سورۂ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً نازل ہوئی، حضرت عمرؓ کو بلاکر سنایا اور کہا کہ آج ایسی سورہ نازل ہوئی ہے، جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزون سے زیادہ محبوب ہے[3]،

سنہ ہجری مین واقعۂ خیبر پیش آیا، یہودیون نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنالیے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا، پہلے حضرت ابوبکرؓ سپہ سالار ہوئے، اُن کے بعد حضرت عمرؓ اس خدمت پر مامور ہوئے، لیکن یہ فخر تو حضرت علیؓ کے لیے مقدر ہوچکا تھا، اُن کو کس طرح کامیابی ہوتی، غرض حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مرحب مارا گیا اور خیبر فتح ہوگیا، آنحضرت ؐ نے خیبر کی زمین مجاہدون کو تقسیم کردی، چنانچہ ایک ٹکڑا ثمغ نامی حضرت عمرؓ کے حصہ مین آیا، انھون نے اسکو راہِ خدا مین وقف کردیا[4]، اور اسلام کی تاریخ مین یہ پہلا وقف تھا جو عمل مین آیا،

---

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب [2] صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ فتح، [3] صحیح بخاری کتاب الوصایا [4] فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۳۰۱،

قریش نے معاہدۂ حدیبیہ کو توڑ دیا ابوسفیان نے پیش بندی کے خیال سے مدینہ آکر عذر خواہی کی رسول اللہؐ خاموش رہے پھر وہ اُٹھ کر حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ آپ اس معاملہ کو طے کرا دیجئے حضرت عمرؓ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہوگیا، غرض نقضِ عہد کے باعث آنحضرت صلعم نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رمضان ۸ھ میں مکہ پر حملہ کیا اور نہایت جاہ و جلال کے ساتھ فاتحانہ داخل ہوئے اور بابِ کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی جو تاریخوں میں بعینہ مذکور ہے پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لیکر مقامِ صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کیلئے تشریف لائے لوگ جوق جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے، حضرت عمرؓ آنحضرت صلعم سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے، جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرتؐ بیگانہ عورتوں کے ہاتھ کو مس نہیں کرتے تھے اس لیے حضرت عمرؓ کو اشارہ کیا کہ تم ان سے بیعت لو چنانچہ تمام عورتوں نے انھیں کے ہاتھ پر آنحضرتؐ سے بیعت کی،

فتح مکہ کے بعد اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے، حضرت عمرؓ اس جنگ میں بھی نہایت ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ شریک کارزار رہے، پھر ۹ھ ہجری میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصرِ روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے چنانچہ آنحضرتؐ نے تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی تیاریوں کیلیے زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی، اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں حضرت عمرؓ نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے نصف لاکر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا[1] غرض اسلحہ اور سامانِ رسد مہیا ہو جانے کے بعد مجاہدین نے مقام تبوک کا رُخ کیا، یہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی اس لیے چند روز قیام کے بعد سب لوگ واپس آگئے،

[1] ترمذی فضائل ابی بکر لیکن ترمذی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر یہ رقم پیش کی تھی البتہ سیر و تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے

سنہ ۱۰ھ مین آنحضرت صلعم حجۃ الوداع کیلیے تشریف لے گئے، حضرت عمرؓ بھی ہمرکاب تھے، اس حج سے واپس آنے کے بعد ابتدا ماہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ مین حضور انور بیمار ہو گئے اور دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت آپکا وصال ہوگیا، عام روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے از خود رفتہ ہوکر مسجد نبویؐ مین اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت صلعم نے وفات پائی اُس کو قتل کرڈالون گا، شاید اس مین یہ بھی مصلحت ہو کہ منافقین کو فتنہ پردازی کا موقع نہ ملے، تاہم فتنہ سقیفہ بنی ساعدہ کھڑا ہی ہوگیا، اگر حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ وقت پر پہونچکر اپنے ناخن عقل سے اس گتھی کو نہ سلجھاتے تو کیا عجب تھا کہ یہی فتنہ شمع اسلام کو ہمیشہ کے لیے گل کر دیتا، لیکن انصار کے ساتھ بہت بحث ومباحثہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور اس کے بعد اور لوگون نے بیعت کی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت صرف سوا دو برس رہی اُن کے عہد مین جسقدر بڑے بڑے کام انجام پائے سب مین حضرت عمرؓ شریک رہے قرآن شریف کی ترتیب کا کام خاص ان کے مشورہ اور اصرار سے عمل مین آیا[1] غرض حضرت ابوبکرؓ کو اپنے عہد خلافت مین تجربہ ہوگیا تھا کہ منصب خلافت کیلیے عمر فاروقؓ سے زیادہ کوئی شخص موزون نہین ہوسکتا چنانچہ انھون نے وفات کے قریب اکابر صحابہ سے مشورہ لیکر اُن کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا اور بلاکر مفید اور موثر نصیحتین کین جو حضرت عمرؓ کیلیے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئین،

---

[1] بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ و بخاری کتاب ابواب فضائل القرآن، باب جمع القرآن

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ترسٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الثانی دوشنبہ کے روز وفات پائی اور حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے خلیفۂ سابق کے عہد میں مدعیان نبوت، مرتدین عرب اور منکرین زکوٰۃ کا خاتمہ ہوکر فتوحات ملکی کا آغاز ہوچکا تھا، یعنی سنہ ۱۲ ہجری میں عراق پر لشکر کشی ہوئی، اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہوگئے اسیطرح سنہ ۱۳ ہجری میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں پھیل گئیں ان مہمات کا آغاز ہی تھا کہ خلیفۂ وقت نے انتقال کیا، حضرت عمرؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تو ان کا سب سے اہم فرض انہی مہمات کو تکمیل تک پہنچانا تھا،

فتوحاتِ عراق | سیرت صدیقؓ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہوچکا ہے کہ عراق پر حملہ کے کیا وجوہ واسباب تھے اور کس طرح اُس کی ابتدا ہوئی اس لیے یہاں سلسلہ کیلیے مختصراً اسقدر جان لینا چاہیئے کہ خالد بن ولیدؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے بانقیا، کسکر اور حیرہ کے اضلاع کو فتح کرلیا تھا کہ اسی اثنا میں مثنیٰ بن حارثہ کو اپنا جانشین کرکے مہم شام کی اعانت کے لیے حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے انکو جانا پڑا، حضرت خالد بن ولیدؓ کا جانا تھا کہ عراق کی فتوحات دفعۃً رُک گئیں،

حضرت عمرؓ مسند نشینِ خلافت ہوئے تو سب سے پہلے مہم عراق کی طرف متوجہ ہوئے، بیعتِ خلافت کیلیے اطراف ودیار سے بےشمار آدمی آئے تھے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مجمع عام میں جہاد کا وعظ کہا لیکن چونکہ عام خیال تھا کہ عراق حکومتِ فارس کا پایۂ تخت ہے اور اُس کا

فتح ہونا نہایت دشوار ہے' اس لیے ہر طرف سے صدائے برخاست کا معاملہ رہا حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کہا لیکن کچھ اثر نہوا، آخر چوتھے دن ایسی پُرجوش تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے، مثنیٰ شیبانی نے کہا کہ مسلمانو! مین نے مجوسیون کو آزما لیا ہے' وہ مرد میدان نہین ہین ہم نے عراق کے بڑے بڑے اضلاع فتح کر لیے ہین اور عجمی اب ہمارا لوہا مان گئے ہین اسیطرح قبیلۂ ثقیف کے سردار ابو عبید ثقفی نے جوش مین آکر کہا "انا لهذا" یعنی اسس کیلیئے مین ہون! ابو عبید کی سعیت نے تمام حاضرین کو گرما دیا اور ہر طرف سے غلغلہ اُٹھا کہ ہم بھی حاضر ہین، حضرت عمرؓ نے مدینہ اور اُسکے مضافات سے ایک ہزار اور دوسری روایت کے مطابق پانچ ہزار آدمی انتخاب کیے اور ابو عبید کو سپہ سالار مقرر کرکے روانہ کیا،

حضرت ابو بکرؓ کے عہد مین عراق پر جو حملہ ہوا اُس نے ایرانیون کو بیدار کر دیا تھا چنانچہ پوران دخت نے جو صغیر السن یزدگرد شاہ ایران کی نائب تھی فرخ زاد گورنر خراسان کے بیٹے رستم کو جو نہایت شجاع اور مدبر تھا دربار مین طلب کرکے وزیر جنگ بنایا اور تمام اہل فارس کو اتحاد و اتفاق پر آمادہ کیا، نیز مذہبی حمیت کا جوش دلا کر نئی روح پیدا کر دی، اسطرح دولت کیانی نے پھر وہی قوت پیدا کر لی جو ہرمز و پرویز کے زمانہ مین اُس کو حاصل تھی،

رستم نے ابو عبید کے پہونچنے سے پہلے ہی اضلاع فرات مین غدر کرا دیا اور جو مقامات مسلمانون کے قبضہ مین آچکے تھے وہ اُن کے قبضہ سے نکل گئے، پوران دخت نے ایک اور زبردست فوج رستم کی اعانت کیلیئے تیار کی اور نرسی وجابان کو سپہ سالار مقرر کیا، یہ دونون دو راستون سے روانہ ہوئے، جابان کی فوج نمارق پہنچکر ابو عبید کی فوج سے برسر پیکار ہوئی اور بڑی طرح شکست کھا کر بھاگی، ایرانی فوج کے مشہور افسر جوشن شاہ اور مردان شاہ مارے گئے جابان گرفتار ہوا، مگر اس حیلے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اُسکو گرفتار کیا تھا وہ پہچانتا نہ تھا جابان نے

اس سے کہا کہ بڑھاپے میں میں تمھارے کس کام کا ہون معاوضے مین مجھ سے دو غلام لو اور مجھے چھوڑ دو، اس نے منظور کیا، بعد کو معلوم ہوا کہ یہ جابان تھا لوگون نے غل مچایا کہ ایسے دشمن کو چھوڑنا نہین چاہیئے لیکن ابو عبید نے کہا کہ اسلام مین بدعہدی جائز نہین۔

ابو عبید نے جابان کو شکست دینے کے بعد سقاطیہ مین نرسی کی فوج گران سے مقابلہ کیا اور شکست دی اس کا اثر یہ ہوا کہ قرب و جوار کے تمام رؤسا خود بخود مطیع ہوگئے، نرسی و جابان کی ہزیمت سُن کر رستم نے مردان شاہ کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ ابو عبید کے مقابلہ مین روانہ کیا، ابو عبید نے باوجود افسران فوج کے شدید اختلاف کے فرات سے پار اتر کر غنیم سے نبرد آزمائی کی، چونکہ پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا، نیز عربی رسالہ ورون کے لیے ایران کے کوہ پیکر ہاتھیون سے یہ پہلا مقابلہ تھا اس لیے مسلمانون کو سخت ہزیمت ہوئی اور نو ہزار فوج مین سے صرف تین ہزار باقی بچی۔

حضرت عمرؓ کو اس شکست نے نہایت برافروختہ کیا انھون نے اپنے پُرجوش خطبون سے تمام قبائل عرب مین آگ لگادی عام جوش کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ نمر و تغلب کے سردارون نے جو مذہباً عیسائی تھے اپنے قبائل کے مسلمانون کے ساتھ شرکت کی اور کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس قومی معرکہ مین ہم بھی قوم کے ساتھ ہین غرض حضرت عمرؓ نے ایک فوج گران کے ساتھ جریر بجلی کو میدان رزم کی طرف روانہ کیا یہان مثنیٰ نے بھی سرحد کے عربی قبائل کو جوش دلا کر ایک زبردست فوج تیار کرلی تھی۔

پوران دخت نے ان تیاریون کا حال سُن کر فوج خاصہ مین سے بارہ ہزار جنگ آزما بہادر منتخب کرکے مہران ابن مہرویہ کے ساتھ مجاہدین کے مقابلہ کے لیے روانہ کیے، حیرہ کے قریب دونون حریف صف آرا ہوئے، ایک شدید جنگ کے بعد عجمیون مین بھاگڑ پڑگئی مہران

بنی تغلب کے ایک نوجوان کے ہاتھ سے مارا گیا، مثنیٰ نے پل کا راستہ روک دیا اور اسقدر آدمیوں کو تہ تیغ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے، اس فتح کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقوں میں پھیل گئے،

حیرہ سے کچھ فاصلہ پر جہاں آج بغداد آباد ہے، وہاں اسی زمانہ میں بہت بڑا بازار لگتا تھا، مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا، بازاری جان بچا کر بھاگ گئے اور بیشمار دولت مسلمانوں کے ہات آئی، اسطرح قرب وجوار کے مقامات میں مسلمانوں کی پیشقدمی شروع ہوگئی، سورا، کسکر، صراۃ اور فلالیج وغیرہ پر اسلامی پھریرا لہرانے لگا، پایہ تخت ایران میں یہ خبریں پہنچیں تو ایرانی قوم میں ایک زبردست انقلاب کا خیال پیدا ہوگیا، پوران دخت معزول کی گئی، یزدگرد جو سولہ سال کا نوجوان اور خاندان کیانی کا تنہا وارث تھا تختِ سلطنت پر بٹھایا گیا، اعیان واکابرِ ملک نے باہم متفق ومتحد ہوکر کام کرنے کا ارادہ کیا، تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیاں مستحکم کردی گئیں، اسی کے ساتھ کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بغاوت پھیلائی جائے، ان انتظامات سے سلطنتِ ایران میں نئی جان پیدا ہوگئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے،

مثنیٰ مجبور ہوکر عرب کی سرحد میں ہٹ آئے، اور ربیعہ ومضر کے قبائل کو جو اطرافِ عراق میں پھیلے ہوے تھے ایک تاریخ معین تک علم اسلامی کے نیچے جمع ہونے کے لیے طلب کیا، نیز دربارِ خلافت کو اہل فارس کی تیاریوں سے مفصل طور پر مطلع کیا،

حضرت عمرؓ نے ایرانیوں کی تیاری کا حال سن کر حضرت سعد بن وقاصؓ کو جو بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے ماموں تھے بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مہم عراق کی کمین

سلہ بروایت ابو حنیفہ دینوری طبری نے ۲۱ سال عمر بیان کی ہے،

مامور کیا، اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس مین تقریباً ستر وہ صحابی تھے جو سرور کائنات ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر مین جوہر شجاعت دکھا چکے تھے، تین سو وہ جو بیعۃ الرضوان مین شریک تھے، نیز اسی قدر وہ بزرگ تھے جو فتح مکہ مین موجود تھے اور سات سو ایسے تھے جو خود صحابی نہ تھے لیکن اُن کی اولاد ہونے کا فخر رکھتے تھے،

حضرت سعد بن وقاص رضؓ نے شراف پہنچکر پڑاؤ کیا، مثنیٰ آٹھ ہزار آدمیون کے ساتھ مقام ذی قار مین اس عظیم الشان کمک کا انتظار کر رہے تھے، لیکن اسی اثنا مین اُنکا انتقال ہوگیا، اس لیے اُن کے بھائی معنیٰ شراف آکر حضرت سعد وقاص رضؓ سے ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیے تھے اُن سے بیان کیے،

حضرت عمر رضؓ نے ایام جاہلیت مین نواحِ عراق کی سیاحت کی تھی اور وہ اس زمین کے چپہ چپہ سے واقف تھے، اس لیے اُنھون نے خاص طور پر ہدایت کردی تھی کہ فوج کا جہان پڑاؤ ہو وہان کے مفصل حالات لکھکر آئین، سعد بن وقاص رضؓ نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ، فرودگاہ کی حالت اور رسد کی کیفیت سے اُن کو اطلاع دی، اسکے جواب مین دربارِ خلافت سے ایک مفصل فرمان آیا، جسمین فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بند و بست، لشکر کی ترتیب اور فوج کی تقسیم کے متعلق مفصل ہدایتین درج تھین، اسی کے ساتھ حکم دیا گیا کہ شراف سے بڑھکر قادسیہ کو میدانِ کارزار قرار دین اور اسطرح مورچے جمائین کہ فارس کی زمین سامنے ہو اور عرب کا پہاڑ محافظت کا کام دے،

حضرت سعد رضؓ نے دربارِ خلافت کی ہدایت کے مطابق شراف سے بڑھکر قادسیہ مین اپنا مورچہ جمایا اور نعمان بن مقرن کے ساتھ چودہ نامور اشخاص کو منتخب کرکے دربارِ ایران مین سفیر بناکر بھیجا کہ شاہِ ایران اور اُس کے رفقا کو اسلام کی ترغیب دین لیکن جو لوگ دولت و

حکومت کے نشہ میں مخمور تھے وہ خانہ بدوش عرب اور اُن کے مذہب کو کب خاطر میں لاتے تھے، سفارت گئی اور ناکام واپس آئی،

اس واقعہ کے بعد کئی ماہ تک دونوں طرف سے سکوت رہا، رستم ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ ساباط میں پڑا تھا، اور یزدگرد کی تاکید کے باوجود جنگ سے جی چرا رہا تھا ادھر مسلمان آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کیلیے مویشی وغیرہ حاصل کرلاتے تھے، اس حالت نے طول کھینچا تو مجبور ہو کر رستم کو مقابلہ کیلیے بڑھنا پڑا، اور ایرانی فوجیں ساباط سے نکل کر قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئیں،

رستم قادسیہ پہونچکر بھی جنگ کو ٹالنے کی کوشش کرتا رہا اور اس نے مدتوں سفراء کی آمد ورفت اور نامہ وپیام کا سلسلہ جاری رکھا لیکن مسلمانوں کا آخری اور قطعی جواب یہ تھا کہ اگر اسلام یا جزیہ منظور نہیں ہے تو تلوار سے فیصلہ ہوگا، رستم جب مصالحت کی تمام تدبیروں سے مایوس ہوگیا تو سخت برہم ہوا اور اُس نے قسم کھا کر کہا "آفتاب کی قسم اب تمام عرب کو ویران کردونگا"

قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ — غرض رستم نے غضبناک ہو کر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا اور خود تمام رات جنگی تیاریوں میں مصروف رہا، صبح کے وقت قادسیہ کا میدان عجمی سپاہیوں سے آدمیوں کا جنگل نظر آنے لگا جسکے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کے کالے کالے پہاڑ عجیب خوفناک سماں پیدا کررہے تھے، دوسری طرف مجاہدین اسلام کا لشکر جرار صف بستہ کھڑا تھا، اللہ اکبر کے نعروں میں جنگ شروع ہوئی، دن بھر ہنگامہ محشر برپا رہا، شام کو جب بالکل تاریکی چھاگئی تو دونوں حریف اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے، قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اس کو یوم الارماث کہتے ہیں،

قادسیہ کی دوسری جنگ معرکۂ اغواث کے نام سے مشہور ہے، شام کی چھ ہزار فوج عین معرکہ کے وقت پہونچی، حضرت عمرؓ کے قاصد بھی جن کے ساتھ بیش قیمت تحائف تھے عین جنگ کے وقت پہونچے اور پکار کر کہا امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگون کیلیے بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کرین" اُس نے مسلمانون کے جوش وخروش کو اور بھی بھڑکا دیا تمام دن جنگ ہوتی رہی مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول ومجروح ہوے لیکن فتح وشکست کا کچھ فیصلہ نہوا،

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے، اسمین مسلمانون نے سب سے پہلے کوہ پیکر ہاتھیون سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی کیونکہ ایرانیون کے مقابلہ مین مجاہدین اسلام کو ہمیشہ اس کالی آندھی سے زیادہ نقصان پہونچتا تھا، اگرچہ قعقاعؓ نے اونٹون پر سیاہ جھول ڈالکر ہاتھی کا جواب ایجاد کر لیا تھا تاہم یہ کالے دیو جسطرف جھک پڑتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ضخم وسلم وغیرہ پارسی نومسلمون سے اس بلائے سیاہ کے متعلق مشورہ طلب کیا اُنھون نے کہا کہ ان کی آنکھین اور سونڈ بیکار کر دی جائین سعدؓ نے قعقاعؓ حمال اور ربیع کو اس خدمت پر مامور کیا ان لوگون نے ہاتھیون کو نرغے مین کر لیا اور برچھے مارکر ان کی آنکھین بیکار کردین، قعقاعؓ نے آگے بڑھ کر فیل سفید کی سونڈ پر تلوار ماری کہ مستک الگ ہوگئی، ہاتھی جھرجھری لیکر بھاگا اس کا بھاگنا تھا کہ تمام ہاتھی اُسکے پیچھے ہولیے، اس طرح دم کے دم مین یہ سیاہ بادل چھٹ گیا،

اب بہادرون کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا، دن بھر ہنگامہ کارزار گرم رہا، رات کے وقت بھی اس کا سلسلہ جاری رہا، اور اس زور کا رن پڑا کہ نعرون کی گرج سے زمین دہل اُٹھتی تھی، اسی مناسبت سے اس رات کو لیلۃ الہریر کہتے ہین، رستم پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا، لیکن جب زخمون سے چور چور ہوگیا تو بھاگ نکلا اور ایک نہر مین کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے

ہلال نام ایک سپاہی نے تعاقب کیا اور ٹانگین پکڑ کر نہر سے باہر کھینچ لایا پھر تلوار سے کام تمام کر دیا،
رستم کی زندگی کے ساتھ سلطنت ایران کی قسمت کا بھی فیصلہ ہوگیا ایرانی سپاہیون کے پانون اُکھڑ گئے،
مسلمانون نے دور تک تعاقب کر کے ہزارون لاشین میدان مین بچھا دین،

قادسیہ کے معرکون نے خاندان کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا اور فش کا دیانی ہمیشہ کے لیے سرنگون ہوگیا اور اسلامی علم نہایت شان وشوکت کے ساتھ ایران کی سرزمین پر لہرانے لگا، مسلمانون نے قادسیہ سے بڑھ کر آسانی کے ساتھ بابل، کوثی، بہرہ شیر اور خود نوشیروانی دار الحکومت مدائن پر قبضہ کر لیا ایرانیون نے مدائن سے نکل کر جلولا کو اپنا فوجی مرکز قرار دیا اور رستم کے بھائی خرزاد نے اپنے حسن تدبیر سے ایک بڑی زبردست فوج جمع کر لی، سعد نے ہاشم بن عتبہ کو جلولا کی تسخیر پر مامور کیا، جلولا چونکہ نہایت مستحکم مقام تھا، اس لیے مہینون کے محاصرے کے بعد مفتوح ہوا، یہان سے قعقاع کی سرکردگی مین ایک جمعیت حلوان کی طرف بڑھی، اور خسرو شنوم کو شکست دیکر شہر پر قابض ہوگئی،

قعقاع نے حلوان مین قیام کیا اور عام منادی کر دی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کر لینگے وہ مامون و مصئون رہین گے، چنانچہ بہت سے امرا اور رؤسا برضا و رغبت اس منادی پر اسلام کی حمایت مین آگئے، یہ عراق کی آخری فتح تھی کیونکہ یہان اُسکی حد ختم ہوجاتی ہے،

تسخیر عراق کے بعد حضرت عمرؓ کی دلی خواہش تھی کہ جنگ کا سلسلہ منقطع ہوجائے چنانچہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھکر جا سکتے، لیکن ایرانیون کو عراق نکل جانے کے بعد کسی طرح چین نہین آتا تھا، چنانچہ یزدگرد نے معرکۂ جلولا کے بعد مرو مین اقامت اختیار کر کے نئے سرے سے حکومت کے ٹھاٹھ لگائے اور تمام ملک مین فرامین و نقیب بھیجکر لوگون کو عربون کی مقاومت پر آمادہ کیا،

یزدگرد کے فرامین سے تمام ملک میں آگ لگا دی اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کا ٹڈی دل قم میں آکر مجتمع ہوا، یزدگرد نے مردان شاہ کو سرلشکر مقرر کرکے نہاوند کی طرف روانہ کیا، اس معرکہ میں درفش کاویانی جسکو عجم نہایت متبرک سمجھتے تھے فال نیک کے خیال سے نکالا گیا، چنانچہ مردان شاہ روانہ ہوا تو یہ مبارک پھریرا اُس پر سایہ کرتا جاتا تھا،

حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس ایرانی طوفان کو آگے بڑھ کر روکنے کا حکم دیا، نہاوند کے قریب دونوں فوجیں سرگرم پیکار ہوئیں اور اس زور کارن پڑا کہ قادسیہ کے بعد ایسی خونریز جنگ کوئی نہیں ہوئی تھی، یہانتک کہ اس جنگ میں خود اسلامی سپہ سالار نعمان شہید ہوگئے، اُن کے بھائی نعیم بن مقرن نے علم ہاتھ میں لیکر بدستور جنگ کو جاری رکھا، رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے، مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا، اس لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی کھیت رہے، نتائج کے لحاظ سے مسلمانوں نے اس کا نام فتح الفتوح رکھا، فیروز جسکے ہاتھ سے حضرت عمرؓ کی شہادت مقدر تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا،

عام لشکر کشی | واقعۂ نہاوند کے بعد حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ جب تک تخت کیانی کا وارث ایران کی سرزمین میں موجود ہے، بغاوت اور جنگ کا فتنہ فرد نہ ہوگا، اس بنا پر عام لشکر کشی کا ارادہ کیا اور اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کرکے مشہور افسروں کو خاص خاص ممالک پر مامور کیا، چنانچہ ۲۱ھ ہجری میں یہ سب غازیان اسلام اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہوگئے، اور نہایت جوش وخروش سے حملہ کرکے تمام ملک کو اسلام کا زیرنگین کردیا، یعنی صرف ڈیڑھ دو برس کے عرصہ میں کسریٰ کی حکومت دنیا سے نیست و نابود ہوگئی،

خاندان کیانی کا آخری تاجدار ایران سے بھاگ کر خاقان کے دربار میں پہونچا، خاقان نے اس کی بڑی عزت وتوقیر کی اور ایک فوج گران کے ساتھ یزدگرد کو ہمراہ لیکر خراسان کیطرف

بڑھا اور خاقان نے احنف بن قیس کے مقابلہ مین صف آرائی کی لیکن صفائی کے دو ہی ہاتھ نے اُسکے عزم واستقلال کو متزلزل کردیا اور اُس کے ذہن نشین ہوگیا کہ ایسے بہادرون کو چھیڑنا مصلحت نہین چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دیکر اپنے حدود مین واپس چلاگیا،

یزدگرد کو خاقان کے واپس جانے کی خبر ملی تو مایوس ہوکر خزانہ اور جواہرات ساتھ لیا اور ترکستان کا عزم کیا، درباریون نے دیکھا کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے روکا اور جب اس نے نہ مانا تو برسر مقابلہ آکر تمام مال واسباب ایک ایک کرکے چھین لیا، یزدگرد بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا اور خدا کی نافرمانی کے باعث مدتون فرغانہ کی گلیون مین خاک چھانتا رہا،

اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشآء — ترجمہ: خدایا تو ہی ملکون کا مالک ہے جسکو چاہتا ہے ملک دیتا ہے

وتنزع الملک ممن تشآء و تعز من تشآء — جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے جسکو چاہتا ہے عزت دیتا ہے

وتذل من تشآء بیدک الخیر — جسکو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے ساری بھلائیان تیرے ہی ہاتھ مین ہین

احنف نے بارگاہِ خلافت مین نامۂ فتح روانہ کیا تو حضرت فاروق رضؓ نے تمام آدمیون کو جمع کرکے یہ مژدۂ جانفزا سنایا اور ایک موثر تقریر کی آخرین فرمایا کہ آج مجوسیون کی سلطنت برباد ہوگئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح نقصان نہین پہنچا سکتے، لیکن اگر تم بھی صراطِ مستقیم پر قائم نہ رہے تو خدا تمسے بھی حکومت چھین کر دوسرون کو دیدے گا"

فتوحاتِ شام

ممالک شام مین سے اجنادین، بصری اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مقامات عہد صدیقی مین فتح ہوچکے تھے حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوے تو دمشق محاصرہ کی حالت مین تھا، خالد سیف اللہؓ نے رجب ۱۴ھ مین اپنے خاص حسن تدبیر سے اس کو مسخر کیا،

رومی دمشق کی شکست سے سخت برہم ہوئے اور ہر طرف سے فوجین جمع کرکے مقام بیسان مین مسلمانون کے مقابلہ کیلئے جمع ہوئے، مسلمانون نے اُن کے سامنے فحل مین پڑاؤ ڈالا عیسائیون کی درخواست پر معاذ بن جبل سفیر بنکر گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی، آخر کار ذوقعدہ ۱۴ھ مین فحل کے میدان مین نہایت خوفناک معرکے پیش آئے، خصوصاً آخری معرکہ نہایت سخت تھا، لیکن میدان مسلمانون کے ہاتھ رہا[1] غنیم کے پاؤن اُکھڑ گئے اور مسلمان ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات پر قابض ہوگئے، رعایا ذمی قرار دی گئی اور ہر جگہ اعلان کر دیا گیا کہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات، گرجے، عبادت گاہین سب محفوظ رہین گی،

دمشق اور اردن مفتوح ہوجانے کے بعد مسلمانون نے حمص کا رُخ کیا، راہ مین بعلبک حماۃ، شیرز اور معرۃ النعمان فتح کرتے ہوئے حمص پہونچے اور اس کا محاصرہ کرلیا، حمص والون نے ایک مدت تک مدافعت کرنے کے بعد مصالحت کرلی، ابو عبیدہ سپہ سالار اعظم نے عبادہ بن صامت کو وہان متعین کرکے لاذقیہ کا رُخ کیا اور ایک خاص تدبیر سے اُس کے مستحکم قلعون پر قبضہ کرلیا،

حمص کی فتح کے بعد اسلامی فوجون نے خاص ہرقل کے پایۂ تخت انطاکیہ کا رُخ کیا، لیکن بارگاہ خلافت سے حکم پہونچا کہ اس سال آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے، اس لیے فوجین واپس آگئین[2]،

میدان یرموک اور شام کی قسمت کا فیصلہ

دمشق، حمص، اور لاذقیہ کی مہم اور متواتر ہزیمتون نے قیصر کو سخت برہم کیا اور وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ مسلمانون کے مقابلہ مین اپنی شہنشاہی کا

[1] طبری ص ۲۱۵۰ [2] فتوح الشام ازدی صفحہ ۱۳۰،

پورا زور صرف کرنے پر آمادہ ہوا، چنانچہ اس کی کوشش سے انطاکیہ مین فوجون کا ایک طوفان اُمنڈ آیا،

حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے اس طوفان کو روکنے کیلیے افسرون سے مشورہ لیکر تمام ممالک مفتوحہ کو خالی کر کے دمشق مین اپنی قوت مجتمع کی اور ذمیون سے جو کچھ جزیہ وصول کیا گیا تھا سب واپس کر دیا گیا کیونکہ اب مسلمان اُن کی حفاظت سے مجبور تھے [1] اس واقعہ کا عیسائیون اور یہودیون پر اسقدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے تھے کہ خدا تم کو جلد واپس لائے،

حضرت عمر رضؓ کو مسلمانون کے مفتوحہ مقامات سے ہٹ کر چلے آنے کی خبر ملی تو پہلے بہت رنجیدہ ہوئے لیکن جب معلوم ہوا کہ تمام افسرون کی یہی رائے تھی تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ خدا کی اسی مین مصلحت ہوگی، سعید بن عامر کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدد کیلیے روانہ کیا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف مین جا کر زبانی یہ پیغام پہونچانا،

"الا عمر[2] یقرئک السلام و یقول لکم یا اہل الاسلام اصدقوا اللقاء و شدوا علیہم شد اللیوث و لیکونوا اھون علیکم من الذر فانا قد علمنا انکم علیہم منصورون"

اردن کے حدود مین یرموک کا میدان ضروریات جنگ کے لحاظ سے نہایت باموقع تھا اس لیے اس عظیم الشان کارزار کے لیے اسی میدان کو منتخب کیا گیا، رومیون کی تعداد دو لاکھ تھی اُس کے مقابلہ مین مسلمانون کی تعداد صرف تیس بتیس ہزار تھی لیکن سب کے سب

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۸۱،

[2] ترجمہ، اے برادران اسلام! عمر نے بعد سلام کے تمکو یہ پیغام دیا ہے کہ پوری سرگرمی کیساتھ جنگ کرو، اور دشمنون پر شیرون کیطرح حملہ آور ہو، اور تمکو چیونٹیون سے زیادہ حقیر معلوم ہون، ہمکو یقین کامل ہے کہ خدا کی نصرت تمھارے ساتھ ہے اور آخر فتح تمھاری ہی آتی ہے،

یگانۂ روزگار تھے، اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ تقریباً ایک ہزار ایسے بزرگ تھے جنہون نے رسول اللہ کا جمال مبارک دیکھا تھا اور سو وہ تھے جو غزوۂ بدر مین حضور خیر الانام کے ہمرکاب رہ چکے تھے اسیطرح دوسرے مجاہدین بھی ایسے قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی شجاعت اور سپہگری مین نظیر نہین رکھتے تھے،

یرموک کا پہلا معرکہ بے نتیجہ رہا، پانچوین رجب ۱۵ھ کو دوسرا معرکہ پیش آیا، رومیون کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیون نے پانون مین بیڑیان پہن لی تھین کہ بھاگنے کا خیال تک نہ آئے ہزارون پادری اور بشپ ہاتھون مین صلیب لیے آگے آگے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کا نام لے لیکر جوش دلاتے تھے، غرض رومیون نے بڑے جوش سے حملہ کیا، لیکن انجام کار مسلمانون کی ثابت قدمی اور پامردی کے آگے اُن کے پانون اُکھڑ گئے، تقریباً ایک لاکھ عیسائی کھیت رہے، مسلمانون کی طرف تین ہزار کا نقصان ہوا، قیصر کو اس ہزیمت کی خبر ملی تو حسرت و افسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہکر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوگیا،[۱]

حضرت عمرؓ نے مژدۂ فتح سنا تو اسی وقت سجدہ مین گر کر خدا کا شکر ادا کیا،

فتح یرموک کے بعد اسلامی فوجین تمام اطراف ملک مین پھیل گئین اور قنسرین، انطاکیہ، جومہ، سرمین، تیزین، قورس، تل عزاز، دلوک، رعبان وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہوگئے،

بیت المقدس فلسطین کی مہم پر حضرت عمرو بن العاصؓ مامور ہوے تھے اُنھون نے نابلس، لد، عمواس، بیت جبرین وغیرہ بڑے بڑے شہرون پر قبضہ کر کے ۱۶ھ مین بیت المقدس کا محاصرہ کیا، اس اثنا مین حضرت ابو عبیدہؓ بھی اپنے مہمات سے فارغ ہو کر شریک ہوگئے، بیت المقدس کے

---

[۱] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۳، واقعات کی تفصیل ازدی سے ماخوذ ہے،

عیسائیوں نے کچھ دنوں کی مدافعت کے بعد مصالحت پر آمادگی ظاہر کی اور مزید اطمینان کیلئے خواہش ظاہر کی کہ خود امیرالمومنین یہاں آئیں اور اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں لیکن حضرت عمرؓ کو خبر دی گئی تو انھوں نے اکابر صحابہ سے مشورہ کرکے حضرت علیؓ کو نائب مقرر کیا اور رجب ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوگئے۔[1]

بیت المقدس کا سفر حضرت عمرؓ نہایت سادگی کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر جابیہ پہونچے یہاں افسروں نے استقبال کیا اور دیر تک قیام کرکے بیت المقدس کا معاہدہ صلح ترتیب دیا، پھر وہاں سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے پہلے مسجد تشریف لے گئے پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی، نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کی اجازت دی، لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آیندہ نسلیں اس کو حجت قرار دے کر مسیحی معبد میں دست اندازی نکریں باہر نکل کر نماز پڑھی[2]

بیت المقدس سے واپسی کے وقت حضرت عمرؓ نے تمام ملک کا دورہ کیا، سرحدوں کا معاینہ کرکے ملک کی حفاظت کا انتظام کیا اور بخیر و خوبی مدینہ تشریف لائے،

متفرق معرکے اور فتوحات بیت المقدس کی فتح کے بعد بھی متفرق معرکے پیش آئے اہل جزیرہ کی مستعدی اور ہرقل کی اعانت سے عیسائیوں نے دوبارہ حمص پر کوشش صرف کی لیکن ناکام رہے، فلسطین کے اضلاع میں سے قیساریہ نہایت آباد اور پر رونق شہر تھا، سنہ ۱۳ ہجری میں عمرو بن العاصؓ نے چڑھائی کی اور اسکے بعد سنہ ۱۵ھ تک متواتر حملوں کے باوجود فتح نہو سکا، آخر سنہ ۱۵ھ کے اخیر میں امیر معاویہؓ نے ایک یہودی کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کرلیا اور شہر پر اسلامی پرچم لہرانے لگا، جزیرہ پر سنہ ۱۷ھ میں عبداللہ بن المعتم نے فوج کشی کی،

[1] طبری ۲۴۰۲ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۲

تکریت کا ایک مہینہ تک محاصرہ رہا، چوبیس دفعہ حملے ہوئے آخر کار حسن تدبیر سے سخر ہو گیا، باقی علاقون کو عیاض بن غنم نے فتح کیا، اسی طرح سنہ ۱۶ھ مین مغیرہ بن شعبہ نے خوزستان پر حملہ کیا، سنہ ۱۷ھ مین وہ معزول ہوئے اور اُن کی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے، انھون نے نئے سرو سامان سے حملہ کیا اور راہواز، مناذر، سوس، رامہرز کو فتح کرتے ہوئے خوزستان کے صدر مقام شوستر کا رُخ کیا، یہ نہایت مستحکم اور قلعبند مقام تھا، لیکن ایک شخص کی رہنمائی سے مسلمانون نے تہ خانہ کی راہ سے گھسکر اُسکو سخر کر لیا، یہان کا سردار ہرمزان گرفتار ہو کر مدینہ روانہ کیا گیا، اُس نے وہان پہنچکر اسلام قبول کیا، حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے، خاص مدینہ مین رہنے کی اجازت دی اور دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا،

فتوحاتِ مصر حضرت عمرو بن العاصؓ نے اصرار کے ساتھ فاروق اعظمؓ سے اجازت لے کر چار ہزار فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کیا، اور فرما، بلبیس، ام دنین وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور حضرت عمرؓ کو امدادی فوج کیلئے لکھا، اُنھون نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے، افسرون کے نام یہ ہین زبیر بن العوامؓ عبادہ بن صامتؓ مقداد بن عمروؓ مسلمہ بن مخلدؓ حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت زبیرؓ کو اُن کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا، سات مہینے کے بعد حضرت زبیرؓ کی غیر معمولی شجاعت سے قلعہ سخر ہوا، وہان سے فوجین اسکندریہ کی طرف بڑھین، مقام کریون مین ایک سخت جنگ ہوئی، یہان بھی عیسائیون کو شکست ہوئی اور مسلمانون نے اسکندریہ پہونچکر دم لیا اور ایک عرصہ کے محاصرہ کے بعد اُسکو بھی فتح کر لیا، حضرت عمرؓ نے مژدہ فتح سنا تو سجدہ مین گر پڑے اور خدا کا شکر ادا کیا، فتح اسکندریہ کے بعد تمام مصر پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا اور بہت سے قبطی برضا و رغبت

۱؎ عقد الفرید ابن عبد ربہ باب الملکید فی الحرب ۲؎ مقریزی جلد ۱ صفحہ ۲۶۷،

حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے،

شہادت | مغیرہ بن شعبہؓ کے ایک پارسی غلام فیروز نامی نے جسکی کنیت ابو لولو تھی حضرت عمرؓ سے اپنے آقا کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت کی چونکہ شکایت بیجا تھی اس لیے حضرت عمرؓ نے توجہ نہ کی، اسپر وہ سخت ناراض ہوا، اور صبح کی نماز میں خنجر لیکر اچانک حملہ کر دیا اور متواتر چھ وار کیے، حضرت عمرؓ زخم کے صدمے سے گر پڑے اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے نماز پڑھائی[1] حضرت عمرؓ کو اس حادثہ میں ایسا زخم کاری لگا تھا کہ اُس سے جانبر نہ ہو سکے، لوگوں کے اصرار سے اُنھوں نے چھ شخصوں کو منصب خلافت کیلئے نامزد کیا کہ ان میں سے کسی کو اس منصب کے لیے منتخب کر لیا جائے، اُن لوگوں کے نام یہ ہیں علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد وقاصؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ سے رسول اللہؐ کے پہلو میں مدفون ہونے کی اجازت لی[2]

مہاجرین، انصار، اعراب اور اہل ذمہ کے حقوق کی طرف توجہ دلائی اس کے بعد اپنے صاحبزادہ عبداللہ کو وصیت کی کہ مجھ پر جسقدر قرض ہو اگر وہ میرے متروکہ مال سے ادا ہو سکے تو بہتر ہے، ورنہ خاندانِ عدی سے درخواست کرنا اور اگر اُن سے نہ ہو سکے تو کل قریش سے، لیکن قریش کے سوا اور کسی کو تکلیف نہ دینا، غرض اسلام کا سب سے بڑا ہیرو ہر قسم کی ضروری وصیتوں کے بعد تین دن بیمار رہ کر محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن ۲۴ سنہ ہجری میں واصل بحق ہوا اور اپنے محبوب آقا کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو رہا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ازواج و اولاد | حضرت عمرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد نکاح کیے اُن کے ازواج کی تفصیل یہ ہے،

---

[1] مستدرک جلد ۳ صفحہ ۹۱ [2] ایضاً ۹۱، و ۹۲،

زینبؓ ہمشیرہ عثمان بن مظعون کہ مین مسلمان ہو کر مرین، قریبہؓ بنت ابی امیۃ المخزومی مشرکہ ہو نیکی باعث انکو طلاق دیدی تھی ملیکہ بنت جرول مشرکہ ہو نیکی وجہ سے ان کو بھی طلاق دیدی، جمیلہؓ کسی وجہ سے ان کو بھی طلاق دیدی، عاتکہؓ بنت زید ان کا نکاح پہلے عبداللہ بن ابی بکرؓ سے ہوا تھا پھر حضرت عمرؓ کے نکاح مین آئین، ام کلثوم، رسول اللہؐ کی نواسی اور حضرت فاطمہؓ کی نوردیدہ تھین، حضرت عمرؓ نے خاندان نبوت سے تعلق پیدا کرنے کے لیے سنہ ۱۷ھ مین چالیس ہزار مہر پر نکاح کیا،

حضرت عمرؓ کی اولاد مین حضرت حفصہؓ اس لحاظ سے سب سے ممتاز ہین کہ وہ رسول اللہ صلعم کے ازواج مطہرات مین داخل تھین، حضرت عمرؓ نے اپنی کنیت بھی ان ہی کے نام پر رکھی تھی، اولاد ذکور کے نام یہ ہین عبداللہ عبیداللہ عاصم ابو شحمہ، عبدالرحمن، زید، مجیر ان سب مین عبداللہ عبیداللہ اور عاصم اپنے علم و فضل اور مخصوص اوصاف کے لحاظ سے نہایت مشہور ہین[1]،



[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن الخطاب رضؓ

فاروقی کارنامے

فتوحات پر اجمالی نظر

فتوحات کی جو تفصیل اوپر گذر چکی ہے اس سے تمکو معلوم ہوا ہو گا کہ مسلمانون نے اپنے جوش، ثبات اور استقلال کے باعث حضرت عمرؓ کے دہ سالہ عہدِ خلافت مین روم وایران کے دفتر الٹ دیے، لیکن کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کرسکتی ہے کہ چند صحرا نشینون نے اس قدر قلیل مدت مین ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہو؟ بے شبہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے تمام عالم کو تہ و بالا کر دیا تھا لیکن اُن کے فتوحات کو فاروق اعظمؓ کی کشورستانی سے کوئی مناسبت نہ تھی، وہ لوگ ایک طوفان کی طرح اُٹھے اور ظلم و خونخواری کے مناظر دکھاتے ہوے ایک طرف سے دوسری طرف کو گذر گئے، چنگیز اور تیمور کا حال تو سب کو معلوم ہے، سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ اُس نے ملک شام مین شہر صور فتح کیا تو ایک ہزار شہریون کے سر کاٹ کر کے شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیے اور تیس ہزار بیگناہ مخلوق کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا، اسیطرح ایران مین اصطخر کو سخر کیا تو تمام مردون کو قتل کرا دیا، برخلاف اسکے حضرت عمرؓ کے فتوحات مین ایک واقعہ بھی ظلم و تعدی کا نہین ملتا، فوج کو خاص طور پر ہدایت تھی کہ بچون، بوڑھون اور عورتون سے مطلق تعرض نہ کیا جائے، قتل عام تو ایک طرف درختون کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی، مسلمان حکام مفتوحہ اقوام کے ساتھ ایسا اچھا عدل و انصاف کرتے تھے اور اس طرح اخلاق سے پیش آتے تھے کہ تمام رعایا اُن کی گرویدہ ہو جاتی اور اسلامی حکومت کو خدا کی رحمت تصور کرتی تھی، صرف یہی نہین بلکہ وہ لوگ جوش اتحاد مین مسلمانون کی اعانت و مساعدت سے بھی دریغ نہین کرتے تھے، فتوحات شام مین خود شامیون نے جاسوسی اور

خبر رسانی کی خدمت انجام دی؎، عملہ مصر میں خود قبطیوں نے سفر مینا کا کام کیا، اسیطرح عراق میں خود عجمیوں نے اسلامی لشکر کیلیے پل بندھوا دیے اور غنیم کے بارے سے مطلع کر کے نہایت گران قدر خدمات انجام دیں، ان حالات کی موجودگی میں سکندر اور چنگیز جیسے سفاکوں کا نام لینا کسقدر بے موقع ہے، سکندر اور چنگیز کی سفاکیاں فوری فتوحات کیلیے مفید ثابت ہوئیں لیکن جس سلطنت کی بنیاد ظلم و تعدی پر ہوتی ہے وہ کبھی دیرپا نہیں ہوسکتی، چنانچہ ان لوگوں کی سلطنتیں بھی نقش بر آب ثابت ہوئیں، بر خلاف اسکے فاروق اعظمؓ نے جو وسیع سلطنت قائم کی اُس کی بنیاد عدل، انصاف اور مساوات پر قائم ہوئی تھی اس لیے وہ آج تیرہ سو برس کے بعد بھی اسی طرح اُن کے جانشینوں کے قبضہ اقتدار میں موجود ہے،

یورپین مورخین عہد فاروقی کے اس بدیع المثال کارنامے کی اہمیت کم کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں کہ اس وقت فارس و روم کی دونوں سلطنتیں طوائف الملوکی اور مسلسل بد نظمیوں کے باعث اوجِ اقبال سے گر چکی تھیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا دنیا کی ایسی زبردست سلطنتیں بادشاہوں کے اول بدل اور معمولی اختلافات سے اس درجہ کمزور ہوگئی تھیں کہ ریگستانِ عرب کی ایک بے سروسامان اور خانہ بدوش قوم کے مقابلہ سے بھی عاجز تھیں؟ ہم مانتے ہیں کہ روم و ایران میں قسطنطین اعظم اور خسرو پرویز کا جاہ و جلال نہ تھا تاہم ان سلطنتوں کا عرب جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہوجانا دنیا کا ایک عجیب و غریب واقعہ ہے اور ہم کو اس کا راز ان سلطنتوں کی کمزوری میں نہیں بلکہ اسلامی نظامِ خلافت اور خلیفۂ وقت کے طرزِ عمل میں تلاش کرنا چاہیئے،

نظامِ خلافت | اسلام میں خلافت کا سلسلہ گو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد سے شروع ہوا اور

؎ بلاذری ص ۲۰۸ و ۳۲۵ مقریزی ج ۱ صفحہ ۲۹۳

اُن کے قلیل زمانہ خلافت مین بھی بڑے بڑے کام انجام پائے لیکن منظم اور باقاعدہ حکومت کا آغاز حضرت عمرؓ کے عہد سے ہوا، اُنھون نے نہ صرف قیصر وکسریٰ کی وسیع سلطنتون کو اسلام کے ممالک محروسہ مین شامل کیا بلکہ حکومت وسلطنت کا باقاعدہ نظام بھی قائم کیا اور اُس کو اس قدر ترقی دی کہ حکومت کے جسقدر ضروری شعبے ہین سب اُن کے عہد مین وجود پذیر ہوچکے تھے، لیکن قبل اس کے کہ ہم نظامِ حکومت کی تفصیل بیان کرین یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہین کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟

حضرت عمرؓ کی خلافت موجودہ زمانہ کی جمہوری طرزِ حکومت سے مشابہ تھی یعنی تمام ملکی وقومی مسائل مجلس شوریٰ مین پیش ہوکر طے پاتے تھے، اس مجلس مین مہاجرین وانصار کے منتخب واکابر اہل الرائے شریک ہوتے تھے، اور بحث ومباحثہ کے بعد اتفاقِ آرا یا کثرتِ رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے، اس مجلس کے ممتاز اور مشہور ارکان یہ ہین، حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ[1]

مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی جسمین مہاجرین وانصار کے علاوہ تمام سرداران قبائل شریک ہوتے تھے، یہ مجلس عموماً نہایت اہم امور کے پیش آجانے پر طلب کی جاتی تھی ورنہ روزمرہ کے کاروبار مین مجلس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا، ان دونون مجلسون کے سوا ایک تیسری مجلس بھی تھی جسکو ہم مجلس خاص کہہ سکتے ہین اس مین صرف مہاجرین صحابہ شریک ہوتے تھے،

مجلس شوریٰ کے انعقاد کا عام طریقہ یہ تھا کہ منادی اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ[2] کا اعلان کرتا تھا

---

[1] کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۴ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۷۶،

لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمرؓ دو رکعت نماز پڑھ کر مسئلہ بحث طلب کے متعلق مفصل خطبہ دیتے تھے، اُس کے بعد ہر ایک کی راے دریافت کرتے تھے[1]،

حکومت جمہوری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اغراض کے علانیہ اظہار کا موقع دیا جائے، نیز حاکم کے اختیارات محدود ہوں اور اُس کے طریق عمل پر ہر شخص کو نکتہ چینی کا حق ہو، حضرت عمرؓ کی خلافت ان تمام امور کی جامع تھی، ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا تھا، اور خلیفۂ وقت کے اختیارات کے متعلق خود حضرت عمرؓ نے متعدد موقعوں میں تصریح کر دی تھی کہ حکومت کے لحاظ سے اُن کی کیا حیثیت ہے؟ نمونہ کے لیے ایک تقریر کے چند فقرے درج ذیل ہیں،

انما انا ومالكم كولي اليتيم ان استغنيت استعففت وان افتقرت اكلت بالمعروف، لكم علي ايها الناس خصال فخذوني بها لكم علي ان لا اجتبي شيئا من خراجكم ولا مما افاء الله عليكم الا من وجهه لكم علي اذا وقع في يدي ان لا يخرج مني الا في حقه ولكم علي ان ازيد في عطياتكم واسد ثغوركم ولكم علي ان لا القيكم في المهالك[2]

مجھ کو تمھارے مال میں اسی طرح کا حق ہے جس طرح یتیم کے مال میں اُس کے مربی کا ہوتا ہے، اگر میں دولتمند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا، اور اگر صاحب حاجت ہوں گا تو اندازے سے کھانے کے لیے لوں گا، صاحبو! میرے اوپر تمھارے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مؤاخذہ کرنا چاہیے، ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مالِ غنیمت بیجا طور سے نہ جمع کیا جائے، ایک یہ کہ وہ میرے ہاتھ سے بیجا طور پر صرف نہونے پائے، ایک یہ کہ تمھارے روزینے بڑھاؤں اور تمھاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں،

مذکورۂ بالا تقریر صرف دلفریب خیالات کی نمائش نہ تھی، بلکہ حضرت عمرؓ نہایت سختی کے

---

[1] تاریخ طبری ص ۴، ۵ ۲۷ [2] کتاب الخراج ص ۶۷،

ساتھ اسپر عامل بھی تھے، واقعات ذیل اس کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہین ایک دفعہ حضرت حفصہؓ آپ کی صاحبزادی اور رسول اللہؐ کی زوجہ مطہرہ یہ خبر سُن کر کہ مال غنیمت آیا ہے حضرت عمرؓ کے پاس آئین اور کہا کہ امیرالمومنین مین ذوی القربیٰ مین سے ہون اس لیے اس مال مین سے مجھکو بھی کچھ عنایت کیجیے حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ بیشک تم میرے خاص مال مین حق رکھتی ہو لیکن یہ تو عام مسلمانون کا مال ہے افسوس تم نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا، وہ بیچاری خفیف ہو کر چلی گئین[1] ایک دفعہ خود بیمار پڑے لوگون نے علاج مین شہد تجویز کیا، بیت المال مین شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہین دے سکتے تھے مسجد نبوی مین جا کر لوگون سے کہا کہ "اگر آپ اجازت دین تو تھوڑا سا شہد لے لون"[2] ان چھوٹی چھوٹی باتون مین جب حضرت عمرؓ کی احتیاط کا یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ مہمات امور مین وہ کس قدر محتاط ہون گے،

حضرت عمرؓ نے لوگون کو حکام پر نکتہ چینی کرنے کی ایسی عام آزادی دی تھی کہ معمولی سے معمولی آدمی کو بھی خود خلیفۂ وقت پر اعتراض کرنے مین باک نہین ہوتا تھا، ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کرکے کہا، اتق اللہ[3] یا عمر یعنی اے عمر خدا سے ڈر" حاضرین مین سے ایک شخص نے اسکو روکنا چاہا لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا نہین انکو کہنے دو اگر یہ لوگ نہ کہین تو یہ بے مصرف ہین اور ہم نہ مانین تو ہم، یہ عام آزادی صرف مردون تک محدود نہ تھی، بلکہ عورتین بھی مردون کے قدم بقدم تھین، ایک دفعہ حضرت عمرؓ مہر کے متعلق تقریر فرما رہے تھے ایک عورت نے اثنائے تقریر مین ٹوک دیا اور کہا اتق اللہ یا عمر یعنی اے عمر خدا سے ڈر، حضرت عمرؓ نے اعتراف کے طور پر کہا کہ ایک عورت بھی عمر سے زیادہ جانتی ہے

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰، [2] ایضاً جلد ۶ صفحہ ۳۵۲، [3] کتاب الخراج ص ۶

حقیقت یہ ہے کہ آزادی اور مساوات کی یہی عام ہوا تھی جس نے حضرت عمرؓ کی خلافت کو اس درجہ کامیاب کیا اور مسلمانوں کو جوش، استقلال اور عزم و ثبات کا مجسم پتلا بنا دیا تھا۔

خلافت فاروقی کی ترکیب اور ساخت بیان کرنے کے بعد اب ہم انتظامات ملکی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد مبارک میں خلافت اسلامیہ کو کس طرح منظم اور باقاعدہ بنا دیا تھا؟ اور کس طرح حکومت کی ہر ایک شاخ کو مستقل محکمہ کی صورت میں قائم کر دیا تھا؟

نظام حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کرنا ہے، اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس کی ابتدا کی اور تمام ممالک مفتوحہ کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا، مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین، ان صوبوں کے علاوہ تین صوبے اور تھے، خراسان، آذربائیجان، فارس ہر صوبہ میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے، والی یعنی حاکم صوبہ، کاتب یعنی میر منشی، کاتب دیوان یعنی فوجی محکمہ کا میر منشی، صاحب الخراج یعنی کلکٹر، صاحب احداث یعنی افسر پولیس، صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ قاضی یعنی جج، چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسرؓ والی عثمان بن حنیفؓ کلکٹر، عبداللہ بن مسعودؓ افسر خزانہ شریح قاضی، عبداللہ بن الخزاعیؓ کاتب دیوان تھے۔[1]

بڑے بڑے عہدہ داروں کا انتخاب عموماً مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا حضرت عمرؓ کسی لایق راستباز اور متدین شخص کا نام پیش کرتے تھے اور چونکہ حضرت عمرؓ میں فطری طور پر جوہر شناسی کا مادہ ودیعت کیا گیا ارباب مجلس عموماً اُن کے حسن انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس عہدہ دار کی تقرر پر اتفاق رائے کر لیتے تھے، چنانچہ نہاوند کی

[1] طبری ص ۲۴۷۱،

عظیم الشان مہم کے لیے نعمان بن مقرنؓ کا اسی طریقہ سے انتخاب ہوا تھا[1]

احتساب | خلیفۂ وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور تمام قوم کے اخلاق وعادات کی حفاظت ہے، حضرت عمرؓ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے، وہ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہو گا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائیگا، دروازے پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رہیگا[2] اسی کے ساتھ اُس کے مال واسباب کی فہرست تیار کرا کے محفوظ رکھتے تھے اور جب کبھی کسی عامل کی مالی حالت مین غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو جائزہ لیکر آدھا مال بٹا لیتے تھے[3] اور بیت المال مین داخل کر لیتے تھے، ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا مین مبتلا ہوئے خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، اُنھون نے سب کی موجودات کا جائزہ لیکر آدھا آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال مین داخل کر لیا، موسمِ حج مین اعلان عام تھا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً بارگاہِ خلافت مین پیش کرے، چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتین پیش ہوتی تھین اور تحقیقات ہوکر اس کا تدارک کیا جاتا تھا، ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ آپ کے فلان عامل نے مجھکو بے قصور کوڑے مارے ہین، حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام مین اس عامل کو سو کوڑے لگائے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے التجا کی کہ عمال پر یہ امر گران ہوگا حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ نہین ہوسکتا ہے کہ مین ملزم سے انتقام نہ لون" عمرو بن العاصؓ نے منت سماجت کر کے مستغیث کو راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض دو دو اشرفی لیکر اپنے حق سے باز آئے[4]"

حضرت خالد سیف اللہؓ جو اپنی جانبازی اور شجاعت کے لحاظ سے تاجِ اسلام کے

[1] استیعاب تذکرہ نعمان [2] طبری صفحہ ۲۷۴۷ [3] فتوح البلدان ۲۱۹ [4] تاریخ طبری صفحہ ۲۷۴ کتاب الخراج ۲۶

گوہر شاہوار اور اپنے زمانے کے نہایت ذی عزت اور با اثر بزرگ تھے محض اس لیے معزول کردیے گئے، کہ اُنھوں نے ایک شخص کو انعام دیا ہے، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو اُنھوں نے حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار اعظم کو لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی، دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں[1]

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو بصرہ کے گورنر تھے اُن کی شکایتیں گذریں کہ "اُنھوں نے اسیرانِ جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے منتخب کرکے اپنے لیے رکھ چھوڑے ہیں، دوسری شکایت یہ تھی کہ اُنھوں نے کاروبار حکومت زیاد بن سفیان کے سپرد کر رکھا ہے، تیسری شکایت یہ تھی کہ اُن کے پاس ایک لونڈی ہے جسکو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا بہم پہونچائی جاتی ہے، حالانکہ عام مسلمانوں کو اس قسم کی غذا میسر نہیں آسکتی" حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے مواخذہ کیا تو اُنھوں نے دو اعتراضوں کا جواب تشفی بخش دیا، لیکن تیسری شکایت کا کچھ جواب نہ دے سکے، چنانچہ لونڈی اُن کے پاس سے لے لی گئی[2]

حضرت سعد بن وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا جسمیں ڈیوڑھی بھی تھی حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگا محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ جاکر ڈیوڑھی میں آگ لگادیں، چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی، اور سعد وقاصؓ خاموشی سے دیکھا کیے[3]

عیاض بن غنم عاملِ مصر کی نسبت شکایت پہونچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور اُن کے دروازہ پر دربان مقرر ہے، حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو تحقیقات پر مامور کیا محمد بن مسلمہ نے مصر پہونچکر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے پہنے تھے اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لیکر مدینہ آئے، حضرت عمرؓ نے اُن کا باریک کپڑا اتروا دیا اور بالوں کا کرتہ

[1] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۱۱ [2] طبری ص ۱۲-۲۷۱۱ [3] کنز العمال ج ۶ صفحہ ۳۵۵

پہنا کر جنگل میں بکری چرانے کا حکم دیا، عیاضؓ کو انکار کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مرجانا بہتر ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمھارا آبائی پیشہ ہے اس میں عار کیوں ہے؟ غرض عیاضؓ نے دل سے توبہ کی اور جبتک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے[۱]،

حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا بھی خاص اہتمام تھا، حضرت عمرؓ جسطرح خود اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھے، چاہتے تھے کہ اسی طرح تمام قوم مکارم اخلاق سے آراستہ ہوجائے، اُنھوں نے عرب جیسی فخار قوم سے فخر و غرور کی تمام علامتیں مٹا دیں، یہانتک کہ آقا اور نوکر کی تمیز بالکل اٹھادی، ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے اُن کے سامنے ایک خوان پیش کیا، حضرت عمرؓ نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا، اور فرمایا کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جنکو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار آتا ہے[۲]،

ایک دفعہ حضرت ابی ابن کعبؓ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے مجلس سے اُٹھے تو لوگ ادب اور تعظیم کے خیال سے ساتھ ساتھ چلے، اتفاق سے حضرت عمرؓ آنکلے، یہ حالت دیکھکر ابی ابن کعبؓ کو ایک کوڑا لگایا، اُن کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا اوماتری فتنۃ للمتبوع و مذلۃ للتابع[۳] یعنی تمھیں معلوم نہیں ہے کہ یہ امر متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کیلیے ذلت ہے،

شعر و شاعری کے ذریعہ سے ہجو و بدگوئی عرب کا عام مذاق تھا، حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے حکماً اسکو بند کردیا، حطیہ اس زمانہ کا مشہور ہجو گو شاعر تھا، حضرت عمرؓ نے اس کو قید کردیا اور آخر اس شرط پر رہا کیا کہ پھر کسی کی ہجو نہیں لکھے گا[۴]، ہوا پرستی، رندی اور آوارگی کی نہایت

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۶۶، [۲] ادب المفرد باب ہل یجلس خادمہ معہ اذا اکل [۳] مسند دارمی صفحہ ۷۱ [۴] اسد الغابہ تذکرہ زبرقان

شدت سے روک تھام کی، شعرا کو عشقیہ اشعار مین عورتون کا نام لینے سے قطعی طور پر منع کر دیا،
شراب خواری کی سزا سخت کر دی گئی یعنی چالیس دُرے سے اسی دُرے کر دیے گئے[1]،

حضرت عمرؓ کو سب سے زیادہ اس کا خیال تھا کہ لوگ عیش پرستی اور تنعم کی زندگی مین مبتلا ہوکر سادگی کے جوہر سے معرا نہو جائین، افسرون کو خاص طور پر پارسیون اور عیسائیون کے لباس اور طرز معاشرت کے اختیار کرنے پر چشم نمائی فرمایا کرتے تھے، سفر شام مین مسلمان افسرون کے بدن پر حریر و دیبا کے حلے اور پر تکلف قبائین دیکھکر اسقدر خفا ہوے کہ اُن کو سنگریزے مارے اور فرمایا تم اس وضع مین میرا استقبال کرتے ہو[1]،

حضرت عمرؓ نے مسلمانون کو اخلاق ذمیمہ سے باز رکھنے کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق کی بھی خاص طور پر تعلیم دی، آزادی، مساوات اور عزت نفس کا خاص خیال رکھتے تھے اور تمام عمال کو ہدایت تھی کہ مسلمانون کو مارا نہ کرین اس سے وہ ذلیل ہوجائینگے[2]

ملکی نظم و نسق

شام و ایران فتح ہوا تو لوگون کی راے ہوئی کہ مفتوحہ مقامات امرائے فوج کی جاگیر مین دیدیے جائین، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کہتے تھے کہ جن کی تلوارون نے ملک فتح کیا ہے اُنھین کو قبضہ کا بھی حق ہے، حضرت بلالؓ کو اسقدر اصرار تھا کہ حضرت عمرؓ نے دق ہوکر فرمایا، "اللھم اکفنی بلالا"، خود حضرت عمرؓ کی راے یہ تھی کہ زمین باشندون کے قبضہ مین رہنے دیجائے، حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ بھی حضرت عمرؓ کے ہم آہنگ تھے غرض مجلس عام مین یہ مسئلہ پیش ہوا، اور بحث و مباحثہ کے بعد فاروق اعظمؓ کی راے پر فیصلہ ہوا[3]،

حضرت عمرؓ نے عراق کی پیمایش کرائی، قابل زراعت اراضی کا بندوبست کیا، عشر و خراج کا طریقہ قایم کیا، عشر کا طریقہ آنحضرتؐ اور حضرت صدیقؓ کے زمانہ مین جاری ہوچکا

۱ طبری ۲۷۰۲، ۲ ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۲۰۱، ۳ کتاب الخراج ص ۱۴، ۱۵

تھا لیکن خراج کا طریقہ اس قدر منضبط نہین ہوا تھا، اسی طرح شام و مصر مین بھی لگان قائم کیا لیکن وہان کا قاعدہ مُلکی حالات کے لحاظ سے عراق سے مختلف تھا، تجارت پر عشر یعنی چنگی لگائی گئی یہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے جسکی ابتدا یون ہوئی کہ مسلمان جو غیر ممالک مین تجارت کے لیے جاتے تھے اُن کو دس فیصدی ٹکس دینا پڑتا تھا حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انھون نے بھی غیر ملکی مال پر ٹکس لگا دیا اسیطرح گھوڑے پر بھی زکوٰۃ خاص حضرت عمرؓ کے حکم سے قائم کی گئی، ورنہ گھوڑے پہلے مستثنیٰ تھے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ نعوذ باللہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلعم کی مخالفت کی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہین اس لیے تجارت کے گھوڑے کو مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی،

حضرت عمرؓ نے تمام ملک مین مردم شماری کرائی، تمام اضلاع مین باضابطہ عدالتین قائم کین، محکمۂ قضا کے لیے اصول و قواعد بنائے، قاضیون کی بیش قرار تنخواہین مقرر کین کہ لوگ رشوت ستانی سے محفوظ رہین، چنانچہ سلمانؓ ربیعہ اور قاضی شریحؒ کی تنخواہین پانچ پانچ سو درہم ماہانہ تھی[1] اور امیر معاویہؓ کی تنخواہ ایک ہزار دینار تھی[2] اسیطرح حل طلب مسائل کے لیے محکمۂ افتا قائم کیا، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، معاذ بن جبلؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، ابی ابن کعبؓ زید بن ثابتؓ، ابوہریرہؓ، اور ابو دردأؓ اس محکمہ کے ممتاز رکن تھے،

ملک مین امن و امان قائم کرنے کے لیے حضرت عمرؓ نے ایک مستقل محکمہ پولیس کا قائم کیا، اُس کے افسر کا نام صاحب الاحداث تھا، حضرت ابوہریرہؓ کو بحرین کا صاحب الاحداث بنایا تو اُن کو خاص طور پر ہدایت کی کہ امن و امان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمت بھی انجام دین، احتساب کے متعلق جو کام ہین مثلاً دوکاندار ناپ تول مین کمی نہ کرین، کوئی

[1] فتح القدیر حاشیہ ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۷، [2] استیعاب تذکرہ امیر معاویہؓ،

شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے، شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور صاحبان احداث (افسران پولیس) اس خدمت کو بھی انجام دیتے تھے،

عہد فاروقی سے پہلے عرب مین جیلخانون کا نام و نشان نہ تھا، حضرت عمرؓ نے اول مکہ مین صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اُس کو جیلخانہ بنایا[1] پھر اور اضلاع مین بھی جیلخانے بنوائے، جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ ہی کی ایجاد ہے چنانچہ محجن ثقفی کو بار بار شراب پینے کے جرم مین ایک جزیرہ مین جلاوطن کر دیا تھا[2]،

بیت المال | خلافت فاروقی سے پہلے مستقل خزانہ کا وجود نہ تھا، بلکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا، ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لیے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا، اور اس مین کچھ داخل کرنے کی نوبت ہی نہین آتی تھی، چنانچہ ان کی وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا،

حضرت عمرؓ نے تقریباً ۱۵ھ مین ایک مستقل خزانہ کی ضرورت محسوس کی اور مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ مین بہت بڑا خزانہ قائم کیا، دار الخلافہ کے علاوہ تمام اضلاع اور صوبہ جات مین بھی اس کی شاخین قائم کی گئین اور ہر جگہ اس محکمہ کے افسر جداگانہ مقرر ہوئے، مثلاً اصفہان مین خالد بن حارث اور کوفہ مین عبد اللہ بن مسعودؓ خاص خزانہ کے افسر تھے،

صوبجات اور اضلاع کے بیت المال مین جسقدر رقم جمع ہو جاتی تھی وہ وہان کے سالانہ

[1] مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۸۰، [2] اسد الغابہ ترجمہ ابو محجن ثقفی،

مصارف کے بعد اختتام سال پر صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال مین منتقل کر دی جاتی تھی، صدر بیت المال کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دار الخلافہ کے باشندونکی جو تنخواہین اور وظائف مقرر تھے صرف اُس کی تعداد سالانہ تین کرور درہم تھی،

بیت المال کے حساب وکتاب کے لیے مختلف رجسٹر بنوائے، نیز اسوقت تک کسی مستقل سن کا عرب مین رواج نہ تھا حضرت عمرؓ نے ۱۶ھ مین سنہ ہجری ایجاد کرکے یہ کمی بھی پوری کر دی،

تعمیرات | اسلام کا دائرۂ حکومت جسقدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا، حضرت عمرؓ کے عہد مین اسکے لیے کوئی مستقل صیغہ نہ تھا، تاہم صوبہ جات کے عمال اور حکام کی نگرانی مین تعمیرات کا کام نہایت منتظم اور وسیع طور پر جاری تھا، ہر جگہ حکام کے بود و باش کیلیے سرکاری عمارتین تیار ہوئین، رفاہ عام کے لیے سڑک، پل اور مسجدین تعمیر کی گیئن، فوجی ضروریات کے لحاظ سے قلعے، چھاؤنیان اور بارکین تعمیر ہوئین، مسافرون کیلیے مہمان خانے بنائے گئے، خزانہ کی حفاظت کیلیے بیت المال کی عمارتین تیار ہوئین، حضرت عمرؓ تعمیرات کے باب مین نہایت کفایت شعار تھے، لیکن وہ بیت المال کی عمارتین عموماً شاندار اور مستحکم بنواتے تھے، چنانچہ کوفہ کے بیت المال کو روزبہ نامی ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور اسمین خسروان فارس کی عمارت کا مسالہ استعمال کیا گیا تھا،[1]

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مین جو خاص باہمی تعلق ہے اس کے لحاظ سے ضروری تھا کہ ان دونون شہرون کے درمیانی فاصلے کو سہل اور آرام دہ بنا دیا جائے، حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ مین اس کی طرف توجہ کی اور مدینہ سے لیکر مکہ تک ہر ہر منزل پر چوکیان، سرائین

[1] طبری ذکر آبادی کوفہ،

اور چشمے تیار کرائے[1]،

ترقی زراعت کے لیے تمام ملک مین نہرین کھدوائی گئین، بعض نہرین ایسی بھی تھین جن کا تعلق محکمۂ زراعت سے نہ تھا، مثلاً نہرابی موسیٰ جو محض بصرہ والون کیلئے شیرین پانی بہم پہونچانے کے خیال سے دجلہ سے کاٹ کرلائی گئی تھی یہ نہر ۹ میل لمبی تھی[2]، اسی طرح نہر معقل جسکی نسبت عربی ضرب المثل ہے اذا جاء نہر اللہ بطل نہر المعقل[3]،

حضرت سعد بن وقاص نے گورنرِ کوفہ نے بھی ایک نہر تیار کرائی جو سعد بن عمرو بن حرام کے نام سے مشہور ہوئی[4]، لیکن اسی سلسلہ مین سب سے بڑی اور فائدہ رسان وہ نہر تھی جو نہرِ امیرالمومنین کے نام سے زبان زد عام ہوئی اور جس کے ذریعہ سے دریائے نیل کو بحرِ قلزم سے ملادیا گیا تھا[5]،

مستعمرات | مسلمان جب عرب کی گھاٹیون سے نکل کر شام وایران کے چمن زارمین پہونچے تو اُن کو یہ ممالک ایسے خوش آیند نظرآئے کہ اُنھون نے وطن کو خیرباد کہکر یہین طرحِ اقامت ڈالدی اور نہایت کثرت سے نوآبادیان قائم کین، حضرت عمرؓ کے عہد مین جوجو شہر آباد ہوئے اُن کی ایک اجمالی فہرست درج ذیل ہے،

بصرہ، ۱۴ھ مین عتبہ بن غزوان نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اس شہر کو بسایا تھا ابتداء مین صرف آٹھ سو آدمیون نے یہان سکونت اختیار کی لیکن اسکی آبادی بہت جلد ترقی کر گئی یہان تک کہ زیاد بن سفیان کے ت مین صرف اُن لوگون کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر مین درج تھے اسی ہزار اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ بیس ہزار تھی، بصرہ اپنی علمی

---

[1] طبری صفحہ ۲۵۲۹، [2] فتوح البلدان ص ۳۶۵، [3] ایضاً ص ۳۶۶، [4] ایضاً ص ۲۸۳ [5] حسن المحاضرہ سیوطی ۶۸،

خصوصیات کے لحاظ سے مسلمانون کا مایۂ ناز شہر رہا ہے،

کوفہ، حضرت سعد بن وقاص رضہ نے امیرالمؤمنین رضہ کے حکم سے نعمان بن منذر قدیم فرمان روائے عراق عرب کے پایۂ تخت کو آباد کیا، چالیس ہزار آدمیون کی آبادی کے لائق مکانات بنوائے گئے، حضرت عمر رضہ نے اس شہر کے بسانے مین غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی تھی یہانتک کہ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق بھی خود ہی ایک یادداشت لکھ بھیجی تھی، اسمین حکم تھا کہ شارع ہائے عام چالیس چالیس ہاتھ چوڑی ہون اور اُس سے گھٹ کر ۳۰، ۲۰ ہاتھ، اور ۲۰، ۲۰ ہاتھ رکھی جائین، جامع مسجد کی عمارت اس قدر وسیع بنائی گئی تھی کہ اس مین چالیس ہزار آدمی آسانی سے نماز ادا کر سکتے تھے[1]، مسجد کے سامنے دو سو ہاتھ لمبا ایک وسیع سائبان تھا اور سنگ رخام کے ستونون پر قائم کیا گیا تھا، یہ شہر حضرت عمر رضہ ہی کے عہد مین اس عظمت و شان کو پہونچ چکا تھا کہ وہ اس کو راس اسلام فرمایا کرتے تھے، علمی حیثیت سے بھی ہمیشہ ممتاز رہا ہے، امام نخعی، حماد، امام ابوحنیفہ، امام شعبی اسی معدن کے لعل و گہر تھے،

فسطاط، دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان ایک کھلا ہوا میدان تھا، حضرت عمرو بن العاص رضہ فاتح مصر نے اثنائے جنگ مین یہان پڑاؤ کیا، اتفاق سے ایک کبوتر نے اُن کے خیمہ مین گھونسلا بنا لیا، عمرو بن العاص رضہ نے کوچ کے وقت قصداً اس خیمہ کو چھوڑ دیا کہ اس بیچارے کو تکلیف نہو، مصر کی کامل تسخیر کے بعد اُنھون نے حضرت عمر رضہ کے حکم سے اسی میدان مین ایک شہر آباد کیا چونکہ خیمہ کو عربی مین فسطاط کہتے ہین اس لیے اس شہر کا نام فسطاط قرار پایا[2]،

فسطاط نے بہت جلد ترقی کر لی اور تمام مصر کا صدر مقام ہوگیا، چوتھی صدی کا ایک سیاح ان الفاظ مین اس شہر کے عروج و کمال کا نقشہ کھینچتا ہے، یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ اور

---

[1] معجم البلدان جلد، کوفہ، [2] ذکر فسطاط

اور اسلام کا فخر ہے دُنیائے اسلام مین یہان سے زیادہ کسی جامع مسجد مین علی مجلسین نہین ہوتی ہین نہ یہان سے زیادہ کسی ساحل پر جہاز لنگر انداز ہوتے ہین"

موصل، پہلے ایک گاؤن کی حیثیت رکھتا تھا، حضرت عمرؓ نے اُسکو عظیم الشان شہر بنادیا ہرثمہ بن عرفجہ نے بنیاد رکھی اور ایک جامع مسجد تیار کرائی اور چونکہ یہ مشرق و مغرب کو باہم پیوستہ کرتا ہے اس لیے اس کا نام موصل رکھا گیا،

جیزہ، فتح اسکندریہ کے بعد عمرو بن العاص نے اس خیال سے کہ رومی دریا کی طرف سے حملہ نہ کرنے پائین، تھوڑی سی فوج لب ساحل مقرر کردی تھی، ان لوگون کو دریا کا منظر ایسا پسند آگیا کہ وہان سے ہٹائے نہ ہٹے، حضرت عمرؓ نے اُن لوگون کی حفاظت کیلیے ۲۱ھ مین ایک قلعہ تعمیر کرادیا اور اُس وقت سے یہان ایک مستقل نوآبادی کی صورت پیدا ہوگئی[1]،

فوجی انتظامات | اسلام جب رومن امپائر سے بھی زیادہ وسیع سلطنت کا مالک ہوگیا اور قیصر و کسریٰ کے عظیم الشان ممالک اس کا ورثہ بن گئے تو اُسکو ایک منتظم اور بااصول فوجی سسٹم کی ضرورت محسوس ہوئی، ۱۵ھ مین حضرت عمرؓ نے اس کی طرف توجہ کی اور اُنھون نے تمام ملک کو فوج بنانا چاہا لیکن چونکہ ابتدا مین ایسی تعمیم ممکن نہ تھی اس لیے پہلے قریش و انصار سے آغاز ہوا اور مخرمہ بن نوفلؓ، جبیر بن مطعمؓ، عقیلؓ بن ابیطالبؓ کے متعلق یہ خدمت سپرد کی گئی کہ قریش و انصار کا ایک رجسٹر تیار کرین جسمین ہر شخص کا نام و نسب تفصیل سے درج ہو، غرض حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق رجسٹر تیار ہوا اور حسب حیثیت تنخواہین مقرر ہوئین، نیز اُن کی بیوی بچون کے گذارے کیلیے وظائف مقرر ہوئے، چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویون کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی تنخواہ دو دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئی، اس موقع پر قابل لحاظ امر یہ ہے

[1] جیزہ کے تفصیلی حالات مقریزی مین مذکور ہین،

کہ جن لوگون کی جو تنخواہین مقرر ہوئین اُن کے غلامون کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی[1] اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مساوات کا کیسا سبق سکھایا تھا،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ دنون کے بعد اس نظام کو قریش و انصار سے وسعت دیکر تمام قبائل عرب مین عام کردیا، کل ملک کی مردم شماری کی گئی اور ہر ایک عربی النسل کی علی قدر مراتب تنخواہ مقرر ہوئی یہان تک کہ شیرخوار بچون کے لیے بھی وظائف کا قاعدہ جاری کیا گیا[2]، گویا عرب کا ہر ایک بچہ اپنے یوم ولادت ہی سے اسلامی فوج کا ایک سپاہی تصور کرلیا جاتا تھا،

ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا ملتا تھا کپڑے کی کوئی خاص ایسی وضع مقرر نہ تھی جسکو وردی کہہ سکین، تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قبیلہ مین ایک عریف ہوتا تھا، اسی طرح ہر دس سپاہی پر ایک افسر ہوتا تھا جسکو امراء الاعشار کہتے ہین، تنخواہین عریف کو دیجاتی تھین، وہ امرائے اعشار کی معرفت فوج مین تقسیم کرتا تھا، ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی، چنانچہ کوفہ اور بصرہ مین سو عریف تھے جن کے ذریعہ سے ایک کرور کی رقم تقسیم ہوتی تھی، حسن خدمت اور کارگذاری کے لحاظ سے سپاہیون اور افسرون کی تنخواہون مین وقتاً فوقتاً اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا، چنانچہ زہرہ، عصمہ، اور ضبی وغیرہ نے قادسیہ مین غیر معمولی جانبازی کا اظہار کیا تھا، اس صلہ مین اُن کی تنخواہین دو دو ہزار سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہوگئین،

حضرت عمر کو فوج کی تربیت کا بہت خیال تھا، انھون نے نہایت تاکیدی احکام جاری کیے تھے کہ ممالک مفتوحہ مین کوئی شخص زراعت یا تجارت کا شغل اختیار نہ کرنے پائے کیونکہ اس سے اُن کے سپاہیانہ جوہر کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ تھا، سرد اور گرم ممالک پر حملہ کرتے وقت موسم کا بھی خاص لحاظ رکھا جاتا تھا کہ فوج کی صحت اور تندرستی کو نقصان نہ پہونچے،

[1] تنخواہون کی تفصیل مین روایتین مختلف ہین دیکھو کتاب الخراج ص ۴۴، مقریزی ج ۱ ص ۹۲ و بلاذری ص ۴۳۵، [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۶۳

قواعد کے متعلق حضرت عمرؓ چار چیزوں کے سیکھنے کی سخت تاکید کرتے، تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، اور ننگے پاؤں چلنا، ہر چار مہینے کے بعد سپاہیوں کو رخصت دیجاتی تھی کہ وطن جاکر اپنے اہل وعیال سے ملیں، چنانچہ ایک بار اس میں تاخیر ہوئی تو فوج خود واپس چلی آئی، جفاکشی کے خیال سے حکم تھا کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے نہ سوار ہوں نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، حماموں میں نہ نہائیں،

موسم بہار میں فوجیں عموماً سرسبز وشاداب مقامات میں بھیجدی جاتی تھیں، اسی طرح بارکوں اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب وہوا کا لحاظ رکھا جاتا تھا، کوچ کی حالت میں حکم تھا کہ فوج جمعہ کے دن مقام کرے اور ایک شب وروز قیام رکھے کہ لوگ دم لے لیں غرض حضرت عمرؓ نے تیرہ سو برس پیشتر فوجی تربیت کے ایسے اعلیٰ اصول وضع کردیے تھے کہ آج بھی اصولی حیثیت سے اسپر کچھ اضافہ نہیں ہوسکتا،

حضرت عمرؓ نے حسب ذیل مقامات کو فوجی مرکز قرار دیا تھا، مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص، اردن، فلسطین، ان مقامات کے علاوہ تمام اضلاع میں فوجی بارکیں اور چھاؤنیاں تھیں، جہاں تھوڑی تھوڑی فوج ہمیشہ متعین رہتی تھی،

فوج میں حسب ذیل عہدہ دار بھی لازمی طور پر رہتے تھے، خزانچی، محاسب، مترجم، طبیب، جراح اور جاسوس، جو غنیم کے نقل وحرکت کی خبریں بہم پہونچایا کرتے تھے، یہ خدمت زیادہ تر ذمیوں سے لی جاتی تھی، چنانچہ قیساریہ کے محاصرہ میں یوسف نامی یہودی نے جاسوسی کی خدمت انجام دی تھی[1] اسی طرح عراق میں بعض وفادار مجوسی اپنی خوشی سے اس خدمت کو انجام دیتے تھے تاریخ طبری میں ہے وکانت تکون لعمر العیون فی کل جیش ہر فوج میں حضرت عمرؓ کے جاسوس رہتے تھے،

[1] ابوداؤد کتاب الخراج باب تعقب الجیوش، [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۴۸،

الآتِ جنگ مین سے علاوہ تیغ و سنان کے قلعہ شکنی کے لیے منجنیق اور دبابہ بھی ساتھ رہتا تھا، چنانچہ دمشق کے محاصرہ مین منجنیقون کا استعمال ہوا تھا[1]،

حضرت عمرؓ کے زمانہ مین فوج حسب ذیل شعبون مین منقسم تھی، مقدمہ، قلب، میمنہ، میسرہ، ساقہ، طلیعہ، سفر مینا، ردء، یعنی عقبی گارد، شتر سوار، سوار، پیادہ، تیر انداز،

حضرت عمرؓ کو گھوڑون کی پرورش و پرداخت کا بھی نہایت اہتمام تھا، ہر ایک مرکز مین چار ہزار گھوڑے ساز و سامان سے لیس رہتے تھے، موسم بہار مین تمام گھوڑے سرسبز و شاداب مقامات مین بھیجدیے جاتے تھے، انھون نے خود مدینہ کے قریب ایک چراگاہ تیار کرائی اور اپنے ایک غلام کو اس کی حفاظت اور نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا، گھوڑون کی رانون پر داغ کرکے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے "جیش فی سبیل اللہ"،

عرب کی تلوار اپنے فتوحات مین کبھی غیرون کی ممنونِ احسان نہین ہوئی تاہم حریف اقوام کو خود انھی کے ہمقومون سے لڑانا فنِ جنگ کا سب سے بڑا اصول ہے حضرت عمرؓ نے اسکو بھی نہایت خوبی سے انجام دیا تھا، صدہا عجمی یونانی اور رومی بہادرون نے اسلامی فوج مین داخل ہوکر مسلمانون کے دوش بدوش نہایت وفاداری کے ساتھ خود اپنی قومون سے جنگ کی تھی، چنانچہ قادسیہ کے معرکہ مین دورانِ جنگ ہی مین ایرانیون کی چار ہزار فوج حلقۂ اسلام مین آگئی اور سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کو اسلامی فوج مین شامل کرلیا اور ان کی تنخواہین مقرر کردین، یرموک کے معرکہ مین رومیون کے لشکر کا مشہور سپاہی جارج عین حالتِ جنگ مین مسلمان ہوگیا، اور مسلمانون کے دوش بدوش لڑکر شہید ہوا،

مذہبی خدمات | مذہبی خدمات کے سلسلہ مین سب سے بڑا کام اشاعت اسلام ہے، حضرت عمرؓ کو اس مین

[1] طبری ص ۲۱۵۴،

بہت انہماک تھا، لیکن تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق کی قوت سے اُنھون نے اپنے غلام کو اسلام کی دعوت دی، اُس نے باوجود ترغیب وہدایت انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین[1] یعنی مذہب مین جبر نہیں ہے، حکام کو ہدایت تھی کہ جنگ سے پہلے لوگون کو محاسن اسلام دکھا کر شریعت غرّا کی دعوت دی جائے، اسکے علاوہ اُنھون نے تمام مسلمانون کو اپنی تربیت اور ارشاد سے اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بنا دیا تھا، وہ جسطرف گذر جاتے تھے، لوگ اُن کے اخلاقی تفوق کو دیکھ کر خود بخود اسلام کے گرویدہ ہوجاتے تھے، رومی سفیر اسلامی کیمپ مین آیا تو سالارِ فوج کی سادگی اور بے تکلفی دیکھکر خود بخود اس کا دل اسلام کی طرف کھنچ آیا اور وہ مسلمان ہوگیا، مصر کا ایک رئیس مسلمانون کے حالات ہی سُنکر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ مسلمان ہوگیا[2]،

عربی قبائل جو عراق و شام مین آباد ہوگئے تھے وہ نسبۃً آسانی کے ساتھ اسلام کی طرف مائل کیے جاسکتے تھے، حضرت عمرؓ کو ان لوگون مین تبلیغ کا خاص خیال تھا، چنانچہ اکثر قبائل عمولی کوشش سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے، مسلمانون کے فتوحات کی بوالعجبی نے بھی بہت سے لوگون کو اسلام کی صداقت کا یقین دلا دیا، چنانچہ معرکہ قادسیہ کے بعد دیلم کی چار ہزار عجمی فوج نے خوشی سے اسلام قبول کرلیا[3]، اسیطرح فتح جلولار کے بعد بہت سے رُوسا برضا ورغبت مسلمان ہوگئے، جن مین بعض کے نام یہ ہین جمیل بن بصبہری، بسطام بن نرسی، رفیل، فیروزان[4]، قیاس چاہتا ہے کہ ان رئیسون کا اثر اُن کی رعایا پر بھی پڑا ہوگا، عراق کی طرح شام ومصر مین بھی نہایت کثرت سے لوگ مسلمان ہوگئے تھے، فسطاط مین ایک بڑا محلہ نومسلمون سے آباد کیا گیا تھا، غرض حضرت عمرؓ کے عہد مین نہایت کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا، صرف یہی نہین بلکہ اُنھون نے

---

[1] کنزالعمال جلد پنجم صفحہ ۴۹، [2] مقریزی صفحہ ۲۲۶، [3] فتوح البلدان صفحہ ۲۸۰، [4] فتح جلولار،

دین حنیف کی آیندہ اشاعت کیلیے راستہ بھی صاف کردیا تھا،

اشاعتِ اسلام کے بعد سب سے بڑا کام خود مسلمانون کی مذہبی تعلیم و تلقین اور شعار اسلامی کو رواج عام دینا تھا، اس کے متعلق حضرت عمرؓ کے ساعی کا سلسلہ حضرت ابوبکرؓ ہی کے عہد سے شروع ہوتا ہے یعنی قرآن مجید جو اساسِ اسلام ہے حضرت عمرؓ کے اصرار سے عہد صدیقی مین مرتب کیا گیا تھا اس کے بعد اُنھون نے اپنے عہد مین اس کے درس و تدریس کا رواج دیا، معلمین اور حفاظ اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کین[۱] حضرت عبادہ بن الصامتؓ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کو جو حفاظِ قرآن اور صحابۂ کبار مین سے تھے قرآن مجید کی تعلیم دینے کیلیے ملک شام مین روانہ کیا[۲] قرآن شریف کو صحت کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کے لیے تاکیدی احکام روانہ کیے[۳] ابن الانباری کی روایت کے مطابق ایک حکمنامہ کے الفاظ یہ ہین تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظہ، غرض حضرت عمرؓ کے ساعی جمیلہ سے قرآن کی تعلیم ایسی عام ہوگئی تھی کہ ناظرہ خوانون کا تو شمار نہین حافظون کی تعداد بھی ہزارون تک پہونچ گئی تھی چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ایک خط کے جواب مین لکھا تھا کہ "صرف میری فوج مین تین سو حفاظ ہین"

اصولِ اسلام مین قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے حضرت عمرؓ نے اُسکے متعلق جو خدمات انجام دین اُن کی تفصیل یہ ہے،

احادیث نبوی کو نقل کراکے حکام کے پاس روانہ کیا کہ عام طور پر اُسکی اشاعت ہو، مشاہیر صحابہ کو مختلف ممالک مین حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ روانہ کیا اسیطرح عبداللہ بن مغفل عمران بن حصین اور معقل بن یسار کو

[۱] سیرۃ العمرین مین بوضاحت مذکور ہے، ان عمر بن الخطاب وعثمان کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ والمعلمین

[۲] کنزالعمال ج اول ص ۲۸۱، [۳] ایضاً ص ۲۱۷،

بصرہ بھیجا، حضرت عبادہ بن الصامتؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کو شام کی طرف روانہ کیا[1]
اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ عدول ہیں لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں اُن سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہوسکتا، چنانچہ اُنھوں نے روایات قبول کرنے میں نہایت چھان بین اور احتیاط سے کام لیا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کسی کام میں مشغول تھے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آئے اور تین دفعہ سلام کرکے واپس چلے گئے، حضرت عمرؓ کام سے فارغ ہوئے تو ابوموسیٰؓ کو بلاکر دریافت کیا کہ تم واپس کیوں چلے گئے تھے، اُنھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو اگر اسپر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ، حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں تمکو سزا دوں گا، حضرت ابوموسیٰؓ نے حضرت سعیدؓ کو شہادت میں پیش کیا، اسیطرح سقط کے مسئلہ میں مغیرہ نے حدیث روایت کی تو حضرت عمرؓ نے شہادت طلب کی، چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو اُنھوں نے اُسکو تسلیم کیا[2]، حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں ایک حدیث پیش کیگئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی ثبوت طلب کیا، جب لوگوں نے تصدیق کی تو فرمایا مجھکو تم سے بدگمانی نہ تھی بلکہ صرف اپنا اطمینان مقصود تھا،

حضرت عمرؓ لوگوں کو کثرت روایت سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے، چنانچہ جب قرظہ بن کعب کو عراق کی طرف روانہ کیا تو خود دور تک ساتھ گئے اور کہا کہ دیکھو تم ایسے ملک میں جاتے ہو، جہاں قرآن کی آواز گونج رہی ہے، ایسا نہو کہ تم اُن کی توجہ کو قرآن سے ہٹاکر احادیث کی طرف مبذول کردو[3]، حضرت ابوہریرہؓ نہایت کثرت سے روایتیں بیان کرتے تھے ایکدفعہ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اس طرح

---

[1] ازالۃ الخفا، جلد ۲ صفحہ ۶ [2] ابوداؤد کتاب الدیات باب دیۃ الجنین [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷

روایت کرسکتے تھے؟ اُنھون نے کہا کہ اگر اُس زمانہ مین ایسا کرتا تو دُرے کھاتا۔[1]

حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے، حضرت عمرؓ خود بالمشافہ اپنے خطبون اور تقریردن مین مسائلِ فقہیہ بیان کرتے تھے، اسی طرح دور دراز ممالک کے حکام کو مراسلات کے ذریعہ سے فقہی مسائل بتاتے تھے، مختلف فیہ مسائل کو صحابہ کے مجمع مین پیش کر کے طے کراتے تھے، اضلاع مین عمال اور افسرون کی تقرری مین عالم اور فقیہ ہونے کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا، تمام ممالک محروسہ مین فقہا مقرر کئے گئے تھے، جو احکام مذہبی کی تعلیم دیتے تھے، اور حسب بیان ابن جوزی حضرت نے فقہا کی بیش قرار تنخواہین بھی مقرر کی تھین، اس سے پہلے فقہا اور معلمین کو تنخواہ دینے کا رواج نہ تھا، خلاصہ یہ کہ فاروق اعظمؓ کے عہد مین مذہبی تعلیم کا ایک مرتب اور منتظم سلسلہ قائم ہوگیا تھا، جسکی تفصیل کیلیے اس اجمال مین گنجایش نہین،

عملی انتظامات کی طرف بھی حضرت عمرؓ نے بہت توجہ کی، تمام ممالک محروسہ مین کثرت سے مسجدین تعمیر کین، امام اور موذن مقرر کیے، حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی، ۱۷ھ مین اسکو وسیع کیا، غلافِ کعبہ کیلیے نطع کے بجائے قباطی کا رواج دیا جو نہایت عمدہ کپڑا ہوتا ہے، اور مصر مین بُنا جاتا ہے، اسی طرح مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت دی، پہلے طول سو گز کا تھا، انھون نے ۱۴۰ گز کر دیا، اسی طرح عرض مین بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا، نیز مسجد کے ساتھ ایک گوشہ مین چبوترہ بنوا دیا کہ جسکو بات چیت کرنا یا شعر پڑھنا ہو اُس کے لیے یہ جگہ ہے، مسجدون مین روشنی اور فرش کا انتظام بھی حضرت عمرؓ ہی کے عہد سے ہوا،[2] حجاج کی راحت اور آسایش کا بھی نہایت کافی انتظام تھا، ہر سال خود حج کیلیے جاتے تھے اور خبرگیری کی خدمت انجام دیتے تھے،

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷، [2] اسد الغابہ تذکرۂ عمرؓ

متفرق انتظامات ملکی، فوجی اور مذہبی انتظامات کا ایک اجمالی خاکہ درج کرنے کے بعد اب ہم بعض ایسے متفرق انتظامات کا تذکرہ کرتے ہین جو کسی خاص عنوان کے تحت مین نہین آسکتے ہین؛

سنہ ۱۸ھ مین عرب مین قحط پڑا، حضرت عمرؓ نے اس مصیبت کو کم کرنے مین جو سرگرمی ظاہر کی وہ ہمیشہ یادگار زمانہ رہیگی بیت المال کا تمام نقد و جنس صرف کر دیا، تمام صوبون سے غلہ منگوایا اور انتظام کے ساتھ قحط زدون مین تقسیم کیا؛[1] اسیطرح لاوارث بچون کے دودھ پلانے اور پرورش و پرداخت کا انتظام کیا۔[2] غربا و ساکین کے روزینے مقرر کیے اور اعلان عام کیلیے منبر پر چڑھ کر فرمایا،

انی فرضت لکل نفس مسلمۃ فی شھر مدی حنطۃ وقسطی خل

مین نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دو مد گیہون اور دو قسط سرکہ مقرر کیا،

اسپر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی؟ فرمایا ہان غلام کے لیے بھی۔[3] لیکن اس سے یہ نہین سمجھنا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ اس نکتہ سے بیخبر تھے کہ مفت خوری سے لوگ کاہل ہو جائینگے بلکہ درحقیقت انھون نے جن لوگون کے روزینے مقرر کیے تھے وہ یا تو فوجی خدمت کے لائق تھے یا ضعف کے باعث کسب معاش سے عاجز تھے اس لیے یہ دونون گروہ فیاضی کے مستحق تھے،

حضرت عمرؓ نے ملکی حالات سے واقفیت پیدا کرنے کے لیے انتظامات ملکی کے ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کیے تھے جسکی وجہ سے انھین ہر جزئی واقعہ کی اطلاع ہوجاتی تھی؛ مورخ طبری لکھتے ہین؛

[1] یعقوبی ج ۲ صفحہ ۱۷۷ مین اسکی تفصیل ہے، [2] ایضاً صفحہ ۱۵۱، [3] فتوح البلدان ذکر العطا فی خلافۃ عمر بن الخطابؓ

وکان عمر لا یخفی علیہ شیٔ فی عملہ کتب الیہ من العراق بخروج من خرج ومن الشام بجائزۃ من اجیز بھا

عمر پر کوئی بات مخفی نہین رہتی تھی عراق مین جن لوگون نے خروج کیا اور شام مین جن لوگون کو انعام دیے گئے سب اُن کو لکھا جاتا تھا،

محکمۂ خبر رسانی کی سرگرمی کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ نعمان بن عدی حاکم میسان نے عیش و عشرت مین مبتلا ہوکر اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جسمین یہ شعر بھی تھا،

لعل امیر المومنین یسوءہ
تنادمنا بالجوسق المتھدم

غالباً امیر المومنین بُرا مانین گے کہ ہم لوگ
محلون مین رندانہ صحبتین رکھتے ہین،

اس محکمہ کو میان بی بی کے راز و نیاز کی بھی خبر ہوگئی حضرت عمرؓ نے نعمان کو معزول کرکے لکھا کہ ہان مجکو تمھاری یہ حرکت ناگوار ہوئی[1]،

عدل و انصاف | خلافت فاروقی کا سب سے نمایان وصف عدل و انصاف ہے اُن کے عہد مین کبھی بال برابر بھی انصاف سے تجاوز نہین ہوا، اور شاہ و گدا، شریف و رذیل، عزیز و بیگانہ سب کیلیے ایک ہی قانون تھا، ایک دفعہ عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے عبد اللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا، حضرت عمرؓ نے اُسی مضروب سے اُن کے کوڑے لگوائے عمرو بن العاصؓ بھی موجود تھے، دونون باپ بیٹے خاموشی سے عبرت کا تماشا دیکھا کیے اور دم نہ مار سکے[2]، جبلہ بن ایہم رئیس شام نے کعبہ کے طواف مین ایک شخص کو طمانچہ مارا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو اُنھون نے جواب دیا کہ جیسا کیا ویسا پایا، جبلہ کو اس جواب سے حیرت ہوئی اور مرتد ہوکر قسطنطنیہ بھاگ گیا،

حضرت عمرؓ نے لوگون کی تنخواہین مقرر کین تو اُسامہ بن زیدؓ جو پہلے غلام تھے اُن کی تنخواہ

---

[1] استیعاب ج ۱ تذکرۂ نعمان بن عدی، [2] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۵۵،

اپنے بیٹے عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی، عبداللہؓ نے عذر کیا کہ واللہ اسامہ کسی بات مین ہم سے بڑھ کر فائق نہین ہین حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہان، لیکن رسول اللہؐ اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے[1]

فاروقی عدل و انصاف کا دائرہ صرف مسلمانون تک محدود نہ تھا بلکہ ان کا ایوانِ عدل مسلمان، یہودی، عیسائی، سب کیلیے یکسان تھا، قبیلۂ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا، حضرت عمرؓ نے لکھا کہ قاتل وارثانِ مقتول کے حوالہ کردیا جائے، چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا سپرد کردیا گیا اور اس نے اسکو قتل کرڈالا، ایکدفعہ حضرت عمرؓ نے ایک پیر کہن سال کو گداگری کرتے دیکھا پوچھا تو بھیک کیون مانگتا ہے؟ اُس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے حالانکہ مین بالکل مفلس ہون، حضرت عمرؓ اسکو اپنے گھر پر لے آئے اور کچھ نقد دیکر مہتممِ بیت المال کو لکھا کہ اس قسم کے ذمی مساکین کے لیے بھی وظیفہ مقرر کردیا جائے، واللہ یہ انصاف نہین ہے کہ اُن کی جوانی سے ہم متمتع ہون اور بڑھاپے مین اُن کی خبرگیری نہ کرین[2]

عربوس کے عیسائیون کو اُن کی متواتر بغاوتون کی بنا پر جلا وطن کیا گیا مگر اس طرح کہ اُن کی تمام املاک کی دوچند قیمت دیدی گئی[3] نجران کے عیسائیون کو جلا وطن کیا گیا تو اُن کے ساتھ بھی عمدہ سلوک کیا گیا،[4]

علم و فضل

اسلام سے قبل عرب مین لکھنے پڑھنے کا چندان رواج نہ تھا، چنانچہ جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے تو قبیلۂ قریش مین صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے، حضرت عمرؓ نے اُسی زمانہ

[1] مستدرک حاکم ج ۳ مناقب عبداللہ بن عمرؓ [2] کتاب الخراج ۷۲ [3] فتوح البلدان ص ۳۴ [4] طبری ۲۱۶۲

لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا[1]،

حضرت عمرؓ کے فرامین، خطوط، توقیعات اور خطبے اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں، اُن سے اُن کی قوتِ تحریر، برجستگیِ کلام اور زورِ تقریر کا اندازہ ہو سکتا ہے، بیعتِ خلافت کے بعد جو خطبہ دیا ہے اُس کے چند فقرے یہ ہیں،

اللھم انی غلیظ فلینی اللھم انی	اے خدا میں سخت ہوں تو مجھ کو نرم کر میں کمزور ہوں مجھکو
ضعیف فقونی الا وان العرب جمل	قوت دے، ہان عرب والے سرکش اونٹ ہیں جنکی
آنف وقد اعطیت خطامہ الا وانی	مہاریں میرے ہاتھ میں دی گئی ہے لیکن میں اُن کو راستہ
حاملہ علی المحجۃ،	پر چلا کر چھوڑوں گا،

قوتِ تحریر کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام لکھا گیا تھا[2]، اُسکے چند فقرے یہ ہیں،

اما بعد فان القوۃ فی العمل ان لا تؤخروا	اما بعد مضبوطی عمل کی یہ ہے کہ آج کا کام کل پر
عمل الیوم لغد فانکم اذا فعلتم ذالک	نہ اُٹھا رکھو، ایسا کروگے تو تمھارے پاس بہت سے کام
تدارکت علیکم اعمالکم فلم تدروا	جمع ہو جائیں گے پھر پریشان ہو جاؤگے کہ کس کو کریں
ایھا تاخذون فاضعتم،	اور کس کو چھوڑیں اس طرح کچھ بھی نہو سکے گا،

شاعری میں خاص مہارت رکھتے تھے بالخصوص تنقیدی حیثیت سے تمام شعراء کے کلام پر اُن کی خاص رائیں تھیں، مشاہیر میں سے زہیر کے کلام کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے[3]، لیکن اس کی طرف زیادہ توغل نہ تھا،

فصاحت و بلاغت کا یہ حال تھا کہ ان کے بہت سے مقولے ضرب المثل بن گئے جو آج

---

[1] بلاذری ص ۴۷۷ [2] ابن رشیق صفحہ ۱۳ [3] کتاب العمدہ میں اُن کے اشعار نقل کیے ہیں،

ادب عربی کی جان ہین، علم الانساب مین بھی یہ طولی حاصل تھا، کیونکہ یہ علم کئی پشتون سے ان کے خاندان مین چلا آتا تھا، اُن کے والد خطاب مشہور نساب تھے، جاحظ نے لکھا ہے کہ جب وہ انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے[1] معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مدینہ ہو کر عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی، مسند دارمی مین ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لیگئے اور پڑھنا شروع کیا، وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا[2] اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ عبرانی زبان سے اسقدر واقف ہو گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے،

حضرت عمرؓ فطرۃً ذہین طباع اور صائب الراے واقع ہوے تھے[3] اصابت راے کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہو گی کہ ان کی بہت سی رائین مذہبی احکام بن گئین، اذان کا طریقہ حضرت عمرؓ کی راے کے موافق قائم ہوا، اسیران بدر کے متعلق جو راے دی وحی الہی نے اسی کی تائید کی، تحریم خمر، ازواج مطہراتؓ کے پردہ اور مقام ابراہیمؑ کو مُصلّے بنانے کے متعلق حضرت عمرؓ نے نزول وحی سے پہلے رسول مقبول صلعم کو راے دی تھی[4]

حضرت عمرؓ کو بارگاہ نبوت مین جو خاص تقرب حاصل تھا اُسکے لحاظ سے قدرۃً انکو شرعی احکام اور عقائد سے واقف ہونے کا زیادہ موقع ملا، اور چونکہ طبیعت نکتہ رس واقع ہوئی تھی، اس لیے آئندہ نسلون کے لیے اجتہاد اور استنباطِ مسائل کی وسیع شاہراہ قائم کر دی، وہ خود آنحضرتؐ کے زمانہ مین بھی شرعی مسائل پر غور و فکر کیا کرتے تھے اور اگر کوئی مسئلہ خلاف عقل معلوم ہوتا تھا تو آپ سے دریافت کرتے تھے، سفر مین قصر کا حکم دیا گیا تھا، لیکن جب راستے امون ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اب سفر مین یہ حکم کیون باقی ہے؟ رسول اللہؐ نے

[1] کتاب البیان والتبیین ج ۱ ص ۱۱۷، [2] مسند دارمی ص ۶۲، [3] تاریخ الخلفاء ص ۱۲، [4] بخاری کے مختلف ابواب مین یہ واقعات مذکور ہین،

فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے۔

مسائل دریافت کرنے مین مطلقاً پس وپیش نہین کرتے تھے اور نہایت جرأت اور آزادی کے ساتھ ایک ہی مسئلہ کو بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے، کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے اُنھون نے بار بار آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ آپ دق آگئے اور فرمایا سورۂ نساء کی آخر آیت تیرے لیے کافی ہے[1]

وہ نہایت غور وتوجہ کے ساتھ قرآن پاک تلاوت کرتے تھے اور ہر ایک آیت پر ایک مجتہدانہ حیثیت سے نگاہ ڈالتے تھے، ایک دن صحابہؓ کے مجمع مین اس آیت کے معنی پوچھے ایود احدکم ان تکون لہ جنۃ لوگون نے کہا واللہ اعلم حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اس مین ایک کام کرنے والے کی تمثیل دی گئی ہے، چونکہ جواب ناتمام تھا حضرت عمرؓ نے اسپر قناعت کی، لیکن عبداللہ بن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ اُس آدمی کی تمثیل ہے جسکو خدا نے دولت ونعمت دی کہ خدا کی بندگی بجا لائے، لیکن اس نے نافرمانی کی تو اُس کے اچھے اعمال بھی برباد کردیے جائینگے[2]

حضرت عمرؓ قرآن مجید سے استدلال لانے مین نہایت مہارت رکھتے تھے، عراق وشام کی فتح کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ ممالک مفتوحہ مجاہدین کی ملکیت اور وہان کے باشندے اُن کے غلام ہین، حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی ایک شخص یا بہت سے مخصوص اشخاص کی ملکیت نہین ہین بلکہ وقف عام ہین اور استدلال مین یہ آیت پیش کی

وما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القری الخ

سلسلۂ احادیث مین جسقدر مرفوع احادیث حضرت عمرؓ سے مروی ہین اُن کی تعداد

[1] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۲۵ [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۵۱

ستر سے زیادہ نہین ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ صرف اسی قدر احادیث سے واقف تھے بلکہ درحقیقت اُنھون نے اپنے عہدِ خلافت مین جسقدر احکام صادر فرمائے ہین وہ سب احادیث ہی سے ماخوذ ہین، یہ دوسری بات ہے کہ اس مین رسول اللہؐ کا نام نہین لیا ہے، اور نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ رسول اللہؐ کی طرف کسی قول کو منسوب کرنے مین نہایت محتاط تھے اور جب تک اس کے ہر لفظ پر یقین نہوتا تھا کہ رسول اللہؐ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے اس وقت تک ہرگز ہرگز زبان سے قال رسول اللہ کا لفظ نہین نکالتے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ خود بھی بہت کم احادیث روایت کرتے تھے اور دوسرون کو بھی کثرتِ روایت سے روکتے تھے، چنانچہ علامہ ذہبی حضرت عمرؓ کے حالات مین لکھتے ہین،

وَقَدْ كَانَ عمر من وجلہ یخطی الصاحب علی رَسُوْل اللہ یأمرھم ان یقلوا الروایۃ عن نبیہم[1]

حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرتؐ سے روایت کرنے مین غلطی کرین اُنکو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ صلعم سے روایت کم کرین،

[1] تذکرۃ الحفاظ ذہبی جلد ۱ ص ۶

محدث کا سب سے بڑا فرض روایات کی تحقیق و تنقید اور جرح و تعدیل ہے، اگرچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اپنے عہد مین روایت کے قبول کرنے کے لیے ثبوت اور شہادت کا خیال رکھا لیکن حضرت عمرؓ کو اسمین بہت زیادہ غلو تھا اور جب تک روایت و درایت دونون حیثیت سے اس کا ثبوت نہ پہونچتا قبول نہ کرتے، اس کی مثالین تفصیل کے ساتھ مذہبی خدمات کے سلسلہ مین مذکور ہو چکی ہین، اس لیے بیان اعادہ کی ضرورت نہین،

فقہ کا سلسلہ بھی درحقیقت حضرت عمرؓ ہی کا ساختہ و پرداختہ ہے، اُن سے اس قدر فقہی مسائل منقول ہین کہ اگر جمع کیے جائین تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، استنباطِ احکام اور تفریعِ مسائل کیلیے بھی اُنھون نے ایک شاہراہ قائم کردی تھی مختلف فیہ مسائل کے طے کرنے کے لیے اجماعِ صحابہ جس کثرت سے حضرت عمرؓ کے عہد مین ہوا پھر نہین ہوا،

اخلاق وعادات

حضرت سرورِ کائنات صلعم کی بعثت کا حقیقی مقصد دنیا کو برگزیدہ اور پسندیدہ اخلاق کی تعلیم دینا تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق چونکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو براہ راست اس سرچشمۂ اخلاق سے سیراب ہونے کا موقع ملا تھا، اس لیے اس جماعت کا ہر فرد اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھا لیکن حضرت عمرؓ کو جو تقرب خاص حاصل تھا اس کے لحاظ سے اُن کو زیادہ حصہ ملا، وہ محاسن ومحامد کی مجسم تصویر تھے اور اُن کے آئینۂ اخلاق میں خلوص، انقطاع الی اللہ، لذائذ دنیا سے اجتناب، حفظ لسان، حق پرستی، راست گوئی، تواضع اور سادگی کا عکس سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، حضرت عمرؓ کے یہ اوصاف خود اُن کی ذات تک محدود نہ تھے، بلکہ جو اُن کی صحبت میں رہتا تھا وہ بھی کم وبیش متاثر ہو کر اس قالب میں ڈھل جاتا تھا، مسور بن مخرمہؓ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ اُن سے پرہیزگاری وتقوی سیکھیں، عہد فاروقی کے افسروں اور عہدہ داروں کے حالات کا بغور مطالعہ کرو، تم کو معلوم ہوگا کہ وہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے،

خوفِ خدا اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ خشیتِ الٰہی اور خداوند جل وعلا کی جبروتیت وعظمت کا غیر متزلزل یقین ہے، جو دل خشوع وخضوع اور خوفِ خداوندی سے خالی ہوتا ہے اس کی حقیقت ایک مضغۂ گوشت سے زیادہ نہیں ہوتی، حضرت عمرؓ خشوع وخضوع کے ساتھ رات رات بھر نمازیں پڑھتے جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو

جگاتے اور یہ آیت پڑھتے وامر اھلک بالصلوۃ[1] نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے جن میں قیامت کا ذکر یا خدا کی عظمت وجلال کا بیان ہوتا، اور اس سے اس قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی، حضرت عبداللہ بن شداد کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا لیکن حضرت عمرؓ یہ آیت انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ پڑھ کر اس زور سے روتے تھے کہ میں رونے کی آواز سنتا تھا[2] حضرت امام حسنؑ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہونچے اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَالَہٗ مِن دَافِعٍ[3] تو بہت متاثر ہوئے، اور روتے روتے آنکھیں سوج گئیں، اسی طرح ایک دفعہ اس آیت پر واذا القوا منھا مکاناً ضیقاً مقرنین دعوا ھنالک ثبوراً، اسقدر خضوع وخشوع طاری ہوا کہ اگر کوئی شخص جو اُن کے حال سے واقف نہ ہوتا دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ اسی حالت میں روح پرواز کر جائیگی، رقت قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ ایک روز صبح کی نماز میں سورہ یوسف شروع کی اور جب اس آیت پر پہونچے وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم تو زار وقطار رونے لگے، یہانتک کہ قرآن ختم کرکے رکوع پر مجبور ہوگئے[4]

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا، صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی سے کہا کہ "تم کو یہ پسند ہے کہ ہم رسول اللہ صلعم کے ساتھ اسلام لائے ہجرت کی، جہاد اور نیک اعمال کیے، اسکے بدلہ میں دوزخ سے بچ جائیں اور عذاب وثواب برابر ہو جائے" بولے خدا کی قسم نہیں ہم نے آپ کے بعد بھی روزہ رکھا، نماز پڑھی، بہت سے نیک کام کیے، اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے ہم کو اُن اعمال سے بڑی بڑی توقعات

---

[1] موطا امام مالک باب ماجاء فی صلوۃ اللیل [2] بخاری کتاب الصلوۃ باب اذا بکی الامام فی الصلوۃ [3] ترجمہ تیرے رب کا عذاب یقینی ہوکر رہنے والا ہے اُسکو کوئی دفع کرنیوالا نہیں ہے، [4] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۷

ہیں" حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے تو یہی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ آپ عذاب سے بچ جائیں اور نیکی اور بدی برابر ہو جائیں ایک بار راہ میں ایک تنکا اٹھا لیا اور کہا "کاش میں بھی خس و خاشاک ہوتا، کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا! کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی" غرض حضرت عمرؓ کا دل ہر لمحہ خوفِ خداوندی سے لرزاں و ترساں رہتا تھا، آپ فرماتے کہ "اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا کے لوگ جنتی ہیں تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہو گا کہ شائد وہ ایک بدقسمت انسان میں ہی ہوں"

حبِ رسول اور اتباعِ سنت

تہذیبِ نفس اور اخلاقِ حمیدہ سے مزین ہونے کے لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے دل میں مبدءِ خلقِ عظیم یعنی رسول اکرم صلعم کی خالص محبت اور اتباعِ سنت کا صحیح جذبہ پیدا کرے، جو دل رسول اللہ کی محبت سے خالی اور جو قدم اسوۂ حسنہ کے جادۂ مستقیم سے منحرف ہے وہ کبھی سعادتِ کونین کی نعمت سے متمتع نہیں ہو سکتا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ اپنی جان کے سوا حضور تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں، ارشاد ہوا عمر! میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہونا چاہیے، حضرت عمرؓ نے کہا اب حضور اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں!

حضرت عمرؓ جمالِ نبوت کے سچے شیدائی تھے ان کو اس راہ میں جان، مال، اولاد اور عزیز و اقارب کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا، عاصی بن ہشام جو حضرت عمرؓ کا ماموں تھا معرکۂ بدر میں خود ان کے ہاتھ سے مارا گیا، اسیطرح جب آنحضرت صلعم نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے ناراض ہو کر علیحدگی اختیار کر لی تو حضرت عمرؓ نے یہ خبر سن کر حاضرِ خدمت ہونا چاہا، بار بار اذن طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملی تو پکار کر کہا "خدا کی قسم میں حفصہ کی سفارش کے لیے نہیں آیا ہوں اگر رسول اللہ حکم دیں

۱؎ بخاری باب ایام الجاہلیہ ۲؎ کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۵، ۳؎ ایضاً،

تو اس کی گردن مار دوں گا،

حضرت عمرؓ کی محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہؐ نے وفات پائی تو ان کو کسی طرح اس کا یقین نہیں آتا تھا، مسجد نبوی میں حالت وارفتگی میں قسمیں کھا کھا کر اعلان کرتے تھے کہ جو کہے گا کہ میرا محبوب آقا دنیا سے اٹھ گیا تو اس کا سر اڑا دوں گا' آپ کے وصال کے بعد جب کبھی عہد مبارک یاد آجاتا تو رقت طاری ہو جاتی اور روتے روتے بیتاب ہو جاتے، ایک دفعہ سفر شام کے موقع پر حضرت بلالؓ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو رسول اللہؐ کی یاد تازہ ہو گئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی[۱]،

قاعدہ ہے کہ محبوب کا عزیز بھی عزیز ہوتا ہے اس بنا پر جن لوگوں کو آنحضرتؐ اپنی زندگی میں عزیز رکھتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے ایام خلافت میں اُن کا خاص خیال رکھا، اسامہؓ ابن زید کی تنخواہ اپنے بیٹے عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی، عبداللہؓ نے عذر کیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ اسامہؓ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے[۲]، اسیطرح فتح مدائن کے بعد مال غنیمت آیا تو حضرت عمرؓ نے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو ہزار ہزار درہم مرحمت فرمائے اور اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ کو صرف پانچ سو دیئے، حضرت عبداللہؓ نے عذر کیا اور کہا کہ جب یہ دونوں بچے تھے اسوقت بھی میں رسول اللہؐ کے ساتھ معرکوں میں پیش پیش رہا ہوں، حضرت عمرؓ نے کہا ہاں! لیکن اُن کے بزرگوں کا جو رتبہ ہے وہ تیرے باپ دادا کا نہیں ہے،

حضرت عمرؓ ازواج مطہراتؓ کی راحت و آسایش اور عزت و احترام کا بھی خاص لحاظ رکھتے تھے چنانچہ اُن کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں اور یہ سب سے بڑی مقدار تھی[۳]،

۱؎ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۵۲، ۲؎ فتوح الشام ازدی فتح بیت المقدس ۳؎ مستدرک جلد ۳ مناقب عبداللہ بن عمرؓ ۴؎ کتاب الخراج صفحہ ۲۴،

سنہ ۲۳ ہجری میں جب امیر الحاج بنکر گئے تو ازواج مطہراتؓ کو بھی نہایت ادب و احترام سے ساتھ ہمراہ لے گئے، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا، یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے، اور کسی کو سواریوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے، ازواج مطہراتؓ منزل پر اترتی تھیں تو حضرت عمرؓ کے ساتھ قیام کرتی تھیں اور حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کسی کو قیامگاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے[۱]،

اتباع سنت حضرت عمرؓ کے دستور عمل کا سب سے زرین صفحہ تھا، خورد و نوش، لباس و وضع، نشست و برخاست غرض ہر چیز میں اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے، چونکہ رسول اللہؐ نے ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کیا اس لیے اُنھوں نے بھی روم و ایران کی شاہنشاہی ملنے کے بعد بھی فقر و فاقہ کی زندگی کا ساتھ نہ چھوڑا، ایک دفعہ حضرت حفصہؓ نے کہا کہ اب خدا نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے اس لیے آپ کو نرم کپڑا اور نفیس غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہیے، حضرت عمرؓ نے کہا جان پدر! تم رسول اللہؐ کی عسرت اور تنگ حالی کو بھول گئیں، خدا کی قسم میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا کہ آخرت کی فراغت اور خوش حالی نصیب ہو، اس کے بعد وہ دیر تک رسول اللہؐ کی عسرت کا تذکرہ کرتے رہے، یہانتک کہ حضرت حفصہؓ بیتاب ہو کر رونے لگیں[۲]

ایک دفعہ یزید بن ابی سفیان کے ساتھ شریک طعام ہوئے معمولی کھانے کے بعد دسترخوان پر جب عمدہ کھانے لائے گئے تو حضرت عمرؓ نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے اگر تم رسول اللہؐ کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تمکو جادۂ مستقیم سے منحرف کر دیگا[۳]،

[۱] ابن سعد تذکرہ عبد الرحمن بن عوف [۲] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۹ [۳] ایضاً ۳۴۲،

اسلام میں شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے، آنحضرت صلعم نے حجر اسود کو بوسہ دیا تھا حضرت عمرؓ کو اپنے زمانۂ خلافت میں جب اس کا موقع پیش آیا تو خیال ہوا کہ ایسا نہو کہ اس پتھر کے بوسہ دینے سے کبھی مسلمانوں کو یہ دھوکا ہو کہ اسمین بھی الٰہی شان ہے، اس لیے حجر اسود کو بوسہ دیا تو حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا،

انی اعلم انک حجر و انک لا تضر و لا	مین جانتا ہون کہ تو ایک پتھر ہے نہ نقصان پہونچا سکتا ہے
تنفع و لو لا انی رأیت رسول اللہ	نہ نفع اگر مین رسول اللہ کو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو تجھے ہرگز
یقبلک ما قبلتک،	بوسہ نہ دیتا،

اسیطرح طواف مین رمل کا حکم مشرکین کو رعب دلانے پر مبنی تھا لیکن جب خدا نے ان کو ہلاک کر دیا تو حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اب رمل سے کیا فائدہ ہے مگر پھر آنحضرت کی یادگار کو ترک کرنے پر جرأت نہوئی،[1]

حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلعم کو جو کام جسطرح کرتے دیکھا تھا ان کی کوشش تھی کہ وہ بھی اسیطرح عمل پیرا ہون، ایکدفعہ رسول اللہؐ نے ذو الحلیفہ مین دو رکعت نماز پڑھی تھی حضرت عمرؓ جب اس طرف سے گذرتے تو اس جگہ دو رکعت نماز ادا کر لیتے تھے، ایک شخص نے پوچھا یہ نماز کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مین نے یہان رسول اللہ صلعم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا،[2]

حضرت عمرؓ کی کوشش صرف اپنی ذات تک محدود نہ تھی بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ہر شخص کا دل اتباعِ سنت کے جذبہ سے لبریز ہو جائے، ایکدفعہ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص مسجد مین داخل ہوا، حضرت عمرؓ نے عین خطبہ کی حالت مین اسکی طرف دیکھا اور کہا یہ کیا وقت ہے؟ اُنھون نے کہا مین بازار سے آرہا تھا کہ اذان سُنی، وضو کر کے فوراً حاضر ہوا،

[1] بخاری کتاب الحج، [2] مسلم باب الصلوٰۃ بذی الحلیفہ،

حضرت عمرؓ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔[1]

زہد وقناعت: دنیا طلبی اور حرص تمام بد اخلاقیوں کی بنیاد ہے، اس لیے حضرت عمرؓ کو اس سے طبعی نفرت تھی، یہاں تک کہ خود اُن کے ہمرتبہ معاصرین کو اعتراف تھا کہ وہ زہد وقناعت کے میدان میں سب سے آگے ہیں حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ قدامتِ اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن خطابؓ پر فوقیت حاصل ہے لیکن زہد وقناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں، صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلعم جب حضرت عمرؓ کو کچھ دینا چاہتے تھے وہ عرض کرتے تھے کہ مجھ سے زیادہ حاجتمند لوگ موجود ہیں اور وہ اس عطیہ کے زیادہ مستحق ہیں، آنحضرتؐ ارشاد فرماتے کہ اسکو لے لو پھر تمھیں اختیار ہے اپنے پاس رکھو یا صدقہ کردو، انسان کو اگر بے طلب ملجائے تو لے لینا چاہیئے۔[2]

حضرت عمرؓ کا جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑے سے مس نہیں ہوا، بدن پر بارہ بارہ پیوند کا کرتہ، سر پر پھٹا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی جوتیاں ہوتی تھیں، پھر اسی حالت میں قیصر وکسریٰ کے سفیروں سے ملتے تھے، اور وفود کو اپنے دربار میں باریاب کرتے تھے، مسلمانوں کو شرم آتی تھی، مگر تسلیم زہد کے شہنشاہ کے آگے کون زبان کھولتا ؟ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے کہا امیر المومنین! اب خدا نے مرفہ الحال کیا ہے بادشاہوں کے سفرا، اور عرب کے وفود آتے رہتے ہیں، اس لیے آپ کو اپنے طرز معاشرت میں تغیر کرنا چاہیئے، حضرت عمرؓ نے کہا افسوس تم دونوں امہات المومنین ہو کر دنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو، عائشہؓ! تم رسول اللہؐ کی اس حالت کو بھول گئیں کہ تمھارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جسکو دن کو بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے، حفصہ! تم کو یاد نہیں ہے کہ ایک دفعہ تم نے فرش کو

[1] بخاری کتاب الجمعہ باب فضل الغسل یوم الجمعہ، [2] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی الاستعفاف،

دُہرا کرکے بچھا دیا تھا تو رسول اللہؐ اس کی نرمی کے باعث رات بھر سوتے رہے اور جب بلال رضؓ نے اذان دی تو آنکھ کھلی، اُسوقت آپ نے فرمایا،

یا حفصۃ ماذا صنعت ثنیت المھاد — حفصہ! تم نے یہ کیا کیا کہ فرش کو دہرا کردیا کہ میں صبح تک

حتی ذھب بی النوم الی الصباح مالی — سوتا رہا، مجھے دنیا دی راحت سے کیا تعلق ہے اور فرش

وللدنیا ومالی شغلتمونی بلین الفراش[1] — کی نرمی سے تم نے مجھے کیوں غافل کردیا؟

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اپنا گزی کا کرتہ ایک شخص کو دھونے اور پیوند لگانے کے لیے دیا اُس نے اُسکے ساتھ ایک نرم کپڑے کا کرتہ پیش کیا، حضرت عمرؓ نے اسکو واپس کردیا اور اپنا کرتہ لیکر کہا اسمین پسینہ خوب جذب ہوتا ہے[2]

کپڑا عموماً گرمی مین بنواتے تھے اور پھٹ جاتا تو پیوند پر پیوند لگاتے تھے حضرت حفصہؓ نے اُسکے متعلق گفتگو کی تو فرمایا مسلمانون کے مال مین سے اس سے زیادہ تصرف نہین کرسکتا[3] ایک دفعہ دیر تک گھر مین رہے باہر آئے تو لوگ انتظار کررہے تھے معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے اس لیے انھی کپڑون کو دُھوکر سوکھنے کو ڈال دیا تھا، خشک ہوگئے تو وہی پہنکر باہر نکلے،

غذا بھی عموماً نہایت سادہ ہوتی تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا، روٹی اکثر گیہون کی ہوتی تھی لیکن آٹا چھانا نہین جاتا تھا، مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی اُن کو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہین ہوتے تھے حفص بن ابی العاص کھانے کے وقت موجود ہوتے تھے لیکن شریک نہین ہوتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے وجہ پوچھی تو کہا کہ آپ کے دسترخوان پر ایسی سادہ اور معمولی غذا ہوتی ہے کہ ہم لوگ اپنے لذیذ اور نفیس کھانون پر اُسکو ترجیح نہین دے سکتے حضرت عمرؓ نے کہا کیا تم

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۵۰۳، [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۶، [3] ایضاً صفحہ ۳۴۲،

سمجھتے ہو کہ مین قیمتی اور لذیذ کھانا کھانے کی مقدرت نہین رکھتا، قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ مین میری جان ہے اگر قیامت کا خوف نہوتا تو مین بھی تم لوگون کی طرح دنیا وی عیش و عشرت کا دلدادہ ہوتا[1]،

حضرت عمرؓ ہر شخص کو اپنی طرح زہد اور سادگی کی حالت مین دیکھنا چاہتے تھے، وقتاً فوقتاً اپنے عمال اور حکام کو ہدایت کرتے رہتے تھے کہ رومیون اور عجمیون کی معاشرت نہ اختیار کرین، سفر شام مین جب افسرون کو اس وضع مین دیکھا کہ بدن پر حریر و دیبا کے حلے اور پر تکلف قبائین تھین اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے تو حضرت عمرؓ کو اسقدر غصہ آیا کہ گھوڑے سے اُتر پڑے اور سنگریزے اُٹھا کر اُن کی طرف پھینکنے لگے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتین اختیار کر لین، اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص جسکو انھون نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا اس صورت سے ملنے آیا کہ لباس فاخرہ زیب بدن کیے ہوئے تھا اور بالون مین خوب تیل پڑا ہوا تھا، تو حضرت عمرؓ نہایت ناراض ہوے اور وہ کپڑے اتروا کر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا،

احنف بن قیس ایک جماعت کے ساتھ عراق کی ایک مہم پر روانہ کیے گئے، وہ وہان سے کامیاب ہو کر تزک و احتشام کے ساتھ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے اُن کے زرق برق پوشاک کو دیکھ کر منھ پھیر لیا، وہ لوگ امیر المومنین کو برہم دیکھ کر دربار سے اُٹھ آئے اور عرب کی سادہ پوشاک زیب تن کر کے پھر حاضرِ خدمت ہوئے حضرت عمرؓ اس لباس مین دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرداً فرداً ہر ایک سے بغلگیر ہوئے،

قناعت کا یہ حال تھا کہ اپنے ایامِ خلافت مین چند برس تک مسلمانون کے مال سے

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۶،

ایک خرچہ نہین لیا حالانکہ فقر و فاقہ سے حالت تباہ تھی، صحابہ نے اُن کی عسرت اور تنگدستی کو دیکھکر اسقدر تنخواہ مقرر کردی جو معمولی خوراک اور لباس کیلئے کافی ہو لیکن شہنشاہ قناعت نے اس شرط پر قبول کیا کہ جب تک ضرورت ہے لون گا اور جب میری مالی حالت درست ہوجائیگی کچھ نہ لون گا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا حق مسلمانون کے مال مین اسیقدر ہے جسقدر یتیم کے مال مین ولی کا ہوتا ہے[1] مین اپنی ذات پر اُس سے زیادہ نہین صرف کرسکتا، جسقدر خلافت سے پہلے اپنے مال سے صرف کرتا تھا، ایک دفعہ ربیع بن زیاد حارثی نے کہا امیرالمومنین! آپ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے اُسکے لحاظ سے آپ دنیا مین سب سے زیادہ عیش و نشاط کی زندگی کے مستحق ہین، حضرت عمرؓ نہایت خفا ہوئے اور فرمایا مین قوم کا امین ہون، امانت مین خیانت کب جائز ہے؟[2] اسیطرح ایک دفعہ عتبہ بن فرقد شریکِ طعام تھے اور رُبلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے زبردستی حلق سے فرو کر رہے تھے، حضرت عمرؓ نے کہا اگر تم سے نہین کھایا جاتا تو نہ کھاؤ، عتبہ سے نہ رہا گیا کہنے لگے امیرالمومنین! اگر آپ اپنے کھانے پہننے مین کچھ زیادہ صرف کرین گے تو اس سے مسلمانون کا مال کم نہوجائیگا، حضرت عمرؓ نے کہا، افسوس! تم مجھے دنیاوی عیش و تنعم کی ترغیب دیتے ہو،[3]

حضرت عمرؓ اپنے وسیع کنبہ کے لیے بیت المال سے صرف دو درہم روزانہ لیتے تھے اور تکلیف و عسرت کے ساتھ بسر کرتے تھے، ایک دفعہ حج مین اسی درہم صرف ہوگئے تو آپکو افسوس ہوا کہ اسراف ہوگیا،[4] کپڑے پھٹ جاتے تھے لیکن اس خیال سے کہ بیت المال پر بار نہ پڑے اُسی مین پیوند پر پیوند لگاتے جاتے تھے، حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے مین نے شمار کیا تو اُن کے تہ بند پر بارہ پیوند لگے

---

[1] کنزالعمال جلد ۶ صفحہ ۳۰۳، [2] ایضاً ۳۴۳، [3] ایضاً ۳۴۲، [4] اسدالغابہ ج ۴ ص ۷۲،

ہوے تھے[1] انس بن مالک رضی کا بیان ہے کہ مین نے زمانۂ خلافت مین دیکھا کہ اُن کے کرتے کے مونڈھے پر تہ بہ تہ پیوند لگے ہوے ہین[2] غرض فاروق اعظم رضی اللہ عنہم زہد وقناعت کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ عدیم النظیر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اُن کی عظمت وشان کے تاج پر زہد وقناعت کا طُرّہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے،

خلافت کے بارگران نے حضرت عمرؓ کو بہت زیادہ محتاط بنا دیا تھا کیونکہ اس وقت اُنکی معمولی بے احتیاطی اور فردگذاشت بھی قوم کے لیے صدہا خرابیون کا باعث ہوسکتی تھی، اور شکوک طبایع اُن کی ذراسی لغزش سے طرح طرح کے افسانے اختراع کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے قبیلہ کے لوگون کو کبھی ملکی عہدے نہین دے کہ اس مین جانبداری پائی جاتی تھی، عمال وحکام تحائف بھیجتے تو واپس کردیتے اور اس سختی سے چشم نمائی کرتے کہ پھر کسی کو جرأت نہوتی، ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری رضی نے حضرت عمرؓ کی زوجہ عاتکہ بنت زید کے پاس ہدیۃً ایک نفیس چادر بھیجی، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر کہا مجھے اسکی ضرورت نہین،[3] اسی طرح ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی نے بیت المال کا جائزہ لیا تو وہان صرف ایک درہم موجود تھا انھون نے اس خیال سے کہ یہ یہان کیون پڑا رہے اُٹھا کر حضرت عمرؓ کے ایک صاحبزادے کو دیدیا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو اُنھون نے درہم لیکر بیت المال مین داخل کردیا اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا کہ افسوس تمکو مدینہ مین آل عمرؓ کے سوا اور کوئی کمزور نظر نہ آیا تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام اُمت محمدیہ کا مطالبہ میری گردن پر ہو؟[4]

فتح شام کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہوگئے تھے اور خط وکتابت رہتی تھی،

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۷ [2] موطا امام مالک کتاب باب ما جاء فی لبس الثیاب [3] نزہۃ الابرار تذکرہ حضرت عمرؓ [4] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۱،

ایک دفعہ اُم کلثوم (حضرت عمرؓ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیان بھیجین اُس نے اُس کے جواب مین شیشیون کو جواہرات سے بھر کر بھیجا حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا لیکن قاصد جو لیکر گیا وہ سرکاری تھا اور اُس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کیے گئے غرض وہ جواہرات لیکر بیت المال مین داخل کردیے اور ان کو کچھ معاوضہ دیدیا۔[1] اسیطرح ایک دفعہ بازار مین ایک نہایت فربہ اونٹ فروخت ہوتے دیکھا، دریافت سے معلوم ہوا کہ آپکے صاحبزادے عبداللہ کا ہے، اُن سے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسا ہے؟ اُنھون نے کہا کہ مین نے اسکو خرید کر سرکاری چراگاہ مین بھیجدیا تھا اور اب کچھ فربہ ہوگیا ہے تو بیچنا چاہتا ہون، حضرت عمرؓ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ مین فربہ ہوا ہے اس لیے تم صرف راس المال کے مستحق ہو اور بقیہ قیمت لیکر بیت المال مین داخل کردی۔[1]

حضرت عمرؓ کا تجارتی شغلہ ایام خلافت مین بھی جاری تھا، ایک دفعہ شام کی طرف مال بھیجنا چاہا، روپیہ کی ضرورت ہوئی تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے قرض طلب کیا، اُنھون نے کہا آپ امیرالمومنین ہین بیت المال سے اس قدر رقم قرض لے سکتے ہین حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیت المال سے نہین لون گا کیونکہ اگر ادا کرنے سے پہلے مرجاؤن گا تو تم لوگ میرے ورثہ سے مطالبہ نہ کروگے اور یہ بار میرے سر رہ جائیگا اس لیے چاہتا ہون کہ کسی ایسے شخص سے لون جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو۔[2]

ایک دفعہ بیمار ہوئے طبیبون نے شہد تجویز کیا، بیت المال مین شہد موجود تھا لیکن قلب متقی بغیر مسلمانون کی اجازت کے لینے پر راضی نہ تھا چنانچہ اسی حالت مین مسجد تشریف لائے مسلمانون کو جمع کرکے اجازت طلب کی، جب لوگون نے اجازت دی تو استعمال فرمایا۔[3]

[1] کنز العمال ج ۲ صفحہ ۳۰۲، [2] طبقات ابن سعد جلد ثالث قسم اول صفحہ ۱۹۹ [3] ایضاً صفحہ ۱۹۸،

بحرین سے مال غنیمت مین مشک و عنبر آیا اُسکو مسلمانون مین تقسیم کرنے کے لیے کسی ایسے شخص کی تلاش ہوئی جسکو عطریات کے وزن مین دستگاہ ہو، حضرت عمرؓ کی بیوی عاتکہ بنت زید نے کہا کہ مین اس کام کو نہایت خوب کر سکتی ہون، حضرت عمرؓ نے کہا تم سے یہ کام نہین لون گا کیونکہ مجھے خوف ہے کہ تمھاری انگلیون مین جو کچھ لگ جائے گا اس کو اپنے جسم مین لگا ؤگی اور اس طرح عام مسلمانون سے زیادہ میرے حصہ مین آجائیگا[1]،

ابو موسیٰ اشعری ؓ نے عراق سے زیورات بھیجے، اُسوقت آپ کی گود مین آپ کی سب سے پیاری بھتیجی اسماء بنت زید کھیل رہی تھی، اُس نے ایک انگوٹھی ہاتھ مین لے لی، حضرت عمرؓ نے بلطائف الحیل اُس سے لیکر زیورات مین ملادی، اور لوگون سے کہا کہ اس لڑکی کو میرے پاس سے لیجاؤ، اسی طرح عبد اللہ بن ارقم نے معرکۂ جلولا کے بعد زیورات بھیجے تو آپ کے ایک صاحبزادہ نے ایک انگوٹھی کی درخواست کی، حضرت عمرؓ اس سوال پر خفا ہوے اور کچھ نہ دیا[2]،

ایک دفعہ حضرت حفصہؓ یہ سُنکر کہ مال غنیمت آیا ہے حضرت عمرؓ کے پاس آئین اور کہا امیر المومنین! اس مین میرا حق مجکو عنایت کیجئے مین ذوی القربیٰ مین سے ہون حضرت عمرؓ نے کہا نور نظر! تیرا حق میرے خاص مال مین سے ہے یہ تو غنیمت کا مال ہے افسوس! تونے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا وہ بیچاری خفیف ہوکر چلی گئین[3]،

حضرت عمرؓ کی تمنا تھی کہ اپنے محبوب آقا حضرت سرور کائنات صلعم کے پہلو مین مدفون ہون، حضرت عائشہؓ نے اجازت بھی دیدی تھی مگر خیال تھا کہ شاید خلافت کے

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۰۵، [2] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۰۴، [3] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۰۵،

رعب نے اُنھین مجبور کیا ہو اس لیے اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اجازت لی جائے اگر اذن ہو تو خیر ورنہ عام سلمانون کے قبرستان مین دفن کردینا اس طرح وفات کے بعد بھی فاروق اعظمؓ نے ورع وتقوی کا بدیع المثال نمونہ پیش کیا[1]، رضی اللہ عنہ

تواضع | حضرت عمرؓ کی عظمت وشان اور رعب وداب کا ایک طرف تو یہ حال تھا کہ محض نام سے قیصر وکسری کے ایوانِ حکومت مین لرزہ پیدا ہوجاتا تھا، دوسری طرف تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ کاندھے پر مشک رکھکر بیوہ عورتون کے لیے پانی بھرتے تھے، مجاہدین کی بیویون کا بازار سے سودا سلف خرید کرلادیتے تھے پھر اس حالت مین تھک کر مسجد کے گوشہ مین فرشِ خاک پر لیٹ جاتے تھے،

ایک دفعہ اپنے ایامِ خلافت مین سر پر چادر ڈالکر باہر نکلے ایک غلام کو گدھے پر سوار جاتے دیکھا چونکہ تھک گئے تھے اس لیے اپنے ساتھ بٹھالینے کی درخواست کی اسکے لیے اس سے زیادہ کیا شرف ہوسکتا تھا فوراً اتر پڑا اور سواری کے لیے اپنا گدھا پیش کیا، حضرت عمرؓ نے کہا مین اپنی وجہ سے تھین تکلیف نہین دے سکتا، تم جسطرح سوار تھے سوار ہو مین تمھارے پیچھے بیٹھ لون گا غرض اسی حالت سے مدینہ کی گلیون مین داخل ہوئے، لوگ امیرالمومنین کو ایک غلام کے پیچھے دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے[2]،

بارہا سفر کا اتفاق ہوا لیکن خیمہ وخرگاہ کبھی ساتھ نہین رہا، درخت کا سایہ شامیانہ اور فرشِ خاک بستر تھا، سفرِ شام کے موقع پر سلمانون نے اس خیال سے کہ عیسائی امیرالمومنین کے معمولی لباس اور بے سروسامانی کو دیکھکر اپنے دل مین کیا کہین گے سواری کے لیے

[1] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ [2] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۵۴،

ترکی گھوڑا اور پہننے کے لیے قیمتی لباس پیش کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے،

ایکدن صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل مل رہے تھے ایک شخص نے کہا امیرالمؤمنین یہ کام کسی غلام سے لیا ہوتا، بولے مجھ سے بڑھکر کون غلام ہوسکتا ہے، جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ اُن کا غلام بھی ہے[1]،

تشدد و رحم حضرت عمرؓ کی تندمزاجی کے افسانے نہایت کثرت سے مشہور ہیں، اور ایک حد تک اُن کی اصلیت بھی موجود ہے لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے کہ قدرت نے اُنکو لطف اور رحمدلی سے بالکل ناآشنا رکھا تھا، اصل یہ ہے کہ ان کا غیظ و غضب بھی خدا کے لیے تھا اور لطف و رحم بھی اسی کے لیے جیسا کہ ایک موقع میں خود ارشاد فرمایا تھا،

واللّٰہ لان قلبی فی اللّٰہ حتی لھو الین	واللہ میرا دل خدا کے بارہ میں نرم ہوتا ہے تو جھاگ سے
من الزبد ولقد اشتد قلبی فی اللّٰہ	بھی نرم ہوجاتا ہے اور سخت ہوتا ہے تو پتھر سے
لھو اشد من الحجر،	بھی زیادہ سخت ہوتا ہے،

مثال کے طور پر چند واقعات درج ذیل ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ کا غصہ اور لطف و رحم محض خدا کے لیے تھا ذاتیات کو مطلقاً دخل نہ تھا،

غزوۂ بدر میں کافروں نے بنوہاشم کو لڑنے پر مجبور کیا تھا اس لیے رسول اللہ صلعم نے حکم دیا کہ عباسؓ وغیرہ کہیں نظر آئیں تو اُن کو قتل نہ کرنا، ابوحذیفہؓ کی زبان سے نکل گیا، کہ بنوہاشم میں کیا خصوصیت ہے اگر عباسؓ سے مقابلہ ہوگیا تو ضرور مزہ چکھاؤں گا حضرت عمرؓ یہ گستاخی دیکھکر آپے سے باہر ہوگئے اور کہا اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر اڑادوں[2]،

[1] کنزالعمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۲ [2] ابن سعد قسم اول جزء ۴ تذکرہ عباس صفحہ ۴،

حاطب بن ابی بلتعہ نے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے کفارِ مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی یہ راز معلوم ہوا تو حضرت عمرؓ نے برافروختہ ہوکر آنحضرت صلعم سے کہا کہ اجازت دیجیے کہ اسکو قتل کردون[1] اسی طرح ذو الخویصرہ نے ایک دفعہ گستاخانہ کہا "محمد! عدل کر" حضرت عمرؓ غصہ سے بیتاب ہوگئے اور اُسکو قتل کر دینا چاہا لیکن رحمۃ للعالمینؐ نے منع کیا[2]، غرض اسی قسم کے متعدد واقعات ہین جن سے اگرتم مزاج کی سختی کا اندازہ کرسکتے ہو تو دوسری طرف للہیت کا بھی اعتراف کرنا پڑے گا،

ایامِ خلافت مین جو سختیان ظاہر ہوئین وہ اصولِ سیاست کے لحاظ سے نہایت ضروری تھین، حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی، حکام سے سختی کے ساتھ بازپرس، مذہبی پابندی کے لیے تنبیہ و تعزیر، یہ اور اسی قسم کے تمام امور حضرت عمرؓ کے فرائضِ منصبی مین داخل تھے اس لیے اُنھون نے جو کچھ کیا وہ منصبِ خلافت کی حیثیت سے اُن پر واجب تھا، ورنہ اُن کا دِل لطف و محبت کے شریفانہ جذبات سے خالی نہ تھا بلکہ وہ جسقدر مذہبی اور انتظامی معاملات مین سختی اور تشدد کرتے تھے اس سے زیادہ ہمدردی کے موقعون مین لطف و رحم کا برتاؤ کرتے تھے، خدا کی ذی عقل مخلوق مین غلامون سے زیادہ قابلِ رحم حالت کسی کی نہین ہوگی؟ حضرت عمرؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ مین لینے کے ساتھ تمام عربی غلامون کو آزاد کرادیا[3] اور یہ قانون بنادیا کہ اہلِ عرب کبھی کسی کے غلام نہین ہوسکتے، کنز العمال مین بتصریح اُن کا قول مذکور ہے کہ لا یسترق عربی یعنی عربی غلام نہین ہوسکتا، عام غلامون کا آزاد کرانا بہت مشکل تھا تاہم اُن کے حق مین بہت سی مراعاتین قائم کین، مجاہدین کی تنخواہین مقرر ہوئین تو

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح و مابعث بہ حاطب بن ابی بلتعہ [2] بخاری کتاب استعانۃ المعاندین باب من ترک قتال الخوارج للتالف و لا ینفر الناس عنہ، [3] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۵۸،

آقا کے ساتھ اسی قدر اُسکے غلام کی تنخواہ بھی مقرر ہوئی[1]، اکثر غلامون کو بلا کر ساتھ کھانا کھلاتے، ایک شخص نے دعوت کی تو محض اسوجہ سے برافروختہ ہو کر اُٹھ گئے کہ اس نے دسترخوان پر اپنے غلامون کو نہین بٹھایا تھا، آپ اکثر حاضرین کو سُنا کرتے تھے کہ جو لوگ غلامون کو اپنے ساتھ کھلانا عار سمجھتے ہین خدا اُن پر لعنت بھیجتا ہے، غلامون کے لیے سب سے تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ کوئی غلام اپنے اعزہ سے جدا نہ کیا جائے[2]،

۱۸ھ مین قحط پڑا تو حضرت عمرؓ کی بیقراری قابل دید تھی، دور دراز ممالک سے غلہ منگوا کر تقسیم کیا، گوشت گھی، اور دوسری مرغوب غذائین ترک کر دین، اپنے لڑکے کے ہاتھ مین خربزہ دیکھا تو خفا ہوئے کہ قوم فاقہ مست ہے اور تو تفکہات سے لطف حاصل کرتا ہے، غرض جب تک قحط رہا حضرت عمرؓ نے ہر قسم کے عیش و لطف سے اجتناب رکھا[3]،

عراق عجم کے معرکہ مین نعمان اور دوسرے بہت سے مسلمان شہید ہوئے تو حضرت عمرؓ زار و قطار روتے تھے، مال غنیمت آیا تو غصہ سے واپس کر دیا کہ مجاہدین اور شہدا کے ورثہ مین تقسیم کر دیا جائے، تم نے انتظامات کے سلسلہ مین پڑھا ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد مین ہر جگہ لنگر خانے مسافر خانے اور یتیم خانے بنوائے تھے، غربا، مساکین اور مجبور و لاچار آدمیون کے روزینے مقرر کر دیے تھے کیا یہ تمام امور لطف و ترحم کے دائرہ سے باہر ہین؟

حضرت عمرؓ نے ذمیون اور کافرون کے ساتھ جو رحمدلی اور لطف کا سلوک کیا آج مسلمان مسلمان سے نہین کرتے، زندگی کے آخری لمحے تک ذمیون کا خیال رہا، وفات

---

[1] فتوح البلدان ذکر العطار فی خلافۃ عمر بن الخطاب ؓ [2] کنز العمال جلد ۲، [3] کنز العمال جلد ۶، وقائع عام الرمادہ صفحہ ۳۴۳،

کے وقت وصیت کی تو ذمیوں کے حقوق پر خاص زور دیا[1]

عفو | اس لطف و ترحم کی بنا پر حضرت عمرؓ عفو او ردرگذر سے بھی کام لیتے تھے، ایک دفعہ حر بن قیس اور عیینہ بن حصن حاضر خدمت ہوئے، عیینہ نے کہا آپ انصاف سے حکومت نہیں کرتے، حضرت عمرؓ اس گستاخی پر بہت غضبناک ہوئے، حر بن قیس نے کہا امیرالمومنین! قرآن مجید میں آیا ہے خذ العفو وأمر بالمعروف واعرض عن الجاھلین یہ شخص جاہل ہے، اسکی بات کا خیال نہ کیجیے، اس گفتگو سے حضرت عمرؓ کا غصہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔[2]

رفاہ عام | فاروق اعظمؓ کی زندگی کا حقیقی نصب العین رفاہ عام اور بہبودی بنی نوع انسان تھا، خلافت کی حیثیت سے اُنھوں نے جو کچھ کیا اُس کی تفصیل گذر چکی ہے، ذاتی حیثیت سے بھی ان کا ہر لمحہ خلق اللہ کی نفع رسانی کیلیے وقف تھا اُن کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے پوچھکر بازار سے سودا سلف لادیتے، مقام جنگ سے قاصد آتا تو اہل فوج کے خطوط خود اُن کے گھروں میں پہونچا آتے اور جس گھر میں کوئی لکھا پڑھا نہوتا خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھروالے جو کچھ لکھاتے لکھدیتے، راتوں کو عموماً گشت کرتے کہ عام آبادی کا حال معلوم ہو، ایک دفعہ حضرت عمرؓ گشت کرتے ہوے مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام حرار پہونچے، دیکھا کہ ایک عورت پکارہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں، پاس جاکر حقیقت حال دریافت کی، اس نے کہا بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں، میں نے اُن کے بہلانے کو خالی ہانڈی چڑھادی ہے، حضرت عمرؓ اُسی وقت مدینہ آئے، اور آٹا، گھی، گوشت اور کھجوریں لے چلے، حضرت عمرؓ کے غلام اسلم نے کہا میں لیے چلتا ہوں، فرمایا ہاں لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اُٹھاؤ گے، غرض حضرت عمرؓ خود سب سامان لیکر

[1] بخاری کتاب المناقب باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۲،

اُس عورت کے پاس آئے اس نے کھانا پکانے کا انتظام کیا حضرت عمرؓ خود چولھا پھونکتے تھے کھانا تیار ہوا تو بچے کھا کر خوشی خوشی اُچھلنے کودنے لگے حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے[1]

ایک دفعہ کچھ لوگ شہر کے باہر اُترے حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو ساتھ لیا اور کہا مجھکو ان کے متعلق مدینہ کے چوردن کا ڈر لگا ہوا ہے چلو ہم دونوں چلکر پہرہ دین چنانچہ دونوں آدمی رات بھر پہرہ دیتے رہے[2]

ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو کے خیمہ سے رونے کی آواز آئی دریافت سے معلوم ہوا کہ بدو کی عورت دردزہ مین مبتلا ہے حضرت عمرؓ گھر تشریف لائے اور اپنی بی بی ام کلثوم کو ساتھ لیکر بدو کے خیمہ مین آئے تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا ام کلثوم نے پکار کر کہا امیرالمومنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے بدو امیرالمومنین کا لفظ سنکر چونک پڑا حضرت نے کہا کچھ خیال نہ کرو کل میرے پاس آنا بچہ کی تنخواہ مقرر کردون گا،

حضرت عمرؓ اپنی غیر معمولی مصروفیت مین بھی مجبور بیکس اور اپاہج آدمیون کی خدمت گذاری کیلیے وقت نکال لیتے تھے مدینہ سے اکثر نابینا اور ضعیف اشخاص فاروق اعظمؓ کی خدمتگذاری کے ممنون تھے، خلوص کا یہ عالم تھا کہ خود اُن لوگون کو بھی خبر نہ تھی کہ یہ فرشتۂ رحمت کون ہے ؟ حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ ایک روز علی الصباح امیرالمومنین کو ایک جھوپڑے مین جاتے دیکھا خیال ہوا کہ یہان فاروق اعظمؓ کا کیا کام ؟ دریافت سے معلوم ہوا کہ اس مین ایک نابینا ضعیفہ رہتی ہے اور وہ روزانہ اسکی خبرگیری کے لیے جایا کرتے ہین،

---

[1] کنزالعمال جلد ۶ ص ۳۴۳ [2] طبری ص ۲۷۴۳،

خدا کی راہ میں دینا | حضرت عمرؓ بہت زیادہ دولتمند نہ تھے تاہم انھون نے جو کچھ خدا کی راہ مین صرف کیا وہ اُن کی حیثیت سے زیادہ تھا، ۹ھ مین آنحضرت صلعم نے غزوۂ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہ نے ضروریاتِ جنگ کے لیے بڑی بڑی رقمین پیش کین، حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے تمام مال واسباب مین سے آدھا لاکر پیش کیا[1]

یہود بنی حارثہ سے آپ کو ایک زمین ملی تھی، اس کو راہِ خدا مین وقف کردیا،

اسی طریقہ سے خیبر مین ایک بہترین سیر حاصل قطعۂ زمین ملا تو آنحضرتؐ کی خدمت مین حاضر ہوکر عرض کیا کہ مجھے ایک قطعۂ زمین ملا ہے جس سے بہتر میرے پاس کوئی جائداد نہین ہے آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا وقف کردو، چنانچہ حسبِ ارشاد نبوی فقرا، اعزہ، مسافر، غلام اور جہاد کیلیے وقف کردیا[2]

ایک دفعہ ایک اعرابی نے نہایت رقت انگیز اشعار سنائے اور دستِ سوال دراز کیا، حضرت عمرؓ متاثر ہوکر بہت روئے اور کرتہ اتار کر دیدیا،

مساوات کا خیال | عہد فاروقی مین شاہ وگدا، امیر وغریب، مفلس ومالدار سب ایک حال مین نظر آتے تھے اعمال کو تاکیدی حکم تھا کہ کسی طرح کا امتیاز اور نمود اختیار نہ کرین حضرت عمرؓ نے خود ذاتی حیثیت سے بھی ساوات کو اپنا خاص شعار بنایا تھا یہی وجہ تھی کہ انھون نے اپنی معاشرت نہایت سادہ رکھی تھی، تعظیم وتکریم کو دل سے ناپسند کرتے تھے ایک دفعہ کسی نے کہا "مین آپ پر قربان" تو فرمایا ایسا نہ کہا کرو اس سے تمھارا نفس ذلیل ہوجائے گا، اسی طرح زید بن ثابتؓ قاضی مدینہ کی عدالت مین مدعا علیہ کی حیثیت سے گئے تو انھون نے تعظیم کے لیے جگہ خالی کردی حضرت عمرؓ نے کہا تمنے اس مقدمہ مین یہ پہلی ناانصافی کی"

---

[1] ترمذی فضائل ابی بکر [2] ابوداؤد کتاب الوصایا باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف،

یہ کہکر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے[1]

حضرت عمرؓ کا مقولہ تھا کہ مین اگر عیش وتنعم کی زندگی بسر کرون اور لوگ مصیبت مین

رفاہ عام مین، رہین تو مجھ سے بُرا کوئی نہوگا، سفر شام مین نفیس ولذیذ کھانے پیش کئے گئے تو پوچھا کہ عام مسلمانون کو بھی یہ الوان نعمت میسر ہین؟ لوگون نے کہا ہر شخص کے لیے کس طرح ممکن ہے؟ فرمایا تو پھر مجھے بھی اسکی حاجت نہین،

خلافت کی حیثیت سے فاروق اعظمؓ کے جاہ وجلال کا سکہ تمام دنیا پر بیٹھا تھا، لیکن مساوات کا یہ حال تھا کہ قیصر وکسری کے سفراء آتے تھے تو اُنھین پتہ نہین چلتا تھا کہ شاہ کون ہے اور گدا کون؟ درحقیقت حضرت عمرؓ نے خود نمونہ بنکر تمام مسلمانون کو مساوات اسلامی کا ایسا درس دیا تھا کہ حاکم ومحکوم اور آقا وغلام مین ہمسری پیدا ہوگئی تھی،

غیرت | حضرت عمرؓ بالطبع غیور واقع ہوے تھے، یہانتک کہ خود رسول مقبول صلعم اُن کی غیرت کا پاس ولحاظ کرتے تھے، صحیح مسلم، ترمذی اور تقریباً تمام صحاح مین باختلافِ الفاظ مروی ہے کہ معراج کے موقع پر رسول اللہؐ نے جنت مین ایک عالیشان طلائی قصر ملاحظہ فرمایا جو فاروق اعظمؓ کیلئے مخصوص تھا تو صرف اسوجہ سے اندر تشریف نہین لے گئے کہ ان کی غیرت کا حال معلوم تھا حضرت عمرؓ سے ذکر آیا تو رو کر کہنے لگے بابی انت وامی اعلیک اغار یعنی میرے باپ، ماں فدا ہون کیا مین حضور کے مقابلہ مین غیرت کرون گا[2]

آیت حجاب نازل ہونے سے پہلے عرب مین پردہ کا رواج نہ تھا یہان تک کہ خود ازواج مطہراتؓ پردہ نہین کرتی تھین، حضرت عمرؓ کی غیرت اس بے حجابی کو نہایت ناپسند کرتی تھی، بار بار رسول اللہؐ سے ملتجی ہوئے کہ آپ ازواج مطہراتؓ کو پردہ کا حکم دین،

---

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۲۷، [2] بخاری مناقب عمرؓ

اس خواہش کے بعد ہی آیۂ حجاب نازل ہوئی،

حضرت عمرؓ کی غیرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب اُنھیں خبر ملی کہ مسلمان عورتیں حماموں میں عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں تو تحریری حکم جاری کیا کہ مسلمان عورت کا غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔"

خانگی زندگی، حضرت عمرؓ کو اولاد و ازواج سے محبت تھی مگر اسقدر نہیں کہ خالق و مخلوق کے تعلقات میں فتنہ ثابت ہو، اہل خاندان سے بھی بہت زیادہ شغف نہ تھا البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت رکھتے تھے، جب وہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے تو نہایت قلق ہوا، فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجکو زید کی خوشبو آتی ہے، زید نے اسما نامی ایک لڑکی چھوڑی اُسکو بہت پیار کرتے تھے،

مکہ سے ہجرت کرکے آئے تو مدینہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر عوالی میں رہتے تھے لیکن خلافت کے بعد خاص مدینہ میں مسجد نبوی کے متصل سکونت اختیار کی، چونکہ وفات کے وقت وصیت کردی تھی کہ مکان بیچ کر قرض ادا کیا جائے اس لیے یہ مکان فروخت کردیا گیا اور عرصہ تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا،

حصول معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، مدینہ پہونچکر زراعت بھی شروع کی تھی لیکن خلافت کے بارگراں نے جب انھیں ذاتی مشاغل سے روکدیا تو اُن کی عسرت کو دیکھ کر صحابہ نے اسقدر تنخواہ مقرر کردی جو معمولی خوراک اور لباس کے لیے کافی ہو، ۱۵ھ میں لوگوں کے وظیفے مقرر ہوئے تو حضرت عمرؓ کے لیے بھی پانچہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر ہوا،

لے مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ زید بن خطاب ۲ہ یہ وظیفہ بھی خلافت کی خصوصیت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ تمام بدری صحابیوں کا وظیفہ پانچ پانچ ہزار تھا، دیکھو فتوح البلدان ذکر العطار فی خلافت عمر بن الخطابؓ ،

غذا نہایت سادہ تھی یعنی صرف روٹی اور روغنِ زیتون پر گذارہ تھا کبھی کبھی گوشت دودھ، ترکاری اور سرکہ بھی دسترخوان پر ہوتا تھا، لباس بھی نہایت معمولی ہوتا تھا، اکثر صرف قمیص پہنتے تھے، اکثر عمامہ باندھتے تھے، جوتی قدیم عربی وضع کی ہوتی تھی؛

حلیہ یہ تھا رنگ گندم گون، سر چندلا، رخسارے کم گوشت، داڑھی گھنی، مونچھیں بڑی بڑی؛ قد نہایت طویل یہاں تک کہ سیکڑوں کے مجمع میں کھڑے ہوں تو سب سے سربلند نظر آئیں؛



امیر المومنین عثمانؓ بن عفان ذوالنورین

نام، نسب، خاندان | عثمان نام، ابو عبد اللہ اور ابو عمرو کنیت، ذوالنورین لقب، والد کا نام عفان والدہ کا نام اروی، والد کی طرف سے پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی؛ اور والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف اس طرح حضرت عثمانؓ کا سلسلہ پانچویں پشت میں عبد مناف پر آنحضرت صلعم سے ملجاتا ہے اور چونکہ حضرت عثمانؓ کی نانی بیضا ام الحکیم حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی سگی بہن اور رسول اللہ صلعم کی پھوپھی تھیں اس لیے وہ ماں کی طرف سے حضرت سرور کائنات کے رشتہ دار ہیں[1] آپکو ذوالنورین (دو نوروں والا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ آنحضرت کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے اُن کے نکاح میں آئیں؛

حضرت عثمانؓ کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی وقعت و اقتدار رکھتا تھا، آپ کے جد اعلیٰ امیہ بن عبد شمس قریش کے رئیسوں میں تھے، شاہان بنو امیہ اسی امیہ بن عبد شمس کی طرف منسوب ہوکر اموئین کے نام سے مشہور ہیں، عقاب یعنی قریش کا قومی علم اسی خاندان کے قبضہ میں تھا، جنگ فجار میں اس خاندان کا نامور سردار حرب بن امیہ سپہ سالار اعظم کی حیثیت رکھتا تھا، عقبہ بن معیط نے جو اپنے زور اثر اور قوت کے لحاظ سے اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، اموی تھا اسیطرح ابو سفیان بن حرب جس نے غزوۂ بدر کے بعد

---

[1] فتح الباری کتاب المناقب؛

تمام غزوات مین رئیسِ قریش کی حیثیت سے رسول اللہ کا مقابلہ کیا تھا، اسی اموی خاندان کا ایک رکن تھا، غرض حضرت عثمانؓ کا خاندان، شرافت، ریاست اور عزت کے لحاظ سے عرب مین نہایت ممتاز تھا، اور بنو ہاشم کے سوا کسی دوسرے خاندان کو اس سے ہمسری کا دعوی نہین ہوسکتا تھا،

حضرت عثمانؓ واقعۂ فیل کے چھٹے سال یعنی ہجرت نبوی سے ۴۷ برس قبل پیدا ہوئے بچپن اور سنِ رشد کے حالات پردۂ خفا مین ہین لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے عام اہل عرب کے خلاف اسی زمانہ مین لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا، عہدِ شباب کا آغاز ہوا تو تجارتی کاروبار مین مشغول ہوے، اور اپنی صداقت، دیانت، امانت اور راستبازی کے باعث غیر معمولی فروغ حاصل کیا،

قبول اسلام | حضرت عثمانؓ کا چونتیسوان سال تھا کہ داعیِ اسلامؐ نے مکہ مین توحید کی صدائے غلغلہ انداز بلند کی، گو ملکی رسم ورواج اور عرب کے مذہبی تخیل کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ کیلئے یہ آواز نامانوس تھی تاہم وہ اپنی فطری عفت، پارسائی، دیانت داری اور راستبازی کے باعث اس داعیِ حق کو لبیک کہنے کیلئے بالکل تیار تھے،

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے تو انھون نے دین مبین کی تبلیغ واشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اپنے حلقۂ احباب مین تلقین وہدایت کا کام شروع کیا، ایامِ جاہلیت مین اُن سے اور حضرت عثمانؓ سے ارتباط تھا، اور اکثر نہایت مخلصانہ صحبت رہتی تھی، ایک روز وہ حسب معمول حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور اسلام کے متعلق گفتگو شروع کی، حضرت ابوبکرؓ نے اس خوبی سے تبلیغ کا کام انجام دیا کہ حضرت عثمانؓ بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوکر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے، ابھی دونون بزرگ جانے کا خیال ہی کر رہے تھے کہ خود حضرت

سرورِ کائنات صلعم تشریف لے آئے اور حضرت عثمانؓ کو دیکھ کر فرمایا "عثمان! خدا کی جنت قبول کرو میں تیری اور تمام خلق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں" حضرت عثمانؓ کا بیان ہے کہ زبانِ نبوت کے ان صاف و سادہ جملوں میں خدا جانے کیا تاثیر بھری تھی کہ میں بے اختیار کلمۂ شہادت پڑھنے لگا اور دستِ مبارک میں ہاتھ دیکر حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا۔[۱]

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ حضرت عثمانؓ کا تعلق اموی خاندان سے تھا جو بنو ہاشم کا حریفِ مقابل تھا اور رسول اللہ صلعم کی کامیابی کو اس لیے خوف وحسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا کہ اس طریقہ سے عرب کی سیادت کی باگ بنو امیہ کے ہاتھ سے نکل کر بنو ہاشم کے دستِ اقتدار میں چلی جائے گی یہی وجہ تھی کہ عقبہ بن معیط اور ابو سفیان وغیرہ اس تحریک کے دبانے میں نہایت سرگرمی سے پیش پیش تھے لیکن حضرت عثمانؓ کا آئینۂ دل خاندانی تعصب کے گرد وغبار سے پاک تھا، اس لیے اس قسم کی کوئی پیش بینی اُن کی صفائے باطن کو مکدر نہ کرسکی اُنھوں نے نہایت آزادی کے ساتھ اپنے خاندان کے خلاف اس زمانہ میں حق کی آواز پر لبیک کہا جبکہ صرف پینتیس یا چھتیس زن ومرد اس شرف سے مشرف ہوئے تھے۔

شادی | قبولِ اسلام کے بعد حضرت عثمانؓ کو وہ شرف حاصل ہوا جو اُن کی کتابِ منقبت کا سب سے درخشاں باب ہے یعنی یہ کہ آنحضرت صلعم نے اُن کو اپنی فرزندی میں قبول فرمایا، آپکی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا نکاح پہلے ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا مگر اسلام کے بعد عتبہ کے باپ ابو لہب کو آنحضرت صلعم سے جو عداوت ہوگئی تھی اس سے مجبور ہوکر اس نے اپنے بیٹے پر زور ڈالا اور طلاق دلوادی آنحضرت صلعم نے صاحبزادی ممدوحہ کا دوسرا

[۱] اصابہ بحوالہ ابن سعد تذکرہ عثمانؓ

نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا، حضرت عثمانؓ کی اس شادی کے متعلق بعض نہایت لغو اور بیہودہ روایتیں کتابوں میں ہیں، مگر وہ تمام تر جھوٹی اور جعلی ہیں اور محدثین نے موضوعات میں ان کا شمار کیا ہے،

حبشہ کی ہجرت مکہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی سے مشرکین قریش کے غیظ و غضب کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہوتی جاتی تھی، حضرت عثمانؓ بھی اپنی وجاہت اور خاندانی عزت کے باوجود عام بلاکشانِ اسلام کی طرح جفاکاروں کے ظلم و ستم کے نشانہ تھے اُن کو خود اُن کے چچا نے باندھ کر مارا، اعزہ اور اقارب نے سرد مہری شروع کی اور رفتہ رفتہ اُنکی سخت گیری اور جفاکاری یہاں تک بڑھی کہ وہ اُن کی برداشت سے باہر ہوگئی، اور بالآخر خود آنحضرت صلعم کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ کو ساتھ لیکر ملک حبش کی طرف روانہ ہوگئے[1] چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق و صداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر سکون و اطمینان کی سرزمین تلاش کرنے نکلا،

ہجرت کے بعد رسول اللہ صلعم کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا اس لیے پریشان خاطر تھے ایک روز ایک عورت نے خبر دی کہ اُس نے ان دونوں کو دیکھا تھا، اسعد رحال معلوم ہونے کے بعد آپ نے فرمایا،

ان عثمان اول من هاجر باهله — یعنی اس میری اُمت میں عثمان پہلا شخص ہے جو اپنے

یعنی من هذه الامة[1] — اہل و عیال کو لیکر جلاوطن ہوا،

حضرت عثمانؓ اس ملک میں چند سال رہے اور اس کے بعد جب بعض اور صحابہ قریش کے اسلام کی غلط خبر پاکر اپنے وطن واپس آئے تو حضرت عثمانؓ بھی آئے، یہاں آکر

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۸ [1] اصابہ جلد ۸ تذکرہ رقیہ،

معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے، اس بنا پر بعض صحابہ پھر ملک حبش کی طرف لوٹ گئے، مگر حضرت عثمانؓ پھر نہ گئے،

مدینہ کی طرف ہجرت — اسی اثناء میں مدینہ کی ہجرت کا سامان پیدا ہوگیا، اور رسول اللہ صلعم نے اپنے تمام اصحاب کو مدینہ کی ہجرت کا ایما کیا تو حضرت عثمانؓ بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ تشریف لیگئے اور حضرت اوس بن ثابتؓ کے مہمان ہوئے اور آپ نے انہیں اور حضرت اوس بن ثابتؓ میں برادری قائم کردی، اس مواخات سے دونوں خاندانوں میں جسقدر محبت اور یگانگت پیدا ہوگئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہو کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر حضرت حسان بن ثابتؓ تمام عمر سوگوار رہے اور اُن کا نہایت پُردرد مرثیہ لکھا،

بیر رومہ کی خریداری — مدینہ آنے کے بعد مہاجرین کو پانی کی سخت تکلیف تھی، تمام شہر میں صرف بیر رومہ ایک ایسا کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا، لیکن اس کا مالک ایک یہودی تھا اور اس نے اُسکو ذریعۂ معاش بنا رکھا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس عام مصیبت کو دفع کرنے کے لیے اس کنوئیں کو خرید کر وقف کردینا چاہا، سعی بلیغ کے بعد یہودی صرف نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہوا، حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خریدلیا، اور شرط یہ قرار پائی کہ ایک دن حضرت عثمانؓ کی باری ہوگی اور دوسرے دن اس یہودی کے لیے یہ کنواں مخصوص رہیگا، جس روز حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی تھی اُس روز مسلمان اسقدر پانی بھر کر رکھ لیتے تھے کہ دو دن تک کے لیے کافی ہوتا تھا، یہودی نے دیکھا کہ اب اس سے کچھ نفع نہیں ہوسکتا تو وہ بقیہ نصف بھی

لہ طبقات قسم اول جزو ۳ صفحہ ۴۰،

فروخت کرنے پر راضی ہو گیا، حضرت عثمان رضؓ نے آٹھ ہزار درہم میں اس کو خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا، اسطرح اسلام میں حضرت عثمان رضؓ کے فیض کرم کا یہ پہلا ترشح تھا جس نے توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا، فجزاہ اللہ خیرا لجزا۔

غزوات اور دیگر حالات

ہجرت مدینہ کے بعد بھی مشرکین نے مسلمانوں کو سکون و اطمینان سے بیٹھنے نہیں دیا اور اب تحقیر و تذلیل کے بجائے اسلام کی روز افزون ترقی سے خائف و ہراسان ہو کر تیر و تفنگ اور تیغ و سنان کی قوت سے اس کی بیخکنی پر آمادہ ہوئے چنانچہ سنہ ۲ ہجری سے فتح مکہ تک خونریز جنگوں کا سلسلہ قائم رہا، حضرت عثمان رضؓ اگرچہ فطرۃً سپاہیانہ کاموں کیلیے پیدا نہیں ہوئے تھے تاہم وہ اپنے محبوب ہادی طریقت کیلیے جان نثاری و فداکاری میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

غزوۂ بدر اور حضرت رقیہؓ کی علالت کفر و اسلام کی سب سے پہلی جنگی آویزش جو بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی، حضرت عثمانؓ اسمیں ایک اتفاقی حادثہ کے باعث شریک ہونے سے مجبور تھے، یعنی آپ کی اہلیہ محترمہ اور رسول اکرمؐ کی نور نظر حضرت رقیہؓ بیمار ہوگئیں اسلیے حضور پرنورؐ نے اُن کو مدینہ میں تیمارداری کیلیے چھوڑ دیا اور فرمایا تمکو شرکت کا اجر اور مال غنیمت کا حصہ دونوں ملے گا[1] اور خود تین سو تیرہ قدسیوں کے ساتھ بدر کی طرف تشریف لیگئے،

حضرت رقیہؓ کا یہ مرض درحقیقت پیام موت تھا، غمگسار شوہر کی جانفشانی و تندہی سب کچھ کرسکتی تھی لیکن قضائے الٰہی کو کیونکر رد کرتی، مرض روز بروز بڑھتا گیا یہاں تک کہ

---

[1] استیعاب ج ۲ صفحہ ۴۸۸ [2] بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمانؓ

عثمان رضؓ ان تمام مہمات مین شریک تھے، یہان تک کہ سنہ ۶ھ مین رسول اللہ صلعم نے زیارت کعبہ کا قصد فرمایا، حدیبیہ پہونچکر معلوم ہوا کہ مشرکین آمادۂ پرخاش ہین چونکہ رسول اللہ کو لڑنا مقصود نہین تھا اسلیے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمان رضؓ کو سفیر بناکر بھیجا،

سفارت کی خدمت | حضرت عثمان رضؓ سفارت کی خدمت پر مامور ہوکر مکہ پہونچے تو کفار قریش نے ان کو روک لیا، اور سخت نگرانی قائم کردی تاکہ واپس جانے نہ پائین، جب کئی دن گذر گئے اور حضرت عثمان رضؓ کا کچھ حال نہین معلوم ہوا، تو مسلمانون کو سخت فکر لاحق ہوئی پھر اسی حالت مین افواہ پھیلی کہ وہ شہید کردیے گئے، رسول اللہ صلعم نے یہ خبر سُنکر صحابہ سے جو تعداد مین چودہ سو تھے ایک درخت کے نیچے بیعت لی اور حضرت عثمان رضؓ کی طرف سے خود اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھکر بیعت کی، یہ حضرت عثمان رضؓ پر اعتماد اور وثوق کی وہ انتہا تھی، جو حضرت عثمان رضؓ کے تاجِ فخر کا طرۂ شرف ہے، اسی بیعت کا نام بیعتِ رضوان ہے،

ایک دفعہ ایک خارجی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے دریافت کیا کیا یہ سچ ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے بیعتِ رضوان نہین کی، آپ نے جواب دیا کہ ہان عثمان رضؓ اسوقت موجود نہ تھے، مگر اُس ہاتھ نے ان کی طرف سے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہین [1]،

مشرکینِ قریش نے مسلمانون کے جوش سے خائف ہوکر مصالحت کرلی، اور حضرت عثمان رضؓ کو چھوڑ دیا، رسول اللہ صلعم اس سال بغیر عمرہ کیے اپنے فدائیون کے ساتھ مدینہ واپس آئے،

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۹۶، آنحضرت صلعم کے اس اعزاز عطا فرمانے کا ذکر بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمان مین بھی ہے اور واقعات کی تفصیلات متفرق طور پر مختلف ابواب مین مذکور ہین،

سنہ ۷ھ میں معرکۂ خیبر پیش آیا، پھر سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا، نیز اسی سال ہوازن کی جنگ ہوئی جو غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے، حضرت عثمانؓ ان تمام معرکوں میں شریک رہے۔

غزوۂ تبوک اور تجہیز جیش عسرۃ

سنہ ۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، چونکہ یہ زمانہ نہایت عسرت اور تنگی کا تھا، اس لیے رسول اللہ صلعم کو سخت تشویش ہوئی، اور صحابہ کو جنگی سروسامان کیلئے زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی، اکثر لوگوں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، حضرت عثمانؓ ایک متمول تاجر تھے، اور اس زمانہ میں اُن کا تجارتی قافلہ ملک شام سے نفع کثیر کے ساتھ واپس آیا تھا، اس لیے اُنھوں نے ایک تہائی فوج کو سروسامان سے آراستہ کر دینے کا ذمہ لیا، ابن سعد کی روایت کے مطابق غزوۂ تبوک کی مہم میں تیس ہزار پیادے اور دس ہزار سوار شامل تھے اس بنا پر غالباً حضرت عثمانؓ نے دس ہزار سے زیادہ فوج کو اپنے خرچ سے آراستہ کیا تھا، اور اس اہتمام کے ساتھ کہ اس کے لیے ایک ایک تسمہ تک اُن کے روپے سے خریدا گیا تھا، اسکے علاوہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور سامان رسد کے لیے ایک ہزار دینار پیش کیا، حضور انور صلعم اس فیاضی سے اسقدر خوش تھے کہ اشرفیوں کو دست مبارک سے اُچھالتے تھے اور فرماتے تھے،

ما ضر عثمان ما عمل بعد هذا اليوم[1] یعنی آج کے بعد عثمان کا کوئی کام اسکو نقصان نہیں پہنچائیگا

سنہ ۱۰ھ میں سید البشرؐ نے آخری حج کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے، حضرت عثمانؓ بھی ہمرکاب تھے، حج سے واپس آنے کے بعد ماہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کی ابتدا میں سرور کائنات علیہ الصلوات بیمار ہوئے، اور بارھویں ربیع الاول دوشنبہ کے دن گزین

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۰۲، و ترمذی ابواب المناقب باب مناقب عثمانؓ

عالم جاودان ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

رسول اللہ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے دست مبارک پر خلافت کی بیعت ہوئی، خلافت صدیقی میں حضرت عثمان مجلس شوریٰ کے ایک معتمد رکن تھے، سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے بھی رحلت فرمائی، اور حضرت ابوبکر رضؓ کی وصیت اور عام مسلمانوں کی پسندیدگی سے حضرت فاروق اعظم رضؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، حضرت عمر رضؓ کے استخلاف کا وصیت نامہ حضرت عثمان رضؓ ہی کے ہاتھ سے لکھا گیا تھا، اس سلسلہ میں ایک بات لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ وصیت نامہ کے دوران کتابت میں کسی کو خلیفہ نامزد کرنے کے قبل حضرت ابوبکر رضؓ پر غشی طاری ہو گئی، حضرت عثمان رضؓ نے اپنی عقل و فراست سے سمجھکر اپنی طرف سے حضرت عمر رضؓ کا نام لکھدیا اور عبارت پوری کر دی، حضرت ابوبکر رضؓ کو ہوش آیا تو پوچھا کہ پڑھو کیا لکھا، انھوں نے سنانا شروع کیا اور جب عمر رضؓ کا نام لیا تو حضرت ابوبکر رضؓ بے اختیار اللہ اکبر پکار اٹھے اور حضرت عثمان رضؓ کی اس فہم و فراست کی بہت تعریف و توصیف کی[1]

تقریباً دس برس کی خلافت کے بعد ۲۳ھ میں حضرت عمر رضؓ نے بھی سفر آخرت اختیار کیا، مرض الموت میں لوگوں کے اصرار سے عہدۂ خلافت کیلئے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا کہ ان میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے، ان کے نام یہ ہیں، علی رضؓ، عثمان رضؓ، زبیر رضؓ، طلحہ رضؓ، سعد وقاص رضؓ، عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف اور تاکید کی کہ تین دن کے اندر انتخاب کا فیصلہ ہو جانا چاہیے[2]

فاروق اعظم رضؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا اور دو دن تک اس پر

---

[1] ابن سعد جزء ۳ قسم اول تذکرہ ابوبکر، [2] ابن سعد تذکرہ عثمان،

بحث ہوتی رہی لیکن کچھ فیصلہ نہوا، آخر تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا
کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں مین دائر ہے لیکن اسکو تین شخصون تک محدود
کرنا چاہیے اور جو اپنے خیال مین جسکو زیادہ مستحق سمجھتا ہو اس کا نام لے حضرت زبیرؓ نے
حضرت علی مرتضیٰؓ کی نسبت راے دی حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف
کا نام لیا اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے
کہا مین اپنے حق سے باز آتا ہون، اس لیے اب یہ معاملہ صرف دو آدمیون مین منحصر ہے
اور ان دونون مین سے جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سنت شیخین کی پابندی
کا عہد کریگا اُسکے ہاتھ پر بیعت کی جائیگی، اسکے بعد علٰحدہ علٰحدہ حضرت علیؓ اور حضرت
عثمانؓ سے کہا کہ آپ دونون اس کا فیصلہ میرے ہاتھ مین دیدین، اور جب ان دونون نے
اسپر اپنی رضامندی ظاہر کی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور تمام صحابہ کرامؓ مسجد مین جمع
ہوئے، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے ایک مختصر لیکن موثر تقریر کے بعد حضرت عثمانؓ
کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کیلیے ہاتھ بڑھایا، حضرت علیؓ کے
کا بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے،[1] غرض چوتھی محرم ۲۴ھ
دوشنبہ کے دن حضرت عثمانؓ اتفاقِ عام کے ساتھ مسند نشین خلافت ہوئے اور دنیاے اسلام
کی عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لی،

---

[1] ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۴۲، ۴۳

خلافت اور فتوحات

فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد میں شام مصر، اور ایران کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا تھا نیز ملکی نظم و نسق اور طریقہ حکمرانی کا ایک مستقل دستور العمل بنا دیا تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ کیلئے میدان صاف تھا انھوں نے صدیق اکبرؓ کی نرمی ملاطفت اور فاروق اعظمؓ کی سیاست کو اپنا شعار بنایا اور ایک سال تک قدیم طریق نظم و نسق میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا، البتہ خلیفہ سابق کی وصیت کے مطابق حضرت سعد وقاصؓ کو مغیرہ بن شعبہ کی جگہ کوفہ کا والی بنا کر بھیجا[1] اور یہ پہلی تقرری تھی جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی،

۲۴ھ میں بعض چھوٹے چھوٹے واقعات بھی پیش آئے یعنی آذربائجان اور آرمینیہ پر فوج کشی ہوئی، کیونکہ وہاں کے باشندوں نے حضرت عمرؓ کی وفات سے فائدہ اٹھا کر خراج دینا بند کر دیا تھا اسیطرح رومیوں کی چھیڑ چھاڑ کی خبر سن کر حضرت عثمانؓ نے کوفہ سے سلمان بن ربیعہ کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ شام میں امیر معاویہؓ کی مدد کیلئے روانہ کیا،

اب تک مصر کے والی عمرو بن العاص تھے، مصر کا تھوڑا سا علاقہ جو صعید کے نام سے مشہور ہے وہ حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے عبداللہ بن ابی سرح کے متعلق تھا مصر کے خراج کی جو رقم دربار خلافت کو بھیجی جاتی تھی حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے اس کی کمی کے متعلق

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۶۱،

مصری حکومت اور مدینہ کی مرکزی حکومت کے درمیان اختلاف تھا، حضرت عثمان رضؓ نے مصری خراج کے اضافہ کا مطالبہ کیا، عمرو بن العاص رضؓ نے کہلا بھیجا کہ اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی، اسپر حضرت عثمان رضؓ نے اُن کو معزول کرکے عبداللہ بن ابی سرح رضؓ کو پورے مصر کا گورنر بنادیا، عمرو بن العاص رضؓ جنکی تدبیر وسیاست کا لوہا رومیوں نے مان لیا تھا، اُن کی برطرفی سے اُن کے دل میں مصر کے دوبارہ قبضہ کا خیال پیدا ہوا، ۲۵ھ میں ان کی شہ پاکر اسکندریہ کے لوگوں نے بغاوت کی حضرت عثمان رضؓ نے خود مصر والوں کے مشورہ سے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لیے حضرت عمرو رضؓ کو متعین کیا جنھوں نے نہایت حسن تدبیر اور مصلحت اندیشی سے اس بغاوت کو فرو کیا، حضرت عثمان رضؓ نے چاہا کہ فوج کا صیغہ عمرو بن العاص رضؓ کے پاس رہے اور مال وخراج کے صیغے عبداللہ بن ابی سرح کے سپرد رہیں، مگر عمرو بن العاص رضؓ نے منظور نہ کیا یعقوبی نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاص رضؓ نے باغیوں کے اہل وعیال کو لونڈی غلام بناڈالا تھا، حضرت عثمان رضؓ اُن کی اس حرکت پر نہایت ناراض ہوئے اور جولوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے اُن کو آزاد کرادیا،[۱] اُسکے بعد بھی دو برس تک عمرو بن العاص رضؓ مصر کے مال وخراج کے شعبوں کے افسر رہے،

اسی سال عبداللہ بن ابی سرح نے دربارِ خلافت کے حکم سے طرابلس (ٹریپولی) کی مہم کا انتظام کیا، نیز امیر معاویہ رضؓ نے ایشیائے کوچک میں شامی سرحدوں کے قریب کے دو رومی قلعے فتح کرلیے،

۲۶ھ میں سب سے اہم واقعہ حضرت سعد بن وقاص رضؓ کی معزولی ہے، معزولی کی وجہ یہ پیش آئی کہ حضرت سعد وقاص رضؓ نے بیت المال سے ایک بڑی رقم قرض لی تھی،

[۱] طبری ۱۸۰۸،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال نے تقاضا کیا تو انھون نے اپنی ناداری ظاہر کی، اسپر دونون مین بات بڑھی یہان تک کہ یہ قضیہ دربارِ خلافت تک پہونچا، چونکہ یہ بقاعدہ کارروائی تھی، جو ایک بڑے افسر کے لیے موزون نہ تھی، اس لیے حضرت عثمانؓ حضرت سعد بن وقاصؓ پر نہایت برہم ہوے اور اُن کو معزول کرکے ولید بن عقبہ کو والیِ کوفہ مقرر کیا، عبداللہ بن مسعودؓ پر بھی خفگی ظاہر کی، لیکن چونکہ ان کی غلطی کی نوعیت صرف بے احتیاطی تھی اس لیے اُن کو اپنے عہدہ پر برقرار رکھا،

۲۷ھ مین مصر کی دو عملی مین اختلاف ہوا، یعنی عبداللہ بن ابی سرح اور عمرو بن العاصؓ نے جو فوجی اور مالی صیغون کے مستقل افسر تھے، باہم ایک دوسرے کے خلاف مرکزی حکومت مین شکایت کی، حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کرکے عمرو بن العاصؓ کو معزول کردیا اور عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کے تمام صیغون کا تنہا حاکم بنادیا[1]، عمرو بن عاصؓ اس فیصلہ سے نہایت ناراض ہوے اور مدینہ چلے گئے، عمرو بن العاصؓ کے زمانہ مین مصر کا خراج ۲۰ لاکھ تھا عبداللہ بن ابی سرح نے کوشش کرکے چالیس لاکھ کردیا، حضرت عثمانؓ نے فخریہ عمرو بن عاصؓ سے کہا دیکھو آخر اونٹنی نے دودھ دیا، انھون نے جواب دیا کہ ہان دودھ تو دیا لیکن بچے بھوکے رہ گئے[2]،

فتحِ طرابلس | مہمِ طرابلس کا اہتمام تو ۲۵ھ ہی مین ہوا تھا لیکن باقاعدہ فوج کشی ۲۷ھ مین ہوئی، عبداللہ بن ابی سرح گورنرِ مصر افسرِ عام تھے، حضرت عثمانؓ نے دار الخلافت سے بھی ایک لشکرِ جرار کمک کے لیے روانہ کیا، اس مین عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہین،

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۶۸ [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۸۹،

اسلامی فوجین مدت تک طرابلس کے میدانون مین معرکہ آرا رہین یہان تک کہ مسلمانون کی شجاعت، جانبازی اور ثبات و استقلال کے آگے اہل طرابلس کے پانون اکھڑ گئے، عبداللہ بن ابی سرح نے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر تمام ملک مین پھیلا دیے، طرابلس کے امرا نے دیکھا کہ اب مسلمانون کا مقابلہ ممکن نہین ہے تو عبداللہ بن ابی سرح کے پاس آکر پچیس لاکھ دینار پر مصالحت کرلی[1]

فتح افریقیہ | افریقیہ سے مراد وہ علاقے ہین جنکو بعد مین الجزائر اور مراکش کہتے ہین، یہ ممالک ۲۶ھ مین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ہمت و شجاعت اور حسن تدبیر سے ہاتھ آئے، بڑے بڑے معرکے پیش آئے، اور بالآخر کامیابی اسلامی فوج کو حاصل ہوئی،

اسپین پر حملہ | افریقیہ کی فتح کے بعد اسپین کا دروازہ کھلا ہوا تھا، ۲۷ھ مین حضرت عثمان غنیؓ نے اسلامی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، عبداللہ بن نافع بن عبدقیس اور عبداللہ بن نافع بن حصین دو صاحبون کو اس کے لیے نامزد کیا، جنھون نے کچھ فتوحات حاصل کین، افریقیہ پیشقدمی رک گئی، عبداللہ بن ابی سرح مصر واپس بھیجے گئے اور عبداللہ بن نافع بن عبدقیس افریقیہ کے حاکم مقرر ہوئے،

عبداللہ بن ابی سرح کو انعام | حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا کہ افریقیہ کی فتح کے صلہ مین خمس یعنی پانچوان حصہ تم کو انعام دیا جائیگا اس لیے عبداللہ نے وعدہ کے مطابق اپنا پانچوان حصہ لے لیا، لیکن عام مسلمانون نے اس فیاضی پر سخت ناپسندیدگی ظاہر کی، حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہوا تو اُنھون نے عبداللہ بن ابی سرح سے اس رقم کو واپس کرا دیا اور فرمایا کہ مین نے بیشک وعدہ کیا تھا لیکن مسلمان اسکو تسلیم نہین کرتے اسلیے

[1] فتوح البلدان، ص ۲۳۵ و طبری صفحہ ۲۸۱۵،

مجبوری ہے،

ایک اور روایت ہے کہ افریقہ کا خمس مدینہ بھیجا گیا تھا جو مروان کے ہاتھ پانچ لاکھ دینار مین بیچا گیا تھا، ابن اثیر نے ان دونون روایتون مین یہ تطبیق دی ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح کو افریقہ کے پہلے غزوہ (شاید طرابلس) کے مال غنیمت کا خمس دیا گیا تھا اور مروان کے ہاتھ پورے افریقہ کی غنیمت کا خمس بیچا گیا تھا،

فتح قبرس | قبرس جسکو اب سائپرس کہتے ہین بحر روم مین شام کے قریب ایک نہایت زرخیز جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر و شام کی فتح کا دروازہ ہے اور مصر و شام کی حفاظت اُسوقت تک نہین ہو سکتی تھی اور نہ رومیون کا خطرہ اسوقت تک دور ہو سکتا تھا جب تک اس بحری ناکہ پر مسلمانون کا قبضہ نہوتا، امیر معاویہؓ نے عہد فاروقی مین اس پر فوج کشی کی اجازت طلب کی تھی مگر حضرت عمرؓ بحری جنگ کے مخالف تھے اس لیے انکار کر دیا، اس کے بعد ۲۸ھ مین امیر معاویہؓ نے پھر حضرت عثمانؓ سے اصرار کے ساتھ قبرس پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی، اور اطمینان دلایا کہ بحری جنگ کو جسقدر خوفناک سمجھا جاتا ہے، اس قدر خوفناک نہین ہے، حضرت عثمانؓ نے لکھا کہ اگر تمھارا بیان صحیح ہے تو حملہ مین مضائقہ نہین، لیکن اس مہم مین اسی کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی سے آمادگی ظاہر کرے، غرض عبداللہ بن قیس حارثی کی زیر سیادت ایک بحری بیڑا قبرس پر حملہ کیلیے روانہ ہوا، اور صحیح و سلامت قبرس پہونچکر لنگر انداز ہوا، عبداللہ بن قیس امیر البحر ناگہانی طور پر شہید ہوئے لیکن سفیان بن عوف ازدی نے علم سنبھال کر اہل قبرس کو مغلوب کر لیا، اور شرائط ذیل پر مصالحت ہوئی،

(۱) اہل قبرس ۰۰۰،۷ دینار سالانہ خراج ادا کرینگے،

(۳) مسلمان قبرس کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہون گے

(۴) بحری جنگون مین اہل قبرس مسلمانون کے دشمنون کی نقل وحرکت کی ان کو اطلاع دیا کرینگے[۱]

اہل قبرس عرصہ تک اس معاہدہ پر قائم رہے لیکن ۳۳ھ مین انھون نے رومی جہازون کو مدد دی، اس لیے امیر معاویہؓ نے نئے سرے سے اسپر فوج کشی کی اور فتح کرکے کامل طور پر ممالک محروسہ مین شامل کرلیا[۲] نیز منادی کردی کہ اب یہان کے باشندے رومیون کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھین، یہان تک کہ شادی بیاہ کا تعلق بھی قائم نہونے پائے

والیٔ بصرہ کی معزولی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ عہد فاروقی سے بصرہ کی ولایت پر مامور تھے، حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے زمانہ مین چھ برس تک ان کو اس منصب پر برقرار رکھا، لیکن یہان ایک بڑی جماعت ہمیشہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی مخالفت پر آمادہ رہتی تھی چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد مین بارہا اُن کی شکایتین ہوچکین مگر فاروقی رعب و داب نے مخالفین کو ہمیشہ دبائے رکھا، حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو اُن کو زیادہ آزادی کے ساتھ حضرت ابوموسیٰؓ کے خلاف سازش پھیلانے کا موقع مل گیا، اسی اثنا مین کردون نے بغاوت کردی، حضرت ابوموسیٰؓ نے مسجد مین جہاد کا وعظ کہا، اور راہِ خدا مین پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے، اس کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے مجاہدین جنکے پاس گھوڑے موجود تھے وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہوگئے، لیکن چند آدمیون نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہیے، دیکھین ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے، غرض صبح کے وقت دارالامارت کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰؓ اس شان کے ساتھ محل سے برآمد ہوے کہ خود ایک نفیس ترکی نسل کے

[۱] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۷۶، ۷۷، [۲] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۷

گھوڑے پر سوار تھے اور چالیس خچروں پر اسباب و سامان بار تھا، لوگوں نے بڑھ کر باگ پکڑ لی اور کہا "قول و فعل میں یہ اختلاف کیسا؟ دوسروں کو جس چیز کی ترغیب دیتے ہو آپ خود کیوں عمل نہیں کرتے"؟ حضرت ابو موسیٰ اس کا کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے اور اور اسی وقت ایک جماعت شکایت لیکر مدینہ پہونچی اور ان کی معزولی کا مطالبہ کیا حضرت عثمان نے ۲۹ھ میں اُن کو معزول کردیا اور عبداللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور کیا[1]

فتح طبرستان | ۳۰ھ میں عبداللہ بن عامر بصرہ کے نئے والی اور سعید بن عاص نے دو مختلف راستوں سے خراسان اور طبرستان کا رُخ کیا، سعید بن عاص کے ساتھ امام حسنؓ امام حسینؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور بڑے بڑے صحابہ کرام شریک تھے، ان لوگوں نے پیشقدمی کرکے عبداللہ بن عامر کے پہونچنے سے پہلے جرجان، خراسان، اور طبرستان کو فتح کرلیا[2]، اسی اثناء میں ولید بن عقبہ والی کوفہ کے خلاف ایک سازش ہوئی اور اُن پر شراب خواری کا الزام لگایا گیا حضرت عثمانؓ نے اُن کو معزول کرکے سعید بن عاص کو ان کے نمایاں کارناموں کی بنا پر کوفہ کا والی مقرر کیا، اب عبداللہ بن عامر نے اس مہم کی تکمیل اپنے ہاتھ میں لی،

عبداللہ بن عامر نے ہرات، کابل، اور سجستان کو فتح کرتے ہوئے نیشاپور کا رُخ کیا، بست، اشبند ورخ، خواف، اسبرائن، ارغیان وغیرہ فتح کرتے ہوئے خاص شہر نیشاپور کا محاصرہ کرلیا، اہل نیشاپور نے چند مہینوں تک محصور ہوکر مدافعت کی لیکن پھر مجبور ہوکر سات لاکھ درہم سالانہ پر مصالحت کرلی،

عبداللہ بن عامر نے نیشاپور کے بعد عبداللہ بن خازم کو سرخس کی طرف روانہ کیا،

[1] طبری صفحہ ۲۸۰۰، ۲۹ [2] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۸۴،

اور خود ما وراء النہر کی طرف پیشقدمی کی، ہرخس مطیع ہوگیا اور اہل ماوراء النہر نے بھی مصالحت پر آمادگی ظاہر کی، اور بہت سے گھوڑے، ریشمی کپڑے، اور دوسرے انواع واقسام کے تحائف لیکر حاضر ہوئے، عبداللہ بن عامر نے مصالحت کرلی، اور قیس بن الہیثم کو قائم مقام کر کے تمام اسباب وسامان کے ساتھ دارالخلافہ کا رُخ کیا،

ایک عظیم الشان بحری جنگ | ۳۱ھ میں قیصر روم نے ایک نہایت عظیم الشان جنگی بیڑا جسمین تقریباً پانچ سو جہاز شامل تھے سواحل شام پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، بیان کیا جاتا ہے کہ رومیون نے شروع سے اُسوقت تک کبھی ایسی عظیم الشان قوت کا مظاہرہ نہین کیا تھا، امیر معاویہ والی شام نے امیر المومنین کے ایما سے عبداللہ بن ابی سرح امیر البحر کو حکم دیا کہ اسلامی بیڑے کو از سر نو مرتب کر کے سمندر ہی مین اس کا مقابلہ کرین، غرض اسلامی بیڑا سامان سے آراستہ ہو کر نہایت شان کے ساتھ بڑھا اور رومی جہازون کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، رومیون نے چیرہ دستی شروع کی تو اسلامی خلاصیون نے نہایت تیز دستی کے ساتھ اپنے جہازون کو رومیون کے جہازون سے ملا کر باندھ دیا، لیکن قبل اس کے کہ مسلمان حملہ کی ابتدا کرین رومی رخنہ کر کے اسلامی جہازون مین گھس آئے، دونون طرف سے تیغ وسنان کا ردوبدل شروع ہو گیا، بہادرون کی لاشین گرتی تھین اور سمندر کی موجین اُچھال اچھال کر دور پھینکدیتی تھین، غرض نہایت گھمسان کا رَن پڑا، رومیون نے نہایت جوش کے ساتھ مقابلہ کیا، لیکن اسلامی خنجر خاراشگاف نے سب کو کاٹ کر لقمۂ نہنگ بنا دیا، صرف کچھ تھوڑے سے جان بچا کر بھاگ سکے، اس طرح اسلامی بیڑا فاتحانہ شان وشوکت کے ساتھ نصرت وکامرانی کا پھریرا اڑاتا ہوا اپنے بندرگاہ مین واپس آگیا[1]،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۹۱،

متفرق فتوحات

قبرس، طرابلس اور طبرستان کے علاوہ حضرت عثمان رضؓ کے عہد مین بہت سے دوسرے فتوحات بھی ہوئے، چنانچہ ۳۱ھ مین حبیب بن مسلمہ فہری نے آرمینیہ کو فتح کرکے اسلامی ممالک محروسہ مین شامل کردیا[1]

اسی طرح ۳۲ھ مین امیر معاویہ رضؓ نے تنگنائے قسطنطنیہ تک اپنے فتوحات کا دائرہ وسیع کردیا، ۳۲ھ مین عبداللہ بن عامر نے مَرْوِرود، طالقان، فاریاب اور جوزجان کو فتح کیا، ۳۳ھ مین امیر معاویہ رضؓ نے ارض روم مین حصن المرآۃ پر حملہ کیا، نیز اسی سال اہل خراسان نے بغاوت کی، اس لیے عبداللہ بن عامر والی بصرہ نے احنف بن قیس کو بھیجکر اسکو فرو کرایا، اسیطرح ۳۴ھ مین اہل طرابلس نے نقض امن کیا اور عبداللہ بن ابی سرح نے ایک لشکر جرار کے ساتھ چڑھائی کرکے دوبارہ ملک مین امن وامان قائم کردیا،

انقلاب کی کوشش
اور
حضرت عثمان رضؓ کی شہادت

حضرت عثمان رضؓ کے دوازدہ سالہ خلافت مین ابتدائی چھ سال کامل امن وامان سے گذرے، فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی وظائف کی بیشی، زراعت اور تجارت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم ونسق نے تمام ملک مین تمول فارغ البالی اور عیش وتنعم کو عام کردیا، یہان تک کہ بعض متقشف صحابہ ایام نبوت کی سادگی اور بے تکلفی کو یاد کرکے اس زمانہ کی ثروت اور سامان تعیش کو دیکھ کر حد درجہ غمگین تھے کہ اب مسلمانون کے

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۹۱

اس دنیاوی رشک وحسد کا دور آگیا جسکی آنحضرت صلعم نے پیشین گوئی فرمائی تھی چنانچہ حضرت ابو ذر غفاریؓ جن کو آنحضرت نے مسیح الاسلام کا خطاب دیا تھا، علانیہ اسکے خلاف وعظ کہتے اور فرماتے تھے کہ ضرورت سے زیادہ دولت جمع کرنا ایک مسلمان کیلئے ناجائز ہے، شام کا ملک جسکے حاکم امیر معاویہؓ تھے، اور جو صدیوں تک رومی تعیش وتکلفات کا گہوارہ رہ چکا تھا وہاں کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ یہ برائیاں پیدا ہو رہی تھیں، حضرت ابو ذرؓ برملا ان امرا اور دولتمندوں سے برسرپیکار رہتے تھے اور امیر معاویہؓ کی استدعا پر حضرت عثمانؓ نے اُن کو مدینہ بلوالیا، مگر مدینہ بھی وہ اگلا مدینہ نہیں رہا تھا، شہر کے باہر لوگوں کے بڑے بڑے محل اور قصر تیار ہو چکے تھے، اس لئے وہ یہاں سے بھی دل برداشتہ ہو کر ربذہ نام ایک گاؤں میں جا کر اقامت گزین ہوگئے۔

حضرت عثمانؓ کے پچھلے زمانہ میں جو فتنہ وفساد برپا ہوا اسکی وجہ درحقیقت یہی ہے کہ دولتمندی اور تمول کی کثرت نے مسلمانوں میں اُس کے وہ لوازم بھی پیدا کر دیے جو ہر قوم میں ایسی حالت میں پیدا ہو جاتے ہیں، اور جو اُن کے ضعف اور انحطاط کے اسباب بن جاتے ہیں، اس لیے آنحضرت صلعم مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے کہ لا اخاف علیکم الفقر بل اخاف علیکم الدنیا، مجھے تمہارے فقر وفاقہ سے کوئی خوف نہیں ہے، بلکہ تمہاری دنیاوی دولتمندی ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں، تمول اور دولت کی کثرت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل قوم کے فوائد کے مقابلہ میں ہر جماعت اور ہر شخص اپنے جماعتی اور شخصی فوائد کو ترجیح دینے لگتا ہے اس طرح قومی وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، باہم بغض وعناد پیدا ہو جاتا ہے، اور انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے،

لیکن اس کے علاوہ اس فتنہ وفساد کی پیدائش کے اور بھی وجوہ تھے،

(۱) سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام کی وہ نسل جو فیض نبوت سے براہ راست

مستفیض ہوئی تھی ختم ہو چلی تھی جو موجود تھے وہ اپنی کبرسنی کے سبب سے گوشہ نشین ہو رہے تھے، اور اب اُن کی اولاد موروثی حیثیت سے اُن کی جگہ لے رہی تھی، یہ جوان زہد و اتقا، عدل و انصاف، حق پسندی اور راستبازی مین اپنے بزرگون سے کمتر تھے، اس بناپر رعایا کیلیے ویسے فرشتہ رحمت ثابت نہ ہوئے، جیسے اُن کے اسلاف تھے،

(۲) حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ اور مسلمانون کی پسندیدگی سے امامت خلافت کیلیے قریش کا خاندان مخصوص کردیا گیا، بڑے بڑے عہدے بھی زیادہ تر انھین کو ملتے تھے، نوجوان قریشی اسکو اپنا موروثی حق سمجھکر دوسرے عرب قبیلون کو اپنا محکوم سمجھنے لگے، عام عرب قبائل کا دعویٰ تھا کہ ملک کی فتوحات ہماری تلوارون کی کمائی ہے اس لیے وظائف مین منصب اور عہدون مین بھی قریش اور غیر قریش مین مساوات چاہیے،

(۳) اس وقت کابل سے لیکر مراکش تک اسلام کے زیر نگین تھا جسمین سیکڑون قومین آباد تھین، جو محکوم اور مفتوح ہو چکی تھین، اس محکومی اور مفتوحی نے کھلے انتقام کی صورت نہ دیکھکر سازشون کا جال پھیلایا جن مین سب سے آگے مجوسی اور یہودی تھے،

(۴) حضرت عثمانؓ فطرۃً نیک، ذی مروت اور نرم تھے، عموماً لوگون سے سختی کا برتاؤ نہین کرتے تھے، اکثر جرم کو بردباری اور حلم سے ٹال دیا کرتے تھے اس سے شریرون کی ہمت افزائی ہوئی،

(۵) حضرت عثمانؓ اموی تھے اور اس لیے فطرۃً اُن کے جذبات اپنے اہل خاندان کے ساتھ خیر خواہانہ تھے، اس لیے ان کو فائدہ پہونچانا چاہتے تھے، ذاتی طور سے امداد فرمایا کرتے تھے، شریر لوگ اسکو یون ملک مین پھیلاتے تھے کہ حضرت عثمانؓ سرکاری بیت المال سے اُن کو یہ دیتے ہین،

(۶) ہر امام کے لیے ضرورت ہے کہ اس کے کارکن اور عمال اُس کے مطیع اور فرمان بردار ہون، اسلام کی دوسری نسل جو اب پہلی نسل کی جگہ لے رہی تھی، اُمین امامِ وقت کی اطاعت کا وہ مذہبی جذبہ نہ تھا، جو اول الذکر مین موجود تھا، ایسی حالت مین خاندانی عصبیت سے کام لینا پڑا، اور بنو امیہ کے افراد مین سے فوج اور خراج کے افسر زیادہ لیے گئے، تاکہ حکومت کے نظم ونسق اور کاروبار مین فرق نہ آنے پائے،

(۷) مختلف محکوم قومون کے شورش پسند اشخاص انقلاب کے اس لیے خواہان تھے کہ شاید اس سے اُن کی حالت مین کوئی فرق پیدا ہو،

(۸) غیر قوم کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، یا مسلمانون نے غیر قومون کی لڑکیون سے جو شادیان کر لی تھین یا وہ باندیان بنی تھین، ان کی اولادین بہت کچھ فتنہ کا باعث بنین،

الغرض اس فتنہ و فساد کے یہ حقیقی اسباب تھے، جنکی بنا پر ملک کے مختلف طبقون مین مختلف وجوہ سے ناراضی پیدا ہو رہی تھی، ان مختلف الخیال جماعتون کے اغراض اور مقاصد پر ایک نظر ڈال لو،

۱۔ بنو ہاشم بنو امیہ کے عروج و ترقی کو پسند نہین کرتے تھے اور خلافت کے مناصب اور عہدون کا سب سے زیادہ اپنے کو مستحق جانتے تھے،

۲۔ عام عرب قبائل، مناصب اور عہدون اور جاگیرون کے استحقاق مین اپنے کو قریشیون سے کم نہین سمجھتے تھے، اس لیے وہ قریشی افسرون کے غرور و تمکنت کو توڑنا اور اپنا جائز استحقاق اور مساوات حاصل کرنا چاہتے تھے،

۳۔ مجوسی چاہتے تھے کہ حکومت ایسے خاندان مین منتقل ہو جو اُن کی مدد سے

اسکو حاصل کرے تاکہ وہ اس سے بہتر سے بہتر حقوق اور مراعاتین حاصل کرسکین اور عام عربون کے مقابلہ مین اُن کا استحقاق کم نہ قرار پائے،

۴۔ یہودی چاہتے تھے کہ اسلام کے مذہب مین ایسا افتراق پیدا کردیا جائے کہ یہ قوت پاش پاش ہوجائے،

یہ اغراض مختلف تھین اور ہر جماعت اپنی غرض کیلیے کوشش مین مصروف تھی، اس کے لیے خفیہ ریشہ دوانیان شروع ہوئین، عمال کے خلاف سازشین ہونے لگین اور خود امیرالمومنین کو بدنام کرنے کی کوشش شروع ہوئی، حضرت عثمان رضؓ نے ان فتنون کو دبانا چاہا، لیکن یہ آگ ایسی لگی تھی جس کا بجھانا آسان نہ تھا، فتنہ پردازون کا دائرۂ عمل روز بروز وسیع ہوتا گیا، یہان تک کہ تمام ملک مین ایک خفیہ جماعت پیدا ہوگئی جس کا مقصد فتنہ وفساد تھا،

کوفہ کی انقلاب پسند جماعت مین، اشتر نخعی، ابن ذی الحبکہ، جندب، صعصعہ، ابن الکوا، کمیل اور عمیر بن ضابی خاص طور پر قابل ذکر ہین[۱]، ان لوگون کا خیال تھا کہ امارت وریاست قریش کی مخصوص وراثت ہونے کی کوئی وجہ نہین ہے، عام مسلمانون نے ممالک فتح کیے ہین، وہ سب اُس کے مستحق ہین، سعید بن عاص والی کوفہ سے اس جماعت کو خاص طور پر عداوت تھی، اُن کو بدنام کرنے کے لیے روز ایک نئی تدبیر اختراع کیجاتی تھی، اور قریش کے خلاف ملک کو تیار کرنے کے لیے طرح طرح کے وسائل کام مین لائے جاتے تھے، اشراف کوفہ نے ان مفسدہ پردازیون سے تنگ آکر امیرالمومنین سے التجا کی کہ خدا کے لیے جلد ان فتنہ جو اشخاص سے کوفہ کو نجات دلایئے، حضرت عثمان رضؓ نے تقریباً

---

[۱] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۸،

رس آدمیون کو جو اس جماعت کے سرگروہ تھے ملک شام کی طرف جلا وطن کر دیا،[1] اسیطرح بصرہ مین بھی ایک فتنہ پرداز جماعت پیدا ہو گئی تھی، حضرت عثمان رضؓ نے یہان سے بھی کچھ آدمیون کو ملک بدر کرادیا لیکن فتنہ کی آگ اس حدتک بھڑک چکی تھی کہ یہ معمولی چھینٹے اسکو بجھا نہ سکے، بلکہ یہ انتقال مکانی اور بھی اِن خیالات کی اشاعت کے اسباب بن گئے،

مصر سازش کا سب سے بڑا مرکز تھا، عبداللہ بن سبا نے جو یہودی النسل نو مسلم تھا اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت عمل سے مختلف الخیال مفسدون کو ایک مرکز پر متحد کر دیا اور اس کو زیادہ مؤثر کرنے کے لیے اُس نے مذہب مین دست اندازی کر کے عجیب وغریب عقائد اختراع کیے اور خفیہ طور پر ملک مین اس کی اشاعت کی، موجودہ شیعی فرقہ دراصل انھین عقائد پر قائم ہوا،

مفسدین کی جماعت تمام ملک مین پھیلی ہوئی تھی لیکن جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے ہر ایک کا مطمح نظر مختلف تھا، پھر آئندہ خلیفہ کے انتخاب مین بھی ہر ایک کی نظر الگ الگ شخصیتون پر تھی، اہل مصر حضرت علیؓ کے عقیدت کیش تھے، اہل بصرہ حضرت طلحہؓ کے طرفدار تھے، اہل کوفہ حضرت زبیرؓ کو پسند کرتے تھے، اور بعض اہل عراق تو تمام قریش سے عداوت رکھتے تھے، اور بعض سرے سے عربون ہی کے دشمن تھے لیکن امیرالمومنین حضرت عثمان رضؓ کی معزولی اور بنو امیہ کی بیخ کنی پر سب باہم متفق تھے، عبداللہ بن سبا نے حکمت عملی کے ساتھ تمام اختلافات سے قطع نظر کر کے صرف اسی ایک مقصد پر سب کو متحد کر دیا اور تمام ملک مین اپنے داعی اور سفیر پھیلا دیے کہ ہر طرف فتنہ کی آگ بھڑکا کر بدامنی پیدا

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۲،

کرین اور مقصد برآری کیلئے حسب ذیل طریقون کو طرزِ عمل بنانے کی خاص طور پر ہدایت کی،

(۱) بظاہر متقی و پرہیزگار بننا اور لوگون کو وعظ و پند سے اپنا معتقد بنانا،

(۲) عمال کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقے سے اُن کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا،

(۳) ہر جگہ امیرالمومنین کی کنبہ پروری اور ناانصافی کی داستان سنانا،

مذکورۂ بالا طریقون پر نہایت مستعدی کے ساتھ عمل کیا گیا ولید بن عقبہ والیِ کوفہ پر شراب خواری کا الزام قائم کیا گیا اور حد بھی جاری کی گئی لیکن درحقیقت یہ ایک بہت بڑی سازش تھی، اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ والیِ بصرہ کی معزولی بھی انھین ریشہ دوانیون کا نتیجہ تھی،

سالہ ھ مین جبکہ قیصرِ روم نے پانچ سو جنگی جہازون کے عظیم الشان بیڑے سے اسلامی سواحل پر حملہ کرکے مسلمانون کو خوف و ہراس مین مبتلا کر دیا تھا اس وقت بھی یہ انقلاب پسند اپنے مساعی سے باز نہین آئے، محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکرؓ نے جو مفسدین کے دامِ تزویر مین پھنس چکے تھے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو جو اسلامی بیڑے کے امیر البحر مقرر ہوے تھے ہر طرح دق کیا، نماز مین بے موقع تکبیرین بلند کرکے برہمی پیدا کرتے، عبداللہ بن سعد کی علانیہ مذمت کرتے، اور مجاہدین سے کہتے کہ تم رومیون کے مقابلہ مین جہاد کرنے جاتے ہو، حالانکہ اسلام کو خود مدینہ مین مجاہدین کی ضرورت ہے، لوگ تعجب سے پوچھتے کہ مدینہ مین کیا ضرورت ہے؟ تو وہ حضرت عثمانؓ کا نام لیتے اور کہتے کہ اس ظالم امیر کو معزول کرنا اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے، اُس نے سنتِ شیخین کو چھوڑ دیا ہے، کبار صحابہ کو معزول کرکے اپنے اعزہ واقارب کو

سیاہ وسپید کا مالک بنا دیا ہے، غرض ہر قسم کی فریب کاریون سے لوگون کو متاثر کرنے کی کوشش کی گئی، اسلامی بیڑا رومیون کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا تو محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر نے ایک کشتی پر سوار ہو کر چند قبطی ملاحون کی اعانت سے بیڑے کا تعاقب کیا اور جہان جہازات لنگر انداز ہوتے وہ اپنی کشتی کو قریب لیجا کر اپنے خیالات کی اشاعت کرتے، مجاہدین رومی بیڑے کو شکست دیکر مظفر و منصور واپس آئے تو چند آدمیون نے محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن ابی حذیفہ کو جہاد سے پہلوتہی کرنے پر ملامت کی، اُنھون نے کہا کہ ہم اُس جہاد مین کس طرح حصہ لے سکتے ہین جس کا انتظام عثمانؓ کے ایما سے ہوا، اور عبداللہ بن سعد امیر لشکر مقرر ہوا اسکے بعد حسب معمول حضرت عثمانؓ کے معائب اور برائیون کی طویل داستان شروع کردی[1]، عبداللہ بن سعد نے دیکھا کہ یہ دونون کسی طرح اپنی حرکتون سے باز نہین آتے، اور اُن کے مسموم خیالات آہستہ آہستہ اثر پھیلا رہے ہین تو نہایت سختی سے اُن کو منع کیا اور کہا کہ خدا کی قسم اگر امیرالمومنین کا خیال نہ ہوتا تو تمھین اس مفسدہ پردازی کا مزہ چکھا دیتا،

مدینہ بھی مفسدین سے خالی نہ تھا لیکن کبار صحابہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھے اسلیے علانیہ اس جماعت کا کوئی اثر نہ تھا، البتہ اخیر عہد یعنی ۳۵ھ مین جس سال حضرت عثمانؓ شہید ہوئے مفسدین مدینہ نے بیرونی مفسدین کی اعانت سے اپنی سرگرمی کا ثبوت دیا اور اس قدر بیباک ہوگئے کہ خود امیرالمومنین پر بھی دستِ ستم دراز کرنے سے نہین جھجکتے تھے، ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور ابھی حمد و ثنا ہی شروع کی تھی کہ ایک شخص نے کھڑے ہوکر کہا "عثمان! کتاب اللہ کو اپنا طرزِ عمل بنا" لیکن صبر و تحمل کے

---

[1] ابن اثیر صفحہ ۹۱، ۹۲

اس پکڑنے نرمی سے کہا بیٹھ جاؤ، دوسری مرتبہ پھر کھڑے ہو کر اُس نے اُسی جملہ کا اعادہ کیا، حضرت عثمانؓ نے پھر بیٹھنے کو کہا، غرض تین دفعہ اُس نے اسیطرح خطبہ کے درمیان برہمی پیدا کی اور ہر بار اُس کے جواب مین نرمی سے بیٹھنے کو کہا گیا، لیکن در پردہ سازش ہو چکی تھی، ہر طرف سے مفسدین نے نرغہ کر لیا اور اس قدر سنگریزون اور پتھرون کی بارش کی کہ نائبِ رسول زخمون سے چور چور ہو کر منبر سے فرشِ خاک پر گر پڑا مگر صبر و تحمل کا یہ عالم تھا کہ اس بے ادبی پر بھی جذبۂ غیظ و غضب کو ہیجان نہوا،[1]

غرض تمام دنیاے اسلام پُر آشوب تھی، ہر طرف مفسدہ پردازی اور فتنہ سازی کا بازار گرم تھا، مفسدین نے خفیہ ریشہ دوانیون سے ایک عظیم الشان انقلاب کا سامان بہم پہونچا لیا تھا، اور افترا پردازیون اور کذب بیانیون سے اسطرح حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی تھی،

اس طویل مدت کے بعد اس زمانہ مین بھی بہت سے تعلیمیافتہ حضرات جو واقعات کی حقیقت تک پہونچنے کی کوشش نہین کرتے انھین غلط بیانیون اور فریب کاریون سے متاثر نظر آتے ہین اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہین کہ اس موقع پر تمام اعتراضات کو قلمبند کر کے اصل واقعات کو بے نقاب کر دین،

اسوقت تک حضرت عثمانؓ پر جسقدر اعتراضات کئے گئے ہین اُن کی تفصیل یہ ہے،

(۱) کبار صحابہ مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عمرو بن عاصؓ، عمار بن یاسرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن ارقمؓ کو معزول کر کے خاص اپنے کنبہ کے نااہل اور ناتجربہ کار افراد کو مامور کیا،

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۷،

(۲) بیت المال مین بیجا تصرف کیا اور مسرفانہ طریقے پر اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ سخاوت کا اظہار کیا، مثلاً حکم بن العاص جسکو رسول اللہ صلعم نے طائف مین جلاوطن کر دیا تھا اسکو مدینہ آنے کی اجازت دی، اور بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا کیا اور اُسکے لڑکے حارث کو اختیار دیا، کہ بازار مین جو فروخت ہو اس کی قیمت سے اپنے لیے عشر وصول کرے، مروان کو افریقہ کے مال غنیمت کا خمس دیا گیا، اسیطرح عبداللہ بن خالد کو تین لاکھ درہم کا گران قدر عطیہ مرحمت کیا، اور خود اپنی صاحبزادیون کو بیت المال سے قیمتی جواہرات عنایت فرمائے حالانکہ فاروق اعظمؓ نے نہایت شدت کے ساتھ اس قسم کے تصرفات سے احتراز کیا تھا، یہان تک کہ ایک دفعہ اُن کے ایک صاحبزادہ نے مال غنیمت مین سے ایک انگوٹھی اُٹھالی تو اس سے چھین کر بیت المال مین داخل کر دیا، اسکے علاوہ اپنے لیے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا اور مصارف کا تمام بار بیت المال پر ڈالا، عبداللہ بن ارقم اور معیقیب مہتمان بیت المال نے اس اسراف پر اعتراض کیا تو اُن کو معزول کر کے زید بن ثابتؓ کو یہ عہدہ تفویض کیا گیا،

ایک دفعہ بیت المال مین وظائف تقسیم ہونے کے بعد ایک لاکھ درہم پس انداز ہوئے حضرت عثمانؓ نے بوجہ زید بن ثابتؓ کو اس گرانقدر رقم کے لینے کی اجازت دی،

(۳) عبداللہ بن مسعودؓ اور اُبیؓ کے روزینے بند کر دیئے،

(۴) مدینہ کے اطراف مین بقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دیا اور عوام کو اُس سے مستفید ہونے سے روک دیا،

(۵) مدینہ کے بازار مین بعض اشیاء کی خرید و فروخت اپنے لیئے مخصوص کر لی اور حکم دیا کہ کھجور کی گٹھلیان امیرالمومنین کے ایجنٹ کے سوا کوئی دوسرا نہین خرید سکتا،

(۶) اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو اطراف ملک مین نہایت وسیع قطعات زمین مرحمت فرمائے حالانکہ اس سے پہلے کسی نے ایسا نہین کیا تھا،

(۷) بعض کبار صحابہ کی تذلیل کی گئی اور اُن کو جلا وطن کیا گیا، مثلاً ابو ذر غفاریؓ، عمار بن یاسرؓ، جندب بن جنادہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبادہ بن صامتؓ کے ساتھ نہایت نامنصفانہ سلوک ہوا،

(۸) زید بن ثابتؓ کے تیار کردہ مصحف کے سوا تمام مصاحف کو جلا دیا،

(۹) حدود کے اجراء مین تغافل سے کام لیا،

(۱۰) فرائض وغیرہ مین تمام امت کے خلاف روایات شاذہ پر عمل کیا گیا حالانکہ شیخین جب تک روایات کی اچھی طرح توثیق نہین کر لیتے تھے اسکو قبول نہین کرتے تھے

(۱۱) مذہب مین بعض نئی بدعتین پیدا کین جنکو اکثر صحابہ نے ناپسند کیا، مثلاً حج کے موقع پر منیٰ مین دو رکعت نماز کے بجائے چار رکعت نماز ادا کی، حالانکہ خود رسول اللہ صلعم نے اور آپ کے بعد شیخین نے کبھی دو رکعت سے زیادہ نہین پڑھی،

(۱۲) مصری وفد کے ساتھ بد عہدی کی گئی جس کا نتیجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی صورت مین ظاہر ہوا،

مذکورۂ بالا واقعات مین حضرت عثمانؓ کے فرد قرار داد جرم کو رنگ آمیزی کے ساتھ نہایت اہم اور خوفناک بنایا گیا ہے، لیکن ہمکو جلد بازی کے ساتھ کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے ہر ایک الزام کو تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر جانچنا چاہیئے کہ اسمین صداقت کا کتنا شائبہ ہے؟

سب سے پہلا الزام جو بجائے خود متعدد الزامات کا مجموعہ ہے اُسکی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) کبار صحابہؓ کو ذمہ داری کے عہدوں سے معزول کر دیا،

(۲) نااہل اور ناتجربہ کار افراد کو رعایا کی قسمت کا مالک بنا دیا،

(۳) اپنے خاندان کو فوقیت دی،

امر اول کی نسبت تحقیقی فیصلہ سے قطع نظر کر کے پہلے دیکھنا چاہیئے کہ اگر یہ الزام ہے تو اسلام کے سب سے عادل اور مدبر خلیفہ فاروق اعظمؓ پر جس کا عدل و انصاف اور تدبر دنیائے اسلام کے لیے قیامت تک مایۂ ناز رہیگا یہی الزام عائد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جس نے خالد سیف اللہؓ مغیرہ بن شعبہؓ اور سعد وقاصؓ فاتح ایران کو معزول کر دیا تھا، یا شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اسی اعتراض کے مورد ہو سکتے ہیں یا نہیں جنھوں نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی تمام عمال عثمانی کو یک قلم موقوف کر دیا، جن کی قوت بازو نے طرابلس، آرمینیہ اور قبرس کو زیر نگین کیا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی قسم کے واقعات کسی خاص وقتی سبب کی بنا پر ایک شخص کیلئے موجب مدح اور دوسرے کے لیے موجب ذم بنا دیے جاتے ہیں اور اسپر ایسی ملمع سازی کی جاتی ہے کہ کسی کو تحقیق و تنقید کا خیال تک نہیں آتا، ل یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۶۹

حضرت عثمانؓ نے کبار صحابہ میں سے جن لوگوں کو معزول کیا تھا ان میں سے عمرو بن العاصؓ سعد وقاصؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کی معزولی کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے اس سے تمہیں معلوم ہوا ہوگا کہ عمرو بن العاصؓ والی مصر نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں کے ساتھ نہایت نامنصفانہ سلوک کیا تھا اور ان کو لونڈی غلام بنا لیا تھا، نیز نئی نہروں کے جاری ہو جانے کے باوجود وہ مصر کے مالیات میں کچھ اضافہ نہ کر سکے اور آخر عبد اللہ بن ابی سرح کی تقرری کے بعد اس سے کہیں زیادہ ہو گیا، اسیطرح

کرنے کا الزام ایک حد تک قابلِ غور ہے، اس مین شک نہین کہ شیخین نہایت محتاط تھے اور ہر ایک شک و شبہ کے موقع سے بچتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ خلافت کے معاملات مین اپنے اعزہ و اقارب کے لیے ہمیشہ کوتاہ دست رہے، لیکن حضرت عثمانؓ ایک سادہ طبع اور نیک نفس بزرگ تھے، مزاج مین اسقدر پیش بینی نہ تھی، نیز اپنے اختیارات سے اپنے اہل قرابت کو فائدہ پہونچانا صلۂ رحم جانتے تھے، ایک دفعہ جب لوگون نے اس طرزِ عمل کی علانیہ شکایتین کین تو حضرت عثمانؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور خدا کا واسطہ دیکر پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلعم قریش کو تمام اہل عرب پر ترجیح نہین دیتے تھے؟ اور کیا قریش مین سے بنو ہاشم کا سب سے زیادہ خیال نہین رکھتے تھے؟ لوگ خاموش رہے تو ارشاد فرمایا کہ اگر میرے ہاتھ مین جنت کی کنجی ہوتی تو تمام بنو امیہ کو اس مین بھر دیتا،[1] بہرکیف یہ امام وقت کی ایک اجتہادی راے تھی، ممکن ہے کہ عام لوگ اس سے متفق نہون لیکن اس سے حضرت عثمانؓ کے فضل وکمال کا دامن داغدار نہین ہوسکتا،

دوسرا الزام بیت المال مین مسرفانہ تصرف کا ہے لیکن ثبوت مین جن واقعات سے کام لیا گیا ہے وہ یا تو سرتا پا غلط ہین یا رنگ آمیزی کرکے اُن کی صورت بدلدی گئی ہے، ہم ذیل مین تفصیل کے ساتھ ہر ایک واقعہ کو اُس کی اصلی صورت مین دکھاتے ہین جس سے اندازہ ہوگا کہ مفسدین نے کس طرح واقعات کی صورت کو مسخ کرکے حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی،

تحقیقِ واقعات سے قطع نظر کرکے ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ذاتی طور پر حضرت عثمانؓ کی مالی حالت کیسی تھی؟ تاکہ اندازہ ہوسکے کہ وہ اپنی ذاتی دولت سے اس قسم کی

[1] ابن سعد جلد ۳، قسم اول تذکرۂ عثمانؓ، و ابن حنبل جلد اول صفحہ ۶۲،

فیاضی اور جود و کرم پر قادر تھے یا نہیں؟"

عام طور پر تاریخوں سے ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ دولتمند اور متمول تھے، ان کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہزار ہا روپے بیر رومہ کی خریداری پر صرف کیے، ایک بیش قرار رقم سے مسجد نبوی کی توسیع کی اور لاکھوں روپے سے جیشِ عسرہ کو آراستہ کیا، اب سوال یہ ہے کہ عام طور پر راہِ خدا میں جسکے جود وسخا کا یہ حال ہو وہ اپنی دولت سے ذوی القربیٰ کے ساتھ کچھ صلۂ رحم نہیں کر سکتا تھا؟

حضرت عثمانؓ نے ایک موقع پر حسب ذیل تصریحات کے ساتھ اس الزام کو دفع کیا تھا،

قالوا انی احب اهل بیتی و	لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت
اعطیهم فاما حبی فانه لم یمل معهم علی	رکھتا ہوں اور اُن کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں لیکن میری
جور بل احمل الحقوق علیهم و اما	محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا ہے بلکہ میں
اعطائی هم فانی ما اعطیهم من مالی	صرف اُن کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں، اسیطرح فیاضی
ولا استحل اموال المسلمین لنفسی ولا لاحد	بھی اپنے ہی مال تک محدود ہے، مسلمانوں کا مال
من الناس ولقد کنت اعطی العطیة الکبیرة	نہ میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کیلیے
الرغیبة من صلب مالی ازمان رسول الله	میں رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں بھی اپنے
و ابی بکر و عمر رضی الله عنهما وانا یومئذ	مال سے گرانقدر عطیے دیا کرتا تھا حالانکہ میں اس زمانہ میں
شحیح حریص افحین اتیت علی اسنان	بخیل و حریص تھا اور اب جبکہ میں اپنی خاندانی عمر کو
اهل بیتی وفنی عمری وودعت الذی	پہونچ چکا ہوں، زندگی ختم ہو چکی ہے اور اپنا تمام
لی فی اهلی قال الملحدون ما قالوا	سرمایہ اپنے اہل وعیال کے سپرد کر دیا ہے تو ملحدین

وانی واللہ ما حملت شیئا
علیهم الا مما رضوا فیجمع ذلک
لمن قاتلہ ولقد رددتہ
علیهم وما قدم علی الا الاخماس
ولا یحل لی منہا شئی فولی المسلمون
وضعہا فی اہلہا دونی
ولا یتلفت من مال اللہ بفلس
فما فوقہ وما اتبلغ منہ
ما آکل الا من مالی
. . . .

ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں، خدا کی قسم میں نے
کسی شہر پر خراج کا کوئی بار ایسا نہیں ڈالا ہے
کہ اس قسم کا الزام دینا جائز ہو، اور جو کچھ وصول ہوا
انھیں لوگوں کے رفاہ و بہبود پر صرف ہوا، میرے
پاس صرف خمس آتا ہے اور اس میں سے بھی اپنے
لیے کچھ لینا جائز نہیں مسلمانوں نے اُسکو میرے مشورہ
کے بغیر مستحقین میں صرف کیا، خدا کے مال میں ایک
پیسہ کا بھی تصرف نہیں کیا جاتا میں اس سے کچھ
نہیں لیتا ہوں یہاں تک کہ کھاتا بھی ہوں اپنے
ہی مال سے،

مذکورۂ بالا تصریحات کے بعد اب ہم کو اُن واقعات کی طرف رجوع کرنا چاہیے جن کی بنا پر ذوالنورین رضؓ کی تابشِ ضیا کو غبار آلود کہا جاتا ہے،

اس میں شک نہیں کہ حکم کو رسول اللہ صلعم نے طائف کو جلا وطن کردیا تھا لیکن اخیر عہد میں حضرتِ عثمان رضؓ کی سفارش سے مدینہ آنے کی اجازت دیدی تھی[۱] چونکہ شیخین کو ذاتی طور پر رسول اللہ صلعم کی منظوری کا علم نہیں تھا، اس لیے اُنھوں نے مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی، جب حضرت عثمان رضؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تو اپنے ذاتی علم کی بنا پر اُن کو مدینہ بلا لیا، اور ان کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کردیا اور صلۂ رحم کے طور پر جیب خاص سے حکم کو ایک لاکھ درہم عطا فرمائے، نیز مروان کو

[۱] طبری صفحہ ۳۰۹۲، [۲] صاحب اصابہ اور اسد الغابہ دونوں نے حکم کے حالات میں اس اجازت کا ذکر کیا ہے،

جہیز مین ایک لاکھ درہم کا عطیہ مرحمت کیا، یہ ہے اصل واقعہ جسکو مفسدین نے رنگ آمیزی کرکے کچھ سے کچھ کردیا،

طرابلس کے مالِ غنیمت سے مروان کو خمس دلانے کا واقعہ سراسر بہتان ہے، اس کی صحیح کیفیت یہ ہے کہ مروان نے اسکو خرید لیا تھا،

چنانچہ مورخ ابن خلدون لکھتا ہے،

وارسل ابن زبیر با لفتح والخمس فاشتراہ	یعنی ابن زبیر نے فتح کا مژدہ اور پانچوان حصہ
مروان بن حکم بخمس مائتہ الف دینار	دار الخلافہ روانہ کیا جسکو پانچ لاکھ دینار پر مروان نے خرید لیا، اور
وبعض الناس یقول اعطاہ اجاہ	بعض لوگ جو یہ کہتے ہین کہ مروان کو دیدیا گیا، یہ صحیح
ولا یصح وانما اعطی ابن ابی سرح	نہین ہے بلکہ پہلے معرکہ کے مالِ غنیمت کے خمس کا
خمس الخمس من الغزوۃ الاولیٰ[1]	خمس ابن ابی سرح کو دیدیا تھا،

اب یہ اعتراض رہ جاتا ہے کہ کسی غزوہ کے مالِ غنیمت کا کوئی حصہ ابن ابی سرح کو دینے کا کیا حق تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ طرابلس کی جنگ کے قبل حضرت عثمان رضؓ نے ابن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس معرکہ مین کامیاب ہوئے تو مالِ غنیمت کے پانچوین حصہ کا پانچوان حصہ تم کو دیا جائیگا، چنانچہ فتح کے بعد حسب وعدہ اُن کو دیدیا، اس سے عام مسلمانون کو شکایت پیدا ہوئی اور اُنھون نے حضرت عثمان رضؓ سے آکر شکایت کی تو اُنھون نے اسکو واپس لے لیا، طبری کے یہ الفاظ ہین،

فان رضیتم فقد جاز وان سخطتم فهو رد	(حضرت عثمان رضؓ نے کہا) کہ اگر تم لوگ اس پر راضی ہو
قالوا انا نسخطه قال فهو رد وكتب	تو اُن کا ہو چکا اور اگر تمھاری مرضی کے خلاف ہے تو

[1] ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۲۹،

الی عبد اللہ بن ردذالک[1] | واپس ہے لوگون نے کہا ہم راضی نہین ہین فرمایا واپس ہے اور عبد اللہ کو واپس کرنیکا حکمنامہ لکھدیا،

عبد اللہ بن خالد کو تین لاکھ کا عطیہ مرحمت فرمایا گیا لیکن اس کی نسبت خود حضرت عثمان رضؓ نے مصری معترضین سے فرمایا تھا کہ مین نے بیت المال سے یہ رقم بصورتِ قرض لی ہے،

حارث بن حکم کو بازارِ مدینہ سے عشر وصول کرنے کا اختیار دینا محض خلاف عقل اور بالکل بے بنیاد ہے، اسیطرح اپنی صاحبزادیون کو ہیرے جواہرات دینے کا قصہ صرف ابن اسحاق نے ابوموسیٰ اشعری رضؓ سے روایت کیا ہے اور چونکہ درمیانی راوی مجہول ہے، اس لیے قابلِ استناد نہین،

بیت المال کے صرف سے اپنے لیے محل تعمیر کرانے کا قصہ محض کذب صریح ہے جو فیاض طبع اپنے ابرِکرم سے دوسرون کو سیراب کرتا ہوا ور جو اپنا مقررہ وظیفہ بھی بیت المال سے لینا پسند نہ کرتا ہو، وہ اپنے لیے عام مسلمانون کا شرمندۂ احسان ہونا کس طرح گوارا کرتا،

زید بن ثابت رضؓ مہتمم بیت المال کو ایک لاکھ درہم دینے کی روایت بالکل بے بنیاد ہے، اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بیت المال مین اخراجات کے بعد ایک معقول رقم پس انداز ہوئی، حضرت عثمان رضؓ نے زید بن ثابت رضؓ کو حکم دیا کہ اسکو کسی رفاہ عام کے کام پر صرف کردین، چنانچہ اُنھون نے اُس کو مسجد کی توسیع اور تعمیر مین صرف کردیا، انشاء اللہ اس کا تفصیلی بیان تعمیرات کے سلسلہ مین آئیگا،

(۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ اور حضرت اُبی رضؓ کے وظائف کا بند کرنا کوئی قابلِ اعتراض

[1] طبری صفحہ ۲۸۱۵،

امر نہین ہے، امام وقت کو سیاسی وجوہ کی بنا پر اس قسم کے اختیارات حاصل ہین،
حضرت عثمان رضؓ کو ان دونون بزرگون کی طرف سے کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی اس لیے
انھون نے کچھ دنون کیلئے وظیفہ روک دیا تھا، چنانچہ جب حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے
وفات پائی تو غایت انصاف سے کام لیکر جسقدر وظیفہ بیت المال کے ذمہ باقی تھا جو
تخمیناً بیس پچیس ہزار تھا اُن کے ورثہ کے حوالہ کردیا[۱]،

(۴) چوتھا اعتراض بالکل بے معنی ہے، فوجی گھوڑون اور زکوٰۃ کے اونٹون کیلئے
چراگاہین بنوانا خلیفۂ وقت کا منصبی فرض ہے، خود رسول اللہؐ نے مقام بقیع کو چراگاہ قرار دیا
تھا حضرت عمرؓ نے تمام ملک مین وسیع چراگاہین تیار کرائی تھین، عہدِ عثمانی مین قدرۃً
گھوڑون اور اونٹون کی تعداد مین غیر معمولی اضافہ ہوگیا، یہان تک کہ صرف ایک چراگاہ مین
چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے، اس لیے سرکاری چراگاہون کا وسیع پیمانہ پر انتظام
کرنا ضروری تھا اور چونکہ یہ تمام چراگاہین سرکاری خرچ سے تیار ہوئی تھین، اس لیے عوام
کو اُس سے مستفید ہونے کا کوئی حق نہ تھا،

البتہ اگر الزام کی یہ صورت ہو کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ذاتی گھوڑون اور اونٹون
کے لیے مقام بقیع کی چراگاہ کو مخصوص کرلیا تھا تو اس کے متعلق اُنھون نے خود جن الفاظ مین
اپنی بریت ظاہر کی ہے وہ اس بحث کے فیصلہ کے لیے کافی ہے،

فقالوا انی حمیت حمی وانی واللہ ما	لوگ کہتے ہین کہ تونے مخصوص چراگاہین بنائی ہین حالانکہ
حمیت حمی قبلی واللہ ما حموا شیأً	خدا کی قسم مین نے اسی کو مخصوص چراگاہ قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے
لاحد الا ما غلب علیہ	مخصوص ہوچکی تھی اور خدا کی قسم ان لوگون سے یہی مخصوص

[۱] ابن سعد جزء ۳ قسم اول تذکرۂ عبد اللہ بن مسعود، سنہ الوفا باخبار دار المصطفےٰ صفحہ ۲۵۶

اهل المدينة[1]	مخصوص چراگاہین تیار کرائین جبر تمام اہل مدینہ غالب گئے،
ثم لم يمنع امن رعية احدا	اس کے بعد چرانے سے کسی کو نہین روکا اور اسکو
واقتصر والصدقات المسلمين يحموها	مسلمانون کے صدقے پر محدود کردیا ان کو اس لیے
لئلا يكون بين من يليها وبين احد	چراگاہ بنایا تاکہ والی صدقہ اور کسی کے درمیان نزاع
تنازع ثم ما منعوا ولانحوا منها احدا	نہ واقع ہو پھر کسی کو نہ منع کیا نہ اس سے ہٹایا بجز اسکے
الا من ساق درهما،	جس نے بطور رشوت کے کوئی درہم دیا،
ومالى من بعير غير راحلتين	میرے پاس اس وقت دو اونٹون کے سوا اور کچھ نہین ہے
ومالى ثاغية ولا راغية وانى	حالانکہ جبوقت مین نے خلافت کا بار گران اپنے سر لیا ہے
قد وليت وانى اكثر العرب بعيرا	تو مین عرب مین سب سے زیادہ اونٹون اور بکریون کا مالک
وشاء فمالى اليوم شاة ولا بعير	تھا اور آج ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہین ہے صرف
غير بعيرين لحجى"	حج کیلیے دو اونٹ رہ گئے ہین،

(۵) بازار مین بعض اشیا کی خرید و فروخت کو اپنے لیے مخصوص کرلینے کا قصہ بالکل غلط ہے، اگر اسکو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو نائب رسول اور ایک جفاکار بادشاہ مین کوئی فرق نہین رہ جاتا، البتہ کھجور کی گٹھلیون کو زکوٰۃ کے اونٹون کی خوراک کے لیے خریدنے کا انتظام کیا گیا ہوگا لیکن اس سے کوئی الزام نہین عائد ہوسکتا،

(۶) اپنے حاشیہ نشینون اور اہل قرابت کو اطراف ملک مین وسیع قطعات زمین مرحمت فرمانے کا جو الزام قائم کیا گیا ہے اس کی صحیح کیفیت یہ ہے،

عہد عثمانی مین بہت سے اہل یمن گھر بار اور جائداد چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے،

---

[1] طبری ص ۲۹۵۲،

حضرت عثمانؓ نے ان لوگون کی راحت اور سہولت کے خیال سے اراضی نزدل اُن کی یمن کی جائداد سے تبادلہ کرلیا تھا، مثلاً حضرت طلحہؓ کو ایک قطعۂ زمین دیا تو اس کے معاوضہ مین کندہ مین ان کی مملوکہ جائداد پر قبضہ کرلیا، انتظامی حیثیت سے اس قسم کا ردوبدل ناگزیر تھا،

عراق مین بہت سی زمین غیرآباد پڑی ہوئی تھی، جن لوگون نے اس کو قابل زراعت بنایا حضرت عثمانؓ نے من احیی ارضا میتة فھی له پر عمل کرکے اُن کو اس کا مالک قرار دیا، ملک کو آباد اور قوم کو مرفہ الحال کرنے کے لیے اس قسم کی ترغیب وتحریص نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے،

(۷) اگر حضرت عثمانؓ نے اخلاقی یا سیاسی مصالح کی بنا پر کسی صحابی کی تادیب کی تو اس سے اُسکی تذلیل نہین ہوئی، حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب پر کوڑا اُٹھایا، عیاض بن غنم کا کرتہ اتروا کر بکریان چرانے کو دین اور سعد وقاص کو دُرّے مارے تو کسی نے اسکو تذلیل پر محمول نہین کیا،

حضرت ابوذرؓ کو حضرت عثمانؓ نے جلاوطن نہین کیا تھا بلکہ وہ خود تارکِ دنیا ہوگئے تھے، چنانچہ جب حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کے لیے طلب کیا اور حضرت ابوذرؓ دربارِ خلافت مین حاضر ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے پہلے فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیئے، آپ کے اخراجات کا مین کفیل ہون لیکن اُنھون نے یہ کہکر انکار کردیا کہ تمھاری دنیا کی مجھکو ضرورت نہین ہے[1]

اسیطرح عبادہ بن صامتؓ کے ساتھ بھی کوئی واقعہ پیش نہین آیا تھا بلکہ اُنکی جلاوطنی

---

[1] ابن سعد تذکرۂ ابوذرؓ

روایت کے برخلاف ایک مستند روایت موجود ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے آخری عہد تک شام میں تقسیم غنیمت کے عہدہ پر مامور تھے، البتہ عمار بن یاسرؓ، جندب بن جنادہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ کچھ سختیاں ہوئیں لیکن اس سے اُن کی تذلیل نہیں ہوئی،

ایک مصحف کے سوا تمام مصاحف کے جلا دینے کا الزام صرف ان لوگوں کے نزدیک قابلِ وقعت قرار پاسکتا ہے جن کے دل بصیرت سے اور آنکھیں بصارت سے محروم ہیں، حضرت عثمانؓ نے خود کوئی صحیفہ ترتیب دیکر پیش نہیں کیا بلکہ فتنہ کے ظہور سے پہلے آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ہی حضرت ابوبکرؓ نے جو مصحف تیار کرایا تھا، اُسی کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے مختلف امصار و دیار میں بھجوادیں اور اسی کی تسلیم پر تمام امت کو متفق کردیا، یہ آپ کا وہ کارنامہ ہے جسکے بارِ احسان سے امت محمدیہ کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی،

(۹) اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ نہایت رحمدل اور رقیق القلب تھے، لیکن شرعی حدود کے اجرا میں اُنھوں نے کبھی تساہل سے کام نہیں لیا، جن واقعات کی بنا پر اُن کو اجرائے حدود میں تغافل شعار بنایا جاتا ہے اُن کی تفصیل یہ ہے،

(۱) عبیداللہ بن عمرؓ سے ہرمزان کا قصاص نہیں لیا گیا،

(۲) ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد جاری کرنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی،

ہرمزان کا واقعہ یہ ہے کہ جب فاروق اعظمؓ کو ابو لولو مجوسی نے شہید کیا تو عبیداللہ بن عمرؓ نے غضبناک ہوکر قاتل کی لڑکی اور ہرمزان کو جو ایک نومسلم ایرانی تھے قتل کردیا کیونکہ ان کے خیال میں یہ سب سازش میں شریک تھے، حضرت عثمانؓ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تو سب سے پہلے یہی مقدمہ پیش ہوا، صحابہ سے اس کے متعلق رائے طلب کی،

تو حضرت علیؓ نے عبید اللہ بن عمرؓ کو ہرمزان کے قصاص میں قتل کردینے کا مشورہ دیا، بعض مہاجرین نے کہا عمرؓ کل قتل کیے گئے اور ان کا لڑکا آج مارا جائیگا؟ عمرو بن عاصؓ نے کہا امیر المومنین اگر آپ عبید اللہ کو معاف کردیں گے تو امید ہے کہ خدا آپ سے باز پرس نہ کریگا، غرض اکثر صحابہ عبید اللہ کے قتل کردینے کے خلاف تھے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث نہیں ہے اس لیے بحیثیت امیر المومنین میں اس کا ولی ہوں اور قتل کے بجائے دیت پر راضی ہوں، اُسکے بعد خود اپنے ذاتی مال سے دیت کی رقم دیدی[1]، حضرت عثمانؓ نے جس عمدگی کے ساتھ اس مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اس سے بہتر نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ قبیلہ عدی کبھی ہرمزان کے قصاص میں عبید اللہ بن عمرؓ کے قتل کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور درحقیقت اسی وقت فتنہ و فساد کی آگ مشتعل ہوجاتی،

ولید بن عقبہ والیِ کوفہ نے بادہ نوشی کی تو حضرت عثمانؓ نے فوراً معزول کردیا، لیکن حد کے اجراء میں اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ حضرت عثمانؓ کو گواہوں پر کامل اطمینان نہیں تھا، جب کافی ثبوت بہم پہونچ گیا تو پھر حد کے اجراء میں پس و پیش نہیں کیا گیا[2]،

(۱۰) یہ خیال کہ حضرت عثمانؓ نے موثق روایات کو چھوڑ کر روایات شاذہ پر عمل کیا قطعی غلط ہے، البتہ اجتہادی مسائل میں اختلاف آراء ہوا اور یہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام صحابہ میں اس قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے،

(۱۱) مذہب میں اختراعِ بدعات کا الزام نہایت نامنصفانہ ہے، اتباعِ سنت حضرت عثمانؓ کا مقصدِ حیات تھا، منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعت نماز ادا کرنا بھی دراصل ایک نص شرعی پر مبنی تھا چنانچہ جب صحابہ نے اسکو بدعت پر محمول کرکے اپنی ناپسندیدگی

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۵۸، ۵۹، [2] فتح الباری جلد ۷ ص ۴۵ و طبری ص ۲۸۴۹،

کا اظہار کیا تو خود حضرت عثمانؓ نے ایک مجمع مین اپنے چار رکعت نماز پڑھنے کی حسب ذیل وجہ بیان کی،

یا ایہا الناس انی تاھلت بمکۃ منذ قدمت وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من تاھل فی بلد فلیصل صلوٰۃ المقیم[1]

صاحبو! جب مین مکہ پہونچا تو یہان اقامت کی نیت کرلی اور مین نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے سُنا ہے کہ جو کسی شہر مین اقامت کی نیت کرلے اُسکو مقیم کی طرح نماز پڑھنا چاہیے،،

(۱۲) بارھوان الزام مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کا ہے، چونکہ اس کی تفصیلی بحث حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع مین آئے گی اس لیے اسکو یہان نظر انداز کرتے ہین،

غرض یہی حقیقت ہے اُن تمام الزامات کی جنکی بنا پر سازش، فتنہ پردازی اور انقلاب کی عمارت قائم کی گئی تھی اور اس حد تک مکمل ہو چکی تھی کہ اس کا انہدام تقریباً ناممکن ہو گیا تھا، تاہم حضرت عثمانؓ نے شورش رفع کرنے کے لیے اصلاح اور رفع شکایت کی ایک آخری کوشش کا ارادہ کرلیا اور تمام عمال کو دار الخلافہ مین طلب کرکے اس کے متعلق ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی، شرکائے مجلس مین امیر معاویہؓ، عبداللہ بن ابی سرح، سعید بن العاص اور عمرو بن العاصؓ خاص طور پر قابلِ ذکر ہین،

رفع فتنہ کی آخری کوشش

حضرت عثمانؓ نے ایک مختصر تقریر کے بعد موجودہ شورش کو رفع کرنیکے متعلق ہر ایک سے رائے طلب کی، عبداللہ بن عامر نے کہا امیر المومنین! میرا خیال ہے کہ اس وقت کسی ملک پر فوج کشی کردی جائے، لوگ جہاد مین مشغول ہوجائین گے تو فتنہ و فساد کی آگ خود بخود سرد ہوجائیگی،

[1] مسند ابن حنبل ص ۶۲، ج ۱،

سعید بن العاص نے کہا، موجودہ شورش صرف ایک مخصوص جماعت کی وجہ سے ہے اس کے سرگروہ اگر قتل کردیے جائین تو مفسدین کا شیرازہ بکھر جائیگا اور ملک مین کامل امن وامان پیدا ہو جائیگا،

امیر معاویہ نے کہا! ہر ایک عامل اپنے صوبہ مین امن وامان قائم رکھنے کا ذمہ لے مین ملک شام کا ضامن ہون،،

عبداللہ بن سعد نے کہا! شورش پسند گروہ حریص وطماع ہے اس لیے مال وزر کا فیضان عام ان کو امن پسند بنا سکتا ہے،

عمرو بن العاص نے کہا" امیرالمومنین! آپ کی بے اعتدالیون نے لوگون کو احتجاج حق پر آمادہ کیا ہے اس لیے اب صرف دو ہی صورتین ہین، عدل وانصاف یا خلافت سے کنارہ کشی، اگر یہ دونون ناپسند ہون تو پھر جو چاہیے کیجیے" حضرت عثمانؓ نے تعجب سے عمرو بن العاص کی طرف دیکھا اور فرمایا افسوس! کیا تم میری نسبت ایسی راے رکھتے ہو؟ عمرو بن العاص خاموش رہے لیکن جب مجمع منتشر ہوگیا اور تنہا حضرت عثمانؓ رہ گئے تو کہا امیرالمومنین! آپ مجھے بہت زیادہ محبوب ہین، مجمع عام مین مین نے جو راے دی وہ صرف نمائشی تھی تاکہ مفسدین مجھے ہمخیال سمجھ کر اپنا رازدار بنائین، اور اس طرح آپ کو ان کے خیر و شر سے مطلع کرتا رہون، اگرچہ یہ اعتذار بجاے خود دلنشین اور قابل تعریف نہ تھا تاہم حضرت عثمانؓ خاموش ہوگئے[1]

عمال کی مجلس شوریٰ نے اگرچہ بیش قیمت رائین دین لیکن ان سے اصل مرض کا ازالہ نہین ہوسکتا تھا اس لیے اصلاح ملک کا کوئی مکمل دستور العمل تیار نہ ہو سکا، حضرت

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۷، ۱۱۸،

حضرت عثمانؓ نے تمام عمال کو واپس کر دیا[1] اور خود ایک مکمل اسکیم سوچنے مین مصروف ہو گئے

مفسدین کوفہ کی رضاجوئی پہلے گذر چکا ہے کہ مفسدین کوفہ سعید بن العاص سے خاص بغض وعناد رکھتے تھے چنانچہ جب وہ مجلس شوری مین شریک ہونے کے لیے مدینہ گئے تو انھون نے باہم عہد کیا کہ اب اُن کے کوفہ واپس آنے مین بزور مزاحم ہون گے، اس لیے جب سعید بن العاص مدینہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوے تو حسب قرار داد مفسدین نے شہر سے باہر نکل کر مقام جرعہ مین مزاحمت کی اور مدینہ واپس جانے پر مجبور کیا، حضرت عثمانؓ نے ان لوگون کی خواہش کے مطابق سعید کو معزول کر کے ابو موسیٰ اشعریؓ کا تقرر کیا اور باغیون کے پاس لکھ بھیجا، کہ مین نے تمھاری خواہش کے مطابق تقرر کر دیا اور آخر وقت تک تمھاری اصلاح مین جد وجہد کرون گا، اور کسی وقت صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑون گا[2]،

تحقیقاتی وفود حضرت عثمانؓ اصلاح ملک کی فکر مین تھے لیکن کوئی مناسب تدبیر سمجھ مین نہین آتی تھی، حضرت طلحہؓ نے مشورہ دیا کہ مختلف حصص ملک مین عام حالات کی تحقیقات کیلئے وفود روانہ کیے جائین، چنانچہ یہ راے پسند آئی اور ۳۵ھ مین محمد بن مسلمہؓ کوفہ، اُسامہ بن زیدؓ بصرہ، عمار بن یاسرؓ مصر، عبد اللہ بن عمرؓ شام اور بعض دوسرے صحابہ دیگر صوبجات کی طرف تفتیش حال کیلئے روانہ کیے گئے[3]، نیز تمام ملک مین گشتی اعلان جاری کیا کہ مین عموماً حج کے موقع پر تمام عمال کو جمع کرتا ہون اور جس کسی کو کسی عامل سے شکایت ہوتی ہے تو پیش کرنے پر فوراً تحقیقات کر کے تدارک کرتا ہون لیکن باوجود اسکے معلوم ہوا ہے کہ بعض عمال بیوجہ لوگون کو مارتے ہین، گالی دیتے ہین اور دوسرے طریقون سے

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۱۷، ۱۱۸، [2] طبری ص ۲۹۳۶ [3] طبری ص ۲۹۴۳،

ظلم و تعدی کرتے ہین اس لیے اعلان عام ہے کہ جسکو مجھ سے یا میرے کسی عامل سے شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے مین کامل تدارک کرکے ظالم سے مظلوم کا حق دلاؤن گا[1]،

انقلاب کی کوشش دربار خلافت مین تو اصلاحات کی تجویزین پیش ہو رہی تھین لیکن دوسری طرف ملک مین ایک عظیم الشان انقلاب کی سازش مکمل ہو چکی تھی، بصرہ، کوفہ اور مصر کے فتنہ پردازون نے باہمی قرار داد کے بعد اپنی اپنی جگہ سے حاجیون کی وضع مین مدینہ کا رُخ کیا کہ بزور اپنے مطالبات تسلیم کرائین،

مفسدین نے مدینہ کے قریب پہونچکر شہر سے دو تین میل کے فاصلہ پر طرح اقامت ڈالی، اور چند آدمی جو اس جماعت کے سرگروہ تھے باری باری حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ، حضرت سعد وقاصؓ اور حضرت علیؓ کے پاس گئے کہ اپنی وساطت سے معاملات کا تصفیہ کرادین لیکن سب نے اس جھگڑے مین پڑنے سے انکار کیا،

حضرت عثمانؓ کو فتنہ اور فساد کا دبانا اور لوگون کی صحیح شکایات کا رفع کرنا ہرحال منظور تھا اُنھون نے جب مفسدین کی اجتماع کی خبر سنی تو حضرت علیؓ کو بلا کر کہا کہ آپ اس جماعت کو راضی کرکے واپس کر دیجئے مین جائز مطالبات کے تسلیم کرنے کے لیے تیار ہون، غرض حضرت علیؓ کی وساطت سے مفسدین واپس گئے[2] حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز مسجد مین خطبہ دیا اور تفصیل کے ساتھ اصلاحی اسکیم اور اپنے آئندہ طرز عمل کی توضیح کی، لوگ خوش ہوے کہ اب منازعات کا خاتمہ ہو گیا جدید اصلاحات کے اجرا سے ایک طرف تو بنو امیہ کا زور ٹوٹ جائیگا دوسری طرف باغ اسلام مین جسکو مسلسل پانچ چھ سال

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۲، [2] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۵، [3] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۹، طبع یورپ،

فتنہ و فساد اور سازش و فتنہ پردازی کی باد خزان نے بے رونق کر دیا ہے پھر تازہ بہار آجائیگی لیکن یہ غنچہ سرور ابھی اچھی طرح کھلا بھی نہ تھا کہ مرجھا گیا، مدینہ کی گلیوں مین تکبیر کے نعرون اور گھوڑون کی ٹاپون سے شور قیامت برپا ہو گیا، کبار صحابہ گھبرا کر گھرون سے نکل آئے دیکھا تو مفسدین کی جماعت پھر واپس آگئی ہے اور "انتقام" "انتقام" کی صدائین بلند ہو رہی ہین، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑھکر واپس آنے کا سبب دریافت کیا تو مصریون نے کہا کہ راہ مین دربارِ خلافت کا ایک قاصد ملا، جو نہایت تیزی و عجلت کے ساتھ مصر جارہا تھا، اُسکی مشتبہ حالت سے بدگمانی پیدا ہوئی اور خیال ہوا کہ ضرور ہم لوگون کے متعلق والی مصر کے پاس احکام جارہے ہین، تلاشی لی گئی تو درحقیقت ایک ایسا فرمان برآمد ہوا جسمین ہدایت کی گئی تھی کہ ہم لوگون کی گردن ماردی جائے[1] چنانچہ اب ہم اس بدعہدی اور فریب کاری کا انتقام لینے آئے ہین،

خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واقعہ سے اطلاع دی گئی تو اُنھون نے حیرت کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کی اور قسم کھا کر کہا کہ مجھے مطلقاً اس خط کی اطلاع نہین ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حلفیہ انکار پر لوگون نے قیاس کیا کہ یقیناً مروان کی شرارت ہے، مصریون نے کہا بہرحال کچھ بھی ہو جو خلیفہ اس قدر غافل ہو کہ اس کی لاعلمی مین ایسے اہم امور پیش آجائین اور اُسے خبر نہو وہ کسی طرح خلافت کے لیے موزون نہین ہو سکتا، غرض مصریون نے مسندِ خلافت سے کنارہ کش ہو جانیکا مطالبہ کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک مجھ مین رمق جان باقی ہے مین اس خلعت کو جو خدا نے مجھے پہنایا ہے خود اپنے ہاتھ سے نہین اتارون گا، اور حضور صلعم کی وصیت کے مطابق مین اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کرونگا[2]

[1] طبری صفحہ ۲۹۹۵ و ابن سعد تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ [2] ابن سعد تذکرہ عثمان رضی اللہ عنہ

محاصرہ | حضرت عثمانؓ کے انکار کرنے پر مفسدین نے نہایت شدت کے ساتھ کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کرلیا، جو چالیس دن تک مسلسل قائم رہا، اس عرصہ مین اندر پانی تک پہونچانا جرم تھا، ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیز لیکر حضرت عثمانؓ تک پہونچنے کی کوشش کی مگر مفسدین کے قلوب نور ایمان سے خالی ہوچکے تھے، ان سیہ کارون نے رسول اللہ ﷺ کے حرم محترم کا بھی پاس ولحاظ نہ کیا، اور بے ادبی کے ساتھ مزاحمت کرکے واپس کردیا[1] ہمسایہ گھرون سے کبھی کبھی رسد اور پانی کی امداد پہونچ جاتی تھی، مفسدین کی ناشنوائی اور صحابہ کی بے احترامی اتنی بڑھ گئی کہ بڑے بڑے اکابر صحابہ مثلاً عبداللہ بن سلامؓ، ابوہریرہؓ، سعد وقاصؓ اور زید بن ثابتؓ کی کسی نے نہ سنی اور ان کی توہین بھی کی، حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے بلانے پر اُن کے گھر کے اندر جانا چاہا تو لوگون نے اُن کو روک دیا اور آخر مجبور ہوکر اپنا سیاہ عمامہ اُتار کر قاصد کو دیدیا اور کہدیا کہ جو حالت ہے وہ دیکھ لو، اور کہدینا[2] بہت سے صحابہ مدینہ چھوڑکر چلے گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے سفر حج کا ارادہ کیا، اکابر صحابہ نے ایسی حالت مین گوشہ نشینی ہی اس فتنہ کے زمانہ مین مناسب سمجھی، ذمہ دار صحابہ مین اس وقت تین صاحب موجود تھے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، اور حضرت زبیرؓ، یہ اصحاب نہ تو بے تعلق رہ سکتے تھے اور نہ واقعات پر قدرت رکھتے تھے، تینون صاحبون نے کچھ کوششین کین مگر اس ہنگامہ مین کوئی کسی کی نہین سنتا تھا، بالآخر یہ تینون اصحاب عملاً علٰحدہ رہے مگر اپنے اپنے جگر گوشون کو خلیفۂ وقت کی حفاظت کیلیے بھیجدیا، حضرت امام حسنؓ دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو حضرت عثمانؓ نے گھر مین جو جان نثار موجود تھے اُنکی افسری پر

---

[1] طبری صفحہ ۳۰۱۲ [2] ابن سعد جلد ۳ قسم اول،

مستعین کیا،[1]

باغیون کو حضرت عثمانؓ کی فہمایش

باغی جو گھر کو گھیرے تھے ان کو متعدد دفعہ حضرت عثمانؓ نے سمجھانے کی کوشش کی اور اُن کے سامنے مؤثر تقریرین کین، حضرت ابی بن کعبؓ نے تقریر کی مگر ان لوگون پر کوئی چیز مؤثر نہوئی، حضرت عثمانؓ نے چھت کے اوپر سے مجمع کو مخاطب کرکے فرمایا، کیا تمھین معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم جب مدینہ آئے تو یہ مسجد تنگ تھی، آپ نے فرمایا کہ کون اس زمین کو خرید کر وقف کریگا کہ اُس کو اس سے بہتر جگہ جنت مین ملیگی، تو مین نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، تو کیا اسی مسجد مین تم مجھے نماز نہین پڑھنے دیتے ہو، تم کو خدا کی قسم دیتا ہون، بتاؤ کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم جب مدینہ تشریف لائے تو اس مین اردمہ کے سوا میٹھے پانی کا کوئی کنوان نہ تھا، آپ نے فرمایا کہ اس کو کون خرید کر عام مسلمانون پر وقف کر دیتا ہے، اور اس سے بہتر اسکو جنت مین ملے گا، تو مین ہی نے اُس کی تعمیل کی تو کیا اسی کے پانی پینے سے مجھے محروم کررہے ہو، کیا تم جانتے ہو کہ عسرت کے لشکر کو مین ہی نے ساز و سامان سے آراستہ کیا تھا، سب نے جواب مین کہا، خداوند! یہ سب باتین سچ ہین[2]، مگر سنگ دلون پر اس کا اثر بھی نہ ہوا، پھر مجمع کو خطاب کرکے فرمایا، "تم کو قسم دیتا ہون تم مین کسی کو یاد ہے کہ ایک دفعہ آپ پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ ہلنے لگا، آپ نے پہاڑ کو پانون سے ٹھوکر مار کر فرمایا، اے حرا! ٹھہر جا، کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی اور ایک صدیق اور ایک شہید ہے اور مین آپ کے ساتھ تھا" لوگون نے کہا "یاد ہے"، پھر فرمایا "خدا کا واسطہ دیتا ہون بتاؤ کہ حدیبیہ مین مجھے آپ نے مکہ سفیر بنا کر بھیجا تو کیا خود اپنے ایک دستِ مبارک کو میرا ہاتھ قرار نہین دیا اور میری طرف سے خود ہی

---

[1] ابن سعد صفحہ ۹۴ جلد ۳ قسم اول [2] ابن حنبل جلد اول صفحہ ۷۴، ۷۵، و صفحہ ۷۰

بیعت نہین کی سب نے کہا سچ ہے[1]،

آخر باغی یہ دیکھکر کہ حج کا موسم چندروز مین ختم ہوتا ہی اور اُس کے ختم ہوتے ہی لوگ مدینہ کا رُخ کرین گے اور موقع نکل جائیگا آپ کے قتل کے مشورے کرنے لگے جسکو خود حضرت عثمان رضنے اپنے کانون سے سنا اور مجمع کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا "لوگو! آخر کس جرم پر تم میرے خون کے پیاسے ہو، اسلام کی شریعت مین کسی کے قتل کی صرف تین ہی صورتین ہین یا اُس نے بدکاری کی ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے، یا اس نے بالارادہ کسی کو قتل کیا، تو وہ قصاص مین مارا جائیگا، یا وہ مرتد ہوگیا ہو تو وہ قتل کیا جائے گا، مین نے نہ تو جاہلیت مین اور نہ اسلام مین کبھی بدکاری کی، نہ کسی کو قتل کیا اور نہ اسلام کے بعد مرتد ہوا اب بھی گواہی دیتا ہون کہ خدا ایک ہے اور محمدؐ اُس کے بندہ اور رسول ہین[2]" باغیون پر ان مین سے کوئی تقریر کارگر نہ ہوئی،

جان نثارون کے مشورے اور اجازت طلبی

بعض جان نثارون نے مختلف مشورے دیے، مغیرہ بن شعبہ نے آکر کہا "امیر المومنین! تین باتین ہین، ان مین سے ایک قبول کیجیے، آپ کے طرفدارون اور جان نثارون کی ایک طاقتور جماعت یہان موجود ہے اُس کو لیکر نکلیے اور ان باغیون کا مقابلہ کرکے ان کو باہر نکال دیجیے، آپ حق پر ہین وہ باطل پر، لوگ حق کا ساتھ دین گے، یہ نہین تو یہ کیجیے کہ صدر دروازہ کو چھوڑ کر دوسری طرف سے دیوار کو توڑ کر اس محاصرہ سے نکلیے اور سواریون پر بیٹھ کر مکہ معظمہ چلے جایئے، وہ حرم ہے، وہ لوگ لڑ نہ سکین گے، یا یہ کہ شام چلے جایئے، وہان کے لوگ وفادار ہین اور وہان معاویہ موجود ہین، حضرت عثمان رضنے فرمایا، یہ کہ مین باہر نکلکر ان سے

---

[1] ابن حنبل جلد اول صفحہ ۵۹ [2] ابن حنبل جلد اول صفحہ ۶۲،

جنگ کرون تو مین وہ پہلا خلیفہ نہین بننا چاہتا جو امت محمدی کی خونریزی کرے اگر مکہ معظمہ چلا جاؤن تو امید نہین کہ یہ حرم الٰہی کی توہین نہ کرین اور جنگ سے باز آجائین اور مین آپ کی پیشینگوئی کے مطابق وہ شخص نہین بننا چاہتا جو کہ جا کر اس کی بے حرمتی کا باعث ہوگا اور شام بھی نہین جا سکتا کہ اپنے ہجرت کے گھر اور رسول اللہ صلعم کے پڑوس کو نہین چھوڑ سکتا۱،

حضرت عثمانؓ کا گھر بہت بڑا اور وسیع تھا دروازہ اور گھر مین صحابہ اور عام مسلمانوں کی خاصی جمعیت موجود تھی جسکی تعداد سات سو تھی۲ اور جس کے سردار حضرت زبیرؓ کے بہادر صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۳ وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت مین حاضر ہوے اور عرض کی کہ امیرالمومنین! اسوقت گھر کے اندر ہماری خاصی تعداد ہے اجازت ہو تو مین ان باغیون سے لڑون، فرمایا اگر ایک شخص کا بھی ارادہ ہو تو مین اس کو خدا کا واسطہ دیتا ہون کہ وہ میرے لیے اپنا خون نہ بہائے۴،

گھر مین اس وقت بیس غلام تھے اُن کو بھی بلا کر آزاد کر دیا۵ حضرت زید بن ثابتؓ نے آکر کہا یا امیرالمومنین! انصار دروازہ پر کھڑے ہین کہ اجازت ہو تو ہم دوبارہ اپنے کارنامے دکھائین، فرمایا اگر لڑائی مقصود ہے تو اجازت نہ دون گا۶ یہ بھی اسی حالت مین فرمایا کہ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو میری مدافعت مین تلوار نہ اُٹھائے۷ حضرت ابوہریرہؓ نے اجازت مانگی تو فرمایا اے ابوہریرہ! کیا تمھین پسند آئے گا کہ تم تمام دنیا کو اور ساتھ ہی مجھ کو بھی قتل کرو؟ عرض کی نہین، تو فرمایا کہ

۱ ابن حنبل جلد اول صفحہ ۷، ۲ ابن سعد ۳ قسم اول صفحہ ۴۹، ۳ ابن سعد ۳ قسم اول صفحہ ۴۹ ۴ ایضاً ۵ ابن حنبل جلد اول صفحہ ۷۲، ۶ ابن سعد ۳ صفحہ ۴۸، ۷ ابن سعد ۳ صفحہ ۴۸

اگر تم نے ایک شخص کو بھی قتل کیا، تو گویا سب قتل ہو گئے (یہ سورہ مائدہ ع ۵ کی آیت کی طرف اشارہ ہے) ابوہریرہؓ یہ سن کر لوٹ آئے۔[1]

شہادت کی تیاری حضرت عثمانؓ کو آنحضرت صلعم کی پیشین گوئیوں کے مطابق یہ یقین تھا کہ ان کی شہادت مقدر ہو چکی ہے[2]، آنحضرت صلعم نے متعدد دفعہ حضرت عثمانؓ کو اس سانحہ سے باخبر کیا تھا، اور صبر و استقامت کی تاکید کی تھی، حضرت عثمانؓ اس وصیت پر پوری طرح قائم تھے، اور ہر لمحہ ہونے والے واقعہ کے منتظر تھے، جس دن شہادت ہونے والی تھی، آپ روزہ سے تھے، جمعہ کا دن تھا، خواب میں دیکھا کہ آنحضرت اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تشریف فرما ہیں، اور اُن سے کہہ رہے ہیں کہ عثمان جلدی کرو، تمہارے افطار کے ہم منتظر ہیں، بیدار ہوئے تو حاضرین سے اس خواب کا تذکرہ کیا، اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آگیا، باغی مجھے قتل کر ڈالیں گے، اُنہوں نے کہا امیرالمومنین ایسا نہیں ہو سکتا، فرمایا میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں، اور ایک روایت میں ہے کہ خواب میں یہ دیکھا کہ آنحضرت صلعم فرما رہے ہیں کہ عثمان آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا[3]، پھر پائجامہ جسکو کبھی نہیں پہنا تھا، اُس کو منگوا کر پہنا[4]، اپنے بیس غلاموں کو بلا کر آزاد کیا اور قرآن مجید کھول کر اس کی تلاوت میں مصروف ہو گئے[5]،

شہادت حضرت امام حسنؓ جو دروازہ پر متعین تھے مدافعت میں مضروب ہوئے، چار باغی دروازہ چھوڑ کر دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے، آگے آگے محمد بن ابی بکر تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے چھوٹے صاحبزادہ تھے اور حضرت علیؓ کی آغوش تربیت میں پلے تھے، کسی

۱ ابن سعد ج ۳ صفحہ ۴۸ ۲ ابن حنبل جلد اول صفحہ ۶۶ ۳ ابن سعد ج ۳ صفحہ ۵۲ اور حاکم ج ۳ صفحہ ۹۹ و ۱۰۳ میں یہ دونوں خواب مذکور ہیں اور ابن حنبل میں صرف پہلے خواب کا ذکر ہے ۴ ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۷۲

بڑے عہدہ کے طلبگار تھے جس کے نہ ملنے سے حضرت عثمانؓ کے دشمن بن گئے تھے اُنھوں نے آگے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کی ریشِ مبارک پکڑی اور زور سے کھینچی، حضرت عثمانؓ نے کہا، بھتیجے! اگر تمھارے باپ زندہ ہوتے تو اُن کو یہ منظر پسند نہ آتا، یہ سنکر حضرت محمد بن ابی بکرؓ شرما کر پیچھے ہٹ گئے، کنانہ بن بشر نے آگے بڑھ کر پیشانیِ مبارک پر لوہے کی ایک لاٹ سے اس زور سے مارا کہ پہلو پر گر پڑے اور زبان سے اس وقت بھی بسم اللہ توکلت علی اللہ کے الفاظ نکلے، سودان بن حمران مرادی نے دوسری ضرب لگائی جس سے بالکل نیم مردہ ہو گئے اور خون کا فوارہ جاری ہو گیا، عمرو بن الحمق گستاخی کر کے سینہ پر کود کر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف حصوں پر نیزوں کے نو زخم لگائے، کسی شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا، وفادار بیوی حضرت نائلہ جو پاس بیٹھی تھیں ہاتھ پر روکا، تین انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں، تلوار نے ذوالنورینؓ کی شمعِ حیات بجھادی، اس بیکسی کی موت پر عالمِ امکان نے ماتم کیا، کائناتِ ارضی وسماوی نے اس خونِ ناحق پر آنسو بہائے، کارکنانِ قضا وقدر نے کہا کہ جو خون آشام تلوار آج بے نیام ہوئی ہے وہ قیامت تک بے نیام رہیگی اور فتنہ وفساد کا جو دروازہ کھلا ہے وہ حشر تک کھلا رہیگا[1]، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،

حضرت عثمانؓ چونکہ تلاوت فرما رہے تھے، قرآن مجید سامنے کھلا تھا، اس خونِ ناحق نے جس آیت کو خون ناب کیا وہ یہ ہے،

فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم، خدا تم کو بس ہے وہ جاننے والا اور حکمت والا ہے،

جمعہ کے دن عصر کے وقت شہادت حاصل کی، دو دن تک لاش بے گور وکفن پڑی رہی، حرمِ رسول میں قیامت برپا تھی، باغیوں کی حکومت تھی اُن کے خوف سے کسی نے علانیہ

[1] صحیح بخاری کتاب الفتن میں اس کا اشارہ ہے،

دفن وکفن کی ہمت نہ کی، جمعہ کا یہ واقعہ ہے سنیچر کا دن گذر کر رات کو چند مسلمانون نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ادائے فرض کی ہمت کی غسل نہین دیا گیا، اسی طرح خون مین لتھڑے ہوے کپڑون مین چار آدمیون نے ملکر جنازہ اُٹھایا اور کابل سے مراکش تک کے فرمانروا کے جنازہ کی سترہ آدمیون نے ملکر نماز پڑھی، مسند ابن حنبل مین ہے کہ حضرت زبیرؓ نے اور ابن سعد مین ہے کہ حضرت جبیر بن مطعمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنۃ البقیع کے پیچھے حش کوکب مین اس حلم وبردباری کے مجسمہ اور بیکسی ومظلومی کے پیکر کو سپرد خاک کیا، بعد کو یہ تمام دیوار توڑ کر جنۃ البقیع مین داخل کر لیا گیا، آج بھی جنۃ البقیع کے سب سے آخر مین مزار موجود ہے،

حضرت عثمانؓ کا ماتم

صحابۂ کرامؓ اور عام مسلمانون مین سے کوئی اس سانحۂ عظمیٰ کے سننے کے لیے تیار نہ تھا، اور کسی کو یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ یہ باغی اس حد تک جرأت کرینگے اور امام وقت کے قتل کے مرتکب ہون گے، اور حرم رسولؐ کی توہین کرین گے، اس لیے جس نے اس کو سُنا انگشت بدندان رہ گیا، جو لوگ حضرت عثمانؓ کی طرز حکومت کے کسی قدر شاکی تھے، اُنھون نے بھی اس بے کسی اور مظلومی کی موت پر آنسو بہائے، تمام لوگون پر سناٹا چھا گیا، خود باغیون کی پیاس بھی اس خون سے بجھ چکی تھی اور اب مآل کار کو سوچکر اپنی حرکت پر نادم تھے، تاہم دشمنون نے اسلام کے لیے سازش کا جو جال بچھایا تھا اس مین وہ کامیاب ہو چکے تھے متحد اسلام سنی شیعہ، خارجی اور عثمانی چار حصون مین بٹ جانے کو تیار ہو گیا، اور وہ تفرقہ پڑا جو قیامت تک کیلئے قائم رہ گیا،

حضرت علیؓ مسجد سے نکل کر حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف آرہے تھے کہ راہ مین شہادت کی اطلاع ملی حضرت علیؓ نے دونون ہاتھ اُٹھا کر فرمایا، خداوندا مین عثمانؓ کے

لہ مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۷۳، سلہ ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۷۴، وابن سعد و مستدرک تذکرۂ عثمانؓ،

خون سے بری ہون سعید بن زید بن عمرو بن نفیل جو حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے اُنھون نے کہا لوگو! اگر کوہ احد تمھاری اس بداعمالی کے سبب تم پر پھٹ کر گر پڑے تو اس کو یہ حق ہے، حضرت حذیفہؓ جو صحابہ مین فتنہ و فساد کی پیشنگوئیون کے سب سے بڑے حافظ اور آنحضرت صلعم کے محرم اسرار تھے، انھون نے کہا آہ، عثمان کے قتل سے اسلام مین وہ رخنہ پڑ گیا، جو اب قیامت تک بند نہ ہوگا، حضرت ابن عباسؓ نے کہا، اگر تمام خلقت عثمان کے قتل مین شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح آسمان سے اُس پر پتھر برستے، ثمامہ بن عدی صحابی کو جو صنعاء یمن کے والی تھے اُس کی خبر پہونچی تو رو پڑے اور فرمایا کہ افسوس رسول اللہ صلعم کی جانشینی جاتی رہی، ابو حمید ساعدی صحابیؓ نے قسم کھائی کہ جب تک جیونگا ہنسی کا منھ نہ دیکھون گا عبداللہ بن سلامؓ صحابی نے کہا "آہ! آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہوگیا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا عثمان مظلوم مارے گئے، خدا کی قسم اُن کا نامۂ عمل دھلے کپڑے کی طرح پاک ہوگیا، حضرت زید بن ثابتؓ کی آنکھون سے اس دن آنسو جاری تھے، حضرت ابوہریرہؓ کا یہ حال تھا کہ جب اس سانحہ کا ذکر آجاتا تو ڈاڑھین مار مار کے روتے، [1]

حضرت عثمانؓ کا خون سے رنگین کرتہ، اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیان، شام مین امیر معاویہ کے پاس پہونچ گئین، جب وہ کرتہ مجمع عام مین کھولا گیا اور انگلیان لٹکائی گئین تو ماتم برپا ہوگیا، اور انتقام انتقام کی آوازین آنے لگین،

---

[1] یہ تمام الفاظ ابن سعد جلد ۳ قسم اول صفحہ ۵۵ و ۵۶ مین مذکور ہین، حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کا فقرہ صحیح بخاری باب اسلام سعید بن زید مین بھی مذکور ہے، حضرت علیؓ کا فقرہ حاکم نے مستدرک مین بسند صحیح نقل کیا ہے،

عثمانی کارنامے

فتوحات پر اجمالی نظر | اس میں شک نہیں ہے کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے حسن تدبر اور غیر معمولی سیاسی قوت عمل سے روم وایران کے دفتر الٹ دیے، اور ان کی دولت و مملکت فرزندانِ توحید کا ورثہ ہوگئی، دولت کیانی صفحۂ ہستی سے معدوم ہوگئی، اور تمام ایران مسخر ہوگیا، شام مصر اور الجزیرہ نے بھی سپر ڈال دیے، لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ فاتح قوم کا ایک ہی سیلاب مفتوح اقوام کے احساس جد وجہد کو فنا کردے؟ اور کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کرسکتی ہے کہ ایک ہی شکست نے کسی قوم کی حریت وآزادی کے جذبہ کو معدوم کردیا ہو، اور اُسکے قوائے عملی بیکار ہوگئے ہوں؟ سکندر نے تمام دنیا کو مسخر کرلیا، لیکن اُس کے جانشینوں نے کتنے دنوں تک حکومت قائم رکھی؟ چنگیز وتیمور نے بھی عالم کو تہ وبالا کردیا، لیکن اُنکی فتوحات کیوں نقش برآب ثابت ہوئیں؟ درحقیقت یہ ایک تاریخی نکتہ ہے کہ جب اولوا العزم فاتح کا جانشین ویسا ہی اولوالعزم اور عالی حوصلہ نہیں ہوتا، تو وہ فتوحات اس تماشا گاہِ عالم میں صرف ایک وقتی نمائش ہوتی ہیں، اس بنا پر جانشینِ فاروقؓ کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ممالک مفتوحہ میں حکومت وسلطنت کی بنیاد مستحکم کی، اور مفتوح اقوام کے جذبۂ خودسری کو رفتہ رفتہ اپنے حسن تدبیر اور سیاسی حکمت عملی سے اس طرح مردہ کردیا کہ مسلمانوں کی باہمی کشمکش کے موقعوں میں بھی انھیں سرتابی کی ہمت نہ ہوئی۔

تم نے فتوحات کے سلسلہ میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عثمانؓ کو نہایت کثرت کے ساتھ بغاوتیں فرو کرنا پڑیں، مصر میں بغاوت ہوئی، اہل آرمینیہ اور آذربائیجان نے خراج دینا

بند کیا، اور اہل خراسان نے سرکشی اختیار کی، یہ تمام بغاوتین درحقیقت اسی جذبہ کا نتیجہ تھین جو مفتوح ہونے کے بعد بھی اقوام کی جدوجہد کو برانگیختہ کرتا رہتا ہے، لیکن حضرت عثمانؓ نے تمام بغاوتون کو نہایت اولوالعزمی کے ساتھ فرو کیا، اور آہستہ آہستہ تشدد و تلطف کی مجموعی حکمت عملی سے مفتوحہ ممالک کی عام رعایا کو اطاعت اور انقیاد پر مجبور کر دیا،

فتوحات کی وسعت | عہد عثمانی مین ممالک محروسہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہوگیا، افریقہ مین طرابلس، برقہ، اور مراکش (افریقہ) مفتوح ہوا، ایران کی فتح تکمیل کو پہونچی، ایران کے متصلہ علاقون مین سے افغانستان، خراسان اور ترکستان کا ایک حصہ زیرنگین ہوا، دوسری طرف آرمینیہ اور آذربائیجان مفتوح ہوکر اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی، اسی طرح ایشیائے کوچک کا ایک وسیع خطہ ملک شام مین شامل کرلیا گیا،

بحری فتوحات کا آغاز خاص حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت سے ہوا، اس سے پہلے حضرت عمرؓ نے بھی اسکی ہمت نہ کی، ذوالنورینؓ کی اولوالعزمی نے خطرات سے بے پروا ہوکر ایک عظیم الشان بیڑا تیار کرکے جزیرۂ قبرس (سائپرس) پر اسلامی پھریرا بلند کیا، نیز قیصر روم کے بیڑے کو شکست دی جسمین پانچ سو جنگی جہاز شامل تھے، تعجب ہوتا ہے کہ عرب کے صحرانشینون نے بحری فن جنگ اور جہازرانی مین کہان مہارت پیدا کی تھی، کہ رومی بیڑے کو جس سے تمام دنیا تھراتی تھی ایسی شکست فاش دی کہ پھر اسکو اسلامی سواحل کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہ ہوئی،

نظام خلافت | اسلامی حکومت کی ابتدا جمہوریت سے ہوئی، فاروق اعظمؓ نے اسکو زیادہ مکمل اور منظم کر دیا، حضرت عثمانؓ نے بھی اس نظام کو اپنے ابتدائی عہد مین قائم رکھا، لیکن اخیر مین بنو امیہ کے استیلا نے اس مین برہمی پیدا کر دی، مروان بن حکم نے حضرت

عثمانؓ کے اعتبار سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر خلافت کے کاروبار مین پورا رسوخ پیدا کرلیا تھا، تاہم جب کبھی حضرت عثمانؓ کو کسی معاملہ کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی تو وہ سرگرمی کے ساتھ اس کے تدارک کی سعی کرتے، اور جو کوئی نیک مشورہ دیتا تھا اس کو قبول کرنے مین پس وپیش نہین کرتے تھے، ولید بن عقبہ کی بادہ نوشی کی طرف توجہ دلائی گئی تو تحقیق کے بعد اُنھون نے فوراً معزول کردیا، اور شرعی حد جاری کی، اسی طرح جب حضرت طلحہؓ نے ملک کی عام حالت دریافت کرنے کے لیے وفود بھیجنے کا مشورہ دیا تو فوراً اس کی ضرورت تسلیم کرلی،

حکومت جمہوری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور حکام کے طریق عمل پر نکتہ چینی کرنے کا حق حاصل ہو، حضرت عثمانؓ کے اخیر عہد مین اگرچہ مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام درہم وبرہم ہوگیا تھا، تاہم یہ حقوق بجنسہ باقی تھے، چنانچہ ایک دفعہ مجمعِ عام مین ایک شخص نے تمام عمال کو اپنے ہی خاندان سے منتخب کرنے پر بلند آہنگی کے ساتھ اعتراض کیا، اسی طرح حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو طرابلس کے مالِ غنیمت سے خمس کا پانچوان حصہ دیدیا تو بہت سے آدمیون نے صدائے احتجاج بلند کی اور اُن کو واپس کرانا پڑا،

عمال کی مجلس شوریٰ ملکی وانتظامی معاملات مین حکامِ وقت دوسرے غیر ذمہ دار اشخاص سے نسبتہً بہتر اور صائب رائے قائم کرسکتے ہین، چنانچہ اب تمام مہذب حکومتون مین عمال وحکام کی ایک مجلس شوری ہوتی ہے، لیکن عثمان ذوالنورینؓ نے تیرہ سو برس پہلے اس ضرورت کو محسوس کرکے عمال کی ایک مجلس شوری ترتیب دی تھی، اس مجلس کے ارکان سے عموماً تحریری رائین طلب کی جاتی تھین، کوفہ مین پہلے پہلے جب فتنہ وفساد

کی ابتدا ہوئی تو اس کی سنگینی کے متعلق تحریری کے ذریعہ سے رائین طلب کی گئی تھین، کبھی کبھی دار الخلافہ مین باقاعدہ جلسے بھی ہوتے تھے، چنانچہ ۳۴ھ مین اصلاحات ملک پر غور کرنے کے لیے جو جلسہ ہوا تھا اس مین تمام اہل الرائے اور اکثر عمال شریک تھے[1]

صوبون کی تقسیم نظامِ حکومت کے سلسلہ مین سب سے پہلا کام صوبہ جات اور اضلاع کی مناسب تقسیم ہے، حضرت عمرؓ نے ملک شام کو تین صوبون مین تقسیم کیا تھا یعنی دمشق اردن اور فلسطین علحدہ علحدہ صوبے قرار پائے تھے، حضرت عثمانؓ نے سب کو ایک والی کے ماتحت کرکے ایک وسیع صوبہ بنادیا، اور یہ نہایت سودمند ثابت ہوا کیونکہ جب والی خوش تدبیر اور ذی ہوش ہو تو ملک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑون مین تقسیم کردینے سے اس کا ایک ہی مرکز سے وابستہ رہنا زیادہ مفید ہوتا ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آخر عہد مین جب تمام ملک سازش اور فتنہ پردازی کا جولانگاہ بنا تھا وہ تمام اضلاع جو شام سے ملحق کردیے گئے تھے اس سے پاک وصاف رہے،

دوسرے صوبہ جات بعینہ باقی رکھے گئے البتہ جدید مفتوحہ ممالک یعنی طرابلس، قبرس، آرمینیہ اور طبرستان علحدہ علحدہ صوبے قرار پائے،

اختیارات کی تقسیم حضرت عثمانؓ نے عہدہ دارون مین افسر فوج کا ایک جدید عہدہ ایجاد کیا، اس سے پہلے والی یعنی حاکم صوبہ انتظامِ ملک کے ساتھ فوج کی افسری بھی کرتا تھا، چنانچہ یعلی بن منیہ صنعائے کے عامل ہوئے تو عبداللہ بن ربیعہ فوج کی افسری پر مامور ہوئے، اسی طرح معزول ہونے سے قبل عمرو بن العاص والی مصر تھے، لیکن فوج کی باگ عبداللہ بن ابی سرح کے ہاتھ مین تھی،

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۷

حکام کی نگرانی | خلیفۂ وقت کا سب سے اہم فرض حکام اور عمال کی نگرانی ہے حضرت عثمانؓ اگرچہ طبعاً نہایت نرم دل تھے بات بات پر رقت طاری ہوجاتی تھی اور ذاتی حیثیت سے تحمل، بردباری، تساہل اور چشم پوشی آپ کا خاص شیوہ تھا تاہم ملکی معاملات میں انھیں تشدد، احتساب اور نکتہ چینی کا بھی طرزِ عمل بنانا پڑا، سعد وقاصؓ نے بیت المال سے ایک نہایت بیش قرار رقم قرض لی اور پھر ادا نہ کرسکے حضرت عثمانؓ نے نہایت سختی سے بازپرس کی اور معزول کردیا، ولید بن عقبہ نے بادہ نوشی کی تو معزول کرکے علانیہ حد جاری کی، ابو موسیٰ اشعریؓ نے امیرانہ طمطراق اختیار کیا تو انھیں بھی ذمہ داری کے عہدہ سے سبکدوش کردیا، اسی طرح عمرو بن عاصؓ والیِ مصر وہاں کے خراج میں اضافہ نہ کرسکے تو ان کو علحدہ کردیا،

نگرانی کا عام طریقہ یہ تھا کہ دریافتِ حال کے لیے دربارِ خلافت سے تحقیقاتی وفود روانہ کیے جاتے تھے جو تمام ممالک محروسہ میں دورہ کرکے عمال کے طرزِ عمل اور رعایا کی حالت کا اندازہ کرتے تھے محمد بن مسلمہؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور اسامہ بن زیدؓ عموماً اس خدمت پر مامور کیے جاتے تھے، یہ وہ افراد ہیں جو صحابہ میں خاص حیثیت سے ممتاز تھے، چنانچہ ۳۵ھ میں ملک کی عام حالت دریافت کرنے کے لیے جو وفود روانہ کیے گئے تھے ان میں یہی حضرات تھے[1]،

ملکی حالات سے واقفیت پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ حضرت عثمانؓ جمعہ کے روز منبر پر تشریف لے جاتے تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے اطرافِ ملک کی خبریں پوچھتے اور نہایت غور سے سنتے[2]، نیز تمام ملک میں اعلان عام تھا کہ جس کسی کو

---

[1] طبری صفحہ ۲۹۴۳، [2] مسند ابن حنبل جلد اصفحہ ۷۳،

کسی والی سے شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے، چونکہ لازمی طور پر تمام عمال اس موقع پر طلب کیے جاتے تھے اس لیے بالمواجہ شکایتون کی تحقیقات کرکے تدارک فرماتے[1]،

ملکی نظم ونسق | فاروق اعظمؓ نے ملکی نظم ونسق کا جو دستور العمل مرتب کیا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس کو بعینہ باقی رکھا، اور مختلف شعبون کے جسقدر محکمے قائم ہو چکے تھے اُن کو منضبط کرکے ترقی دی، چنانچہ یہ اسی عمدہ نظم ونسق کا اثر تھا کہ ملکی محاصل مین غیر معمولی اضافہ ہو گیا،[2] عمرؓ کے عہد مین مصر کا خراج ۲۰ لاکھ دینار تھا، لیکن عہد عثمانی مین اس کی تعداد چالیس لاکھ تک پہونچ گئی[3]،

بیت المال | جدید فتوحات کے باعث ملک وسیع ہوا، اور ملکی محاصل نے غیر معمولی ترقی کی تو لازماً خزانۂ عامرہ یعنی بیت المال پر بھی اس کا اثر پڑا، اہل وظائف کے وظیفون مین ایک ایک سو درہم کا اضافہ ہوا، حضرت عمرؓ رمضان مین امہات المومنین کو دو، دو درہم اور عوام کو ایک ایک درہم روزانہ بیت المال سے دلاتے تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے اسکے علاوہ لوگون کا کھانا بھی مقرر کردیا[4]،

تعمیرات | حکومت کا دائرہ جسقدر وسیع ہوتا گیا اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا، تمام صوبجات مین مختلف دفاتر کے لیے عمارتین تیار ہوئین، رفاہ عام کے لیے سڑک، پل اور مسجدین تعمیر کی گئین، مسافرون کے لیے مہمان خانے بنائے گئے، پہلے کوفہ مین کوئی مہمان خانہ نہ تھا، اس سے مسافرون کو سخت تکلیف ہوتی تھی، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو اُنھون نے عقیل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر ایک نہایت عظیم الشان

[1] طبری صفحہ ۲۹۴۴ [2] فتوح البلدان للبلاذری صفحہ ۲۲۳ [3] طبری صفحہ ۲۸۰۴ [4] طبری ۲۲۴۲،

مہمان خانہ بنوا دیا،

دارالخلافہ کو اطرافِ ملک سے جو خاص تعلق تھا اُس کے لحاظ سے ضرورت تھی کہ تمام راستون کو سہل اور آرام دہ بنا دیا جائے، حضرت عثمانؓ نے اس کی طرف بہت کافی توجہ کی اور موقع موقع سے چوکیان، سرائین اور چشمے تیار کرا دیے، چنانچہ نجد کی راہ مین مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک نہایت نفیس سرائے تعمیر کی گئی اُسکے ساتھ ایک مختصر بازار بھی بسایا گیا، نیز شیرین پانی کا ایک کنوان بنایا گیا جو بیر السائب کے نام سے مشہور ہے[1]،

بند مھزور | خیبر کی طرف سے کبھی کبھی مدینہ مین نہایت ہی خطرناک سیلاب آیا کرتا تھا، اور اس سے شہر کی آبادی کو سخت نقصان پہونچتا تھا، نیز مسجد نبوی کو اس سے صدمہ پہونچنے کا احتمال تھا اس لیے حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر مدری کے قریب ایک بند بندھوا دیا اور نہر کھود کر سیلاب کا رُخ دوسری طرف پھیر دیا، اس بند کا نام بند مھزور ہے اور درحقیقت رفاہِ عام کے تعمیرات مین خلیفہ ثالث کا سب سے روشن کارنامہ ہے[2]،

مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع | مسجد نبوی کی تعمیر مین حضرت عثمانؓ ذوالنورین کا ہاتھ سب سے زیادہ نمایان ہے، ابتدا عہد نبوی مین جب مسلمانون کی کثرت کے باعث مسجد کی وسعت ناکافی ثابت ہوئی، تو حضرت عثمانؓ نے قریب کا قطعہ زمین خرید کر بارگاہِ نبوت مین پیش کیا، کہ اس سے مسجد کو وسعت دیجائے، پھر حضرت عثمانؓ نے خود اپنے عہد مین اہتمام کے ساتھ اس کو تعمیر کرایا، اس سے اس کی رونق دوبالا ہو گئی، تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت

---

[1] طبری صفحہ ۲۸۴۲ [2] وفاء الوفاء صفحہ ۲۵۴ [3] وفاء الوفاء جلد ۲ صفحہ ۲۱۷

عثمانؓ نے ۲۴ھ میں مسجد نبوی کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، لیکن گرد و پیش میں جن لوگوں کے مکانات تھے وہ کافی معاوضہ دینے پر بھی اس تقریب سے دست کش ہونے کے لیے راضی نہ تھے، حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو راضی کرنے کے لیے مختلف تدبیریں کیں، لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوتے تھے، یہانتک کہ پانچ سال تک اس ارادہ کو معرض التوا میں رکھنا پڑا، بالآخر ۲۹ھ میں صحابۂ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز ایک نہایت مؤثر تقریر کی اور نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگی کی طرف توجہ دلائی، اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے خوشی سے اپنے مکانات دیدیے اور نہایت اہتمام کے ساتھ تعمیر کا کام شروع ہوا، نگرانی کیلیے تمام عمال طلب کیے گئے اور خود شب و روز مصروف کار رہے، غرض دس ماہ کی مسلسل جد و جہد کے بعد اینٹ، چونہ اور پتھر کی ایک نہایت خوشنما اور مستحکم عمارت تیار ہوگئی، استحکام اور خوشنمائی کے ساتھ وسعت میں بھی اضافہ کیا گیا، یعنی طول میں پچاس گز کا اضافہ ہوا، البتہ عرض میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا[1]،

فوجی انتظامات

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں جس اصول پر فوجی نظام قائم کیا تھا حضرت عثمانؓ نے نہ صرف اس کو باقی رکھا بلکہ ترقی دی، فوجی خدمات کے صلہ میں جن لوگوں کے وظائف مقرر کئے گئے تھے، حضرت عثمانؓ نے اسمیں ایک سو درہم کا اضافہ کیا، اور فوجی صیغہ کو انتظامی صیغوں سے الگ کر کے تمام صدر مقامات میں علحدہ مستقل افسروں کے ماتحت کردیا، اس عہد کے مکمل فوجی انتظامات کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ امیر معاویہ کو حدود شام میں رومیوں کے مقابلہ کے لیے فوجی کمک کی ضرورت ہوئی تو ایران اور

[1] خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۲۴

آرمینیہ کی فوجیں حیرت انگیز عجلت کے ساتھ بر وقت پہونچ گئیں، اسی طرح عبداللہ بن ابی سرح کو طرابلس میں بغاوت فرو کرنے کے لیے ایک زبردست فوجی طاقت کی ضرورت پیش آئی تو شام و عراق کی کمک نے عین وقت پر مساعدت کی، افریقہ کی فتح میں یہ دقت پیش آئی اور مصری فوج ناکافی ہوئی تو مدینہ سے کمک روانہ کی، جس کے افسر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے، اور جو وقت پر پہونچی اور جس نے معرکہ کو کامیابی کے ساتھ ختم کیا،

عہد فاروقی میں جو مقامات فوجی مرکز قرار پائے تھے عہد عثمانی میں ان کے علاوہ طرابلس، قبرس، طبرستان اور آرمینیہ میں بھی فوجی مرکز قائم کئے گئے، اور اضلاع میں چھاؤنیاں بنائی گئیں جہاں تھوڑی تھوڑی فوج ہمیشہ متعین رہتی تھی،

تمام ملک میں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کے لیے نہایت وسیع چراگاہیں بنوائی گئیں، خود دارالخلافہ کے اطراف و نواح میں متعدد چراگاہیں تھیں، سب سے بڑی چراگاہ مقام ربذہ میں تھی جو مدینہ سے چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہ چراگاہ دس میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی، دوسری چراگاہ مقام نقیع میں تھی جو مدینہ سے بیس میل دور ہے، اسی طرح ایک چراگاہ مقام ضربہ میں تھی جو وسعت میں ہر طرف سے چھ چھ میل تھی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت ہوئی تو ان چراگاہوں کو پہلے سے زیادہ وسیع کیا گیا، اور ہر چراگاہ کے قریب چشمے تیار کرائے گئے، چنانچہ مقام ضربہ میں بنی ضبیعہ سے پانی کا ایک چشمہ خرید کر چراگاہ کے لیے مخصوص کیا گیا، اور جب یہ بھی ناکافی ثابت ہوا تو حضرت عثمانؓ نے خود اپنے اہتمام سے ایک دوسرا چشمہ تیار کرایا اور منتظمین چراگاہ کے لیے مکانات تعمیر کرائے، عہد عثمانی میں اونٹوں اور گھوڑوں کی جو کثرت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے،

امارت بحریہ | اسلام مین بحری جنگ اور بحری فوجی انتظامات کی ابتدا خاص حضرت عثمان رضؓ کے عہدِ خلافت سے ہوئی، اس سے پہلے یہ ایک نہایت خطرناک کام سمجھا جاتا تھا مگر افسوس ہے کہ تاریخون سے تفصیلی انتظامات کا پتہ نہین چلتا، صرف اس قدر مذکور ہے کہ امیر معاویہؓ کے توجہ دلانے پر بارگاہِ خلافت سے ایک جنگی بیڑا تیار کرنے کا حکم ہوا، اور عبداللہ بن قیس حارثیؓ امیر البحر مقرر ہوئے لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ایک نہایت زبردست بحری قوت پیدا ہو گئی تھی، اور امارت بحریہ کا نظام اس طرح مکمل ہو گیا تھا کہ آسانی کے ساتھ قبرس زیرنگین ہو گیا، اور رومیون کے عظیم الشان جنگی بیڑے کو اس طرح شکست ہوئی کہ پھر اس نے اسلامی سواحل کی طرف رُخ کرنے کی ہمت نہ کی،

مذہبی خدمات | نائب رسول ؐ کا سب سے اہم فرض مذہب کی خدمت اور اسکی اشاعت و تبلیغ ہے خلیفہ ثالث یعنی حضرت عثمانؓ ذوالنورین کو اس فرض کے انجام دینے کا ہر لحظہ خیال رہتا تھا، اشاعت اور تبلیغِ اسلام کا یہ حال تھا کہ جہاد مین جو قیدی گرفتار ہو کر آتے تھے اُن کے سامنے خود اسلام کے محاسن بیان کر کے اس دینِ متین کی طرف دعوت دیتے تھے، ایک دفعہ بہت سی رومی لونڈیان گرفتار ہو کر آئین، حضرت عثمان رضؓ نے خود اُن کے پاس جا کر تبلیغِ اسلام کا فرض انجام دیا، چنانچہ دو عورتون نے متاثر ہو کر کلمۂ توحید کا اقرار کیا اور دل سے مسلمان ہوئین[1]،

اشاعتِ اسلام کے بعد سب سے بڑی خدمت خود مسلمانون کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے، حضرت عثمانؓ خود بالمشافہ مسائلِ فقہیہ بیان کرتے تھے اور عملاً اس کی تعلیم دیتے تھے ایک دفعہ خود وضو کر کے بتایا کہ مین نے رسول اللہؐ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا تھا، جس مسئلہ مین

[1] ادب المفرد باب خفض المرأ، [2] ابو داؤد کتاب الطہارہ باب صفۃ وضو النبی صلی اللہ علیہ وسلم

شبہ ہوتا تھا یا اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہین کرسکتے تھے، تو دوسرے صحابہ سے استفسار کرتے تھے اور عوام کو بھی ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے، ایک دفعہ سفرحج درپیش تھا، راہ مین ایک شخص نے ایک پرندہ کا گوشت پیش کیا جو شکار کیا گیا تھا، کھانے کے لیے بیٹھے تو شبہہ ہوا کہ حالتِ احرام مین اس کا کھانا جائز ہے یا نہین؟ حضرت علیؓ بھی ہمسفر تھے، اُن سے استصواب کیا تو اُنھون نے عدم جواز کا فتویٰ دیا، حضرت عثمانؓ نے اسی وقت کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا[1]،

مذہبی انتظامات کی طرف بھی کافی توجہ کی، مسجد نبوی کی تعمیر کا حال گذرچکا، شہر کی آبادی اس قدر ترقی کرگئی تھی کہ جمعہ کے روز ایک اذان کافی نہین ہوسکتی تھی اس لیے ایک اور موذن کا تقرر کیا جو مقام زورا مین اذان دیکر لوگون کو نماز کے وقت سے مطلع کرتا تھا، نماز مین صفون کے برابر اور سیدھی رکھنے کا یہ اہتمام تھا کہ خاص اس خدمت پر متعدد اشخاص متعین تھے، جو خطبہ ختم ہونے کے ساتھ ہی مستعدی کے ساتھ صفین برابر کرتے تھے[2]،

مذہبی خدمات کے سلسلہ مین حضرت عثمانؓ کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ قرآن مجید کو اختلاف وتحریف سے محفوظ کرنا اور اُس کی عام اشاعت ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ فتح آرمینیہ اور آذربائیجان مین شام، مصر، عراق اور تمام اطرافِ ملک کی فوجین مجتمع ہوکر شریکِ کارزار تھین، اور وہ زیادہ تر نومسلم اور عجمی النسل تھین جن کی مادری زبان عربی نہ تھی، حضرت حذیفہ بن یمانؓ بھی شریکِ جہاد تھے، اُنھون نے دیکھا کہ اختلافِ قرأت کا یہ حال ہے کہ اہل شام کی قرأت اہل عراق سے بالکل جداگانہ ہے، اسی طرح اہل بصرہ کی قرأت

[1] مسند ابن حنبل جلد اصفحہ ۱۰۰ [2] مسند شافعی صفحہ ۲۸،

کو اہل کوفہ کی قرأت سے کوئی مناسبت نہین، اور پھر ہر ایک ملک والے اپنی قرأت کو صحیح اور دوسری کو غلط سمجھتے ہین، حضرت حذیفہؓ کو ان اختلافات سے اس قدر خلجان ہوا کہ جہاد سے واپس آئے تو سیدھے بارگاہ خلافت مین حاضر ہوئے اور مفصل واقعات عرض کرکے کہا "امیر المومنین! اگر جلد اصلاح کی فکر نہ ہوئی تو مسلمان عیسائیون اور رومیون کی طرح خدا کی کتاب مین شدید اختلافات پیدا کرلین گے"، حضرت حذیفہؓ کے توجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ کو بھی خیال ہوا، اور انھون نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے عہد صدیقی کا مرتب ومدون کیا ہوا نسخہ لیکر حضرت زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور سعید بن العاصؓ کو نقل کرنے پر مامور کیا اور تمام ملک مین اس کی اشاعت کی، نیز تمام مختلف مصاحف کو جن لوگون نے بطور خود مختلف املاؤن سے لکھا تھا اُن کو صفحۂ ہستی سے معدوم کردیا[1]،

ظاہر ہے کہ ان اختلافات کو رفع کرنے کی کوشش نہ کی جاتی تو آج قرآن کا بھی وہی حال ہوتا جو توریت وانجیل اور دیگر صحف آسمانی کا ہوا،

فضل وکمال

نوشت وخواند | حضرت عثمانؓ اُن صحابہ مین تھے جو اسلام سے پہلے ہی نوشت وخواند جانتے تھے، اسلام کے بعد اس ملکہ مین اور زیادہ ترقی ہوئی،

کتابتِ وحی | چنانچہ تحریر وکتابت مین جو خاص مہارت اُن کو تھی اسی کی بنا پر حضور پرنور صلعم نے اُن کو کتابتِ وحی پر مامور کیا تھا، اور جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو ان کو بلا کر لکھوایا کرتے تھے، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شب کے وقت وحی نازل

---

[1] بخاری باب جمع القرآن،

ہوئی، عثمانؓ موجود تھے، رسول اللہ صلعم نے لکھنے کا حکم دیا تو انھوں نے اسی وقت تعمیلِ ارشاد کی۔[۱]

اسلوبِ تحریر اسلوبِ تحریر کا اندازہ فرامین و خطوط سے ہوسکتا ہے، جو اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں، افسوس ہے کہ الفاظ کی فصاحت اور کلام کی بلاغت کا لطف ترجمہ میں قائم نہیں رہ سکتا، بیعتِ خلافت کے بعد تمام ملک میں جو مختلف فرامین بھیجے ہیں ان میں سے ایک کے چند فقرے یہ ہیں،

انما بلغتم ما بلغتم بالاقتداء والاتباع	اتباع اور اطاعت ہی سے تم کو یہ درجہ حاصل ہوا ہے
فلا تلفتنكم الدنيا عن امركم	پس دنیا طلبی تم کو موجودہ حالت سے برگشتہ نہ کرنے پائے
فان امر هذه الامة صار الى الابتداع	کیونکہ حسب ذیل تین اسباب کے مجتمع ہوجانے کے بعد
بعد اجتماع ثلث فيكم تكامل النعم	بدعات کا سلسلہ شروع ہوجائیگا، دولت کی بہتات،
وبلوغ اولادكم من السبايا وقرءة الاعراب	لونڈیوں سے اولاد کی کثرت، اعراب و اعاجم کا قرآن
والاعاجم القرآن فان رسول الله صلى الله	پڑھنا، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ کفر عجمیت میں ہے
عليه وسلم قال الكفر في العجمة فاذا	کیونکہ جب وہ کوئی بات نہیں سمجھ سکتے ہیں تو خواہ مخواہ
استعجم عليهم امر تكلفوا وابتدعوا	تکلف کرکے نئی نئی باتیں گڑھ لیتے ہیں،

ایک فرمان میں عمال کو تحریر فرماتے ہیں،

يوشك ائمتكم ان يصيروا جباة ولا يكونوا	قریب ہے کہ تمھارے نگہبان ہونے کے بجائے صرف
رعاة فاذا عادوا كذلك انقطع الحياء والامانة	تحصیلدار ہوجائیں جب ایسی حالت ہوجائیگی تو حیا،
والوفاء الا ان اعدل السيرة ان تنظر الى المسلمين	امانت اور وفاداری ناپید ہوجائیگی، ہاں! بہتر
فيما عليهم فتعطيهم ما لهم وتأخذهم	طریقہ یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے نفع، نقصان کا خیال رکھو

[۱] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۷۔

بالذی ءلیھم

بالذی ءلیھم؁ | ان کا حق ان کو دلواؤ، جو اُن سے لینا چاہیے وہ ان سے وصول کرو

تقریر برجستہ تقریر و خطابت کا ملکہ نہ تھا، چنانچہ مسند نشینیِ خلافت کے بعد پہلے پہلے منبر پر تشریف لائے تو زبان نے یاری نہ کی اور صرف یہ کہکر اُتر آئے کہ "ابوبکر و عمرؓ پہلے سے اس کے لیے تیار ہو کر آتے تھے میں بھی آئندہ تیار ہو کر آؤں گا، لیکن تم کو تقریر کرنے والے امام سے زیادہ کام کرنے والے امام کی ضرورت ہے" اُسکے بعد حسب معمول خطبہ دینے گئے، ایک خطبہ کے چند ابتدائی فقرے یہ ہیں؛

ایھا الناس ان بعض الطمع	لوگو! بعض حرص و طمع احتیاج محض ہے اور بعض ناامیدی
فقر وان بعض الیاس غنی وانکم	تونگری و بے نیازی کے مرادف ہے، تم ایسی چیزیں جمع کرتے
تجمعون ما لا تاکلون وتاملون	ہو جس سے تمتع نہیں ہو سکتے اور ایسی اُمیدیں باندھتے
ما لا تدرکون وانتم موجلون	ہو جو پوری نہیں ہو سکتی ہیں، تم لوگ اس جوکے کے گھر
فی دار غرور،	میں ایک وقت مقرر تک کے لیے چھوڑے گئے ہو،

قرآن پاک حضرت عثمانؓ روایت کرتے تھے کہ قرآن کا پڑھنا اور پڑھانا سب سے افضل ہے[3]، غالباً اسی لیے ان کو قرآن شریف سے عجیب شغف تھا، دوسرے اکابر صحابہ کی طرح وہ بھی قرآن مجید کے حافظ تھے، اور چونکہ کاتبِ وحی بھی رہ چکے تھے، اس لیے ہر آیت کی شانِ نزول اور اُس کے حقیقی مفہوم سے واقف تھے، کہتے ہیں کہ عہدِ نبوت میں اُنھوں نے بھی ایک مصحف جمع کیا تھا[4]، آیات قرآنی سے استدلال، استنباطِ احکام اور تفریعِ مسائل میں وہ خاص ملکہ رکھتے تھے، قرآن پاک کو نو مسلم قوموں کی تحریف سے بچانا، انکا بڑا کارنامہ ہے، اور یہ بھی اُن کی فضیلت کا ایک باب ہے، کہ عین اس وقت جب وہ دشمنوں کے

[1] یہ تمام عبارتیں طبری صفحہ ۳۰۴۳۲۸ سے منقول ہیں [2] ابن حنبل ج ۱ ص ، [3] ، [4] نزہۃ الابرار قلمی صفحہ ۴ کتب خانہ حبیب گنج

نرغے مین تھے اور قاتل تیغ بکف اُن کے سامنے تھے وہ قرآن کی تلاوت مین مصروف تھے،

حدیث شریف | سلسلۂ احادیث مین دوسرے صحابہ کی بہ نسبت حضرت عثمانؓ سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہین، آپ کی کل روایتون کی تعداد ۱۴۶ ہے جن مین تین متفق علیہ ہین، یعنی بخاری وسلم دونون مین موجود ہین اور آٹھ صرف بخاری اور پانچ صرف سلم مین، اس طرح صحیحین مین آپ کی کل ۱۶ حدیثین ہین،

ان کی روایات کی قلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس معاملہ مین حد درجہ محتاط تھے، فرمایا کہ آنحضرت صلعم سے حدیث بیان کرنے مین جو چیز مانع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ شاید دیگر صحابہ سے زیادہ میرا حافظہ قوی نہ ہو، لیکن مین گواہی دیتا ہون کہ مین نے رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو میری طرف وہ منسوب کریگا جو مین نے نہین کہا ہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے اسی لیے وہ حدیث کی روایت مین سخت احتیاط کرتے تھے، عبدالرحمن بن حاطب کہتے ہین کہ مین نے کسی صحابی کو حضرت عثمانؓ سے زیادہ پوری بات بیان کرنے والا نہین دیکھا، لیکن وہ حدیث بیان کرتے ڈرتے تھے،

فقہ واجتہاد | حضرت عثمانؓ اگرچہ ابوبکر وعمر اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرح اکابر مجتہدین مین داخل نہین تاہم وہ شرعی اور مذہبی مسائل مین ایک مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے چنانچہ دیگر مجتہدین صحابہ کی طرح اُن کے اجتہادات اور فیصلے بھی کتب آثار مین مذکور ہین، لوگ ان کے قول وعمل سے استناد کرتے تھے، خصوصاً حج کے ارکان اور مسائل کے علم مین اُن کا پایہ بہت بلند تھا، اس علم مین اُن کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا درجہ تھا، شیخین کے

۱؎ مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۶۵ ۲؎ ابن سعد جلد ۳ قسم اول صفحہ ۳۹ ۳؎ بخاری کتاب الغسل، ابن حنبل جلد صفحہ ۶۰،۷ وغیرہ ۴؎ ابن سعد جلد ۳ قسم اول صفحہ ۴۱،

عہدِ خلافت مین بھی حضرت عثمان رض سے فتوے پوچھے جاتے تھے اور پیچیدہ مسائل مین اُن کی رائے دریافت کی جاتی تھی،

ایک دفعہ حضرت عمر مکہ مین آئے اور اپنی چادر ایک ایسے شخص پر ڈالدی جو خانۂ کعبہ مین کھڑا ہوا تھا، اتفاق سے اسپر ایک کبوتر بیٹھ گیا اُنھون نے اس خیال سے کہ چادر کو اپنی بیٹ سے گندہ نہ کردے اس کو اڑا دیا، اور کبوتر اڑکر دوسری جگہ جا بیٹھا، وہان اُسکو ایک سانپ نے کاٹا اور وہ اسی وقت مرگیا، حضرت عثمان رض کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو اُنھون نے کفارہ کا فتوی دیا، کیونکہ وہ اس کبوتر کو ایک محفوظ مقام سے غیر محفوظ مقام مین پہونچانے کے باعث ہوئے تھے۔[1]

بیعتِ خلافت کے بعد حضرت عثمان رض کے سامنے ہرمزان کے قتل کا مقدمہ پیش ہوا، حضرت عبیداللہ بن عمر مدعا علیہ تھے، اس مقدمہ مین جو فیصلہ ہوا وہ بھی درحقیقت ایک اجتہاد پر مبنی ہے، یعنی مقتول کا اگر کوئی وارث نہو تو حاکم وقت اس کا ولی ہوتا ہے، چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث نہ تھا اس لیے حضرت عثمان رض نے بحیثیت امیرالمومنین ولی ہوکر قصاص کے بجائے دیت لینا قبول کیا، اور وہ رقم بھی اپنے ذاتی مال سے دیکر بیت المال مین داخل کردی،

حضرت عثمان رض کے اجتہاد نے بعض معاملات مین سہولت پیدا کردی، مثلاً دیت مین اونٹ دینے کا رواج تھا حضرت عثمان رض نے اس کی قیمت بھی دینی جائز قرار دی[2]، اور اس کے علاوہ اور بھی چند مسائل ہین جن کے احصار کی یہان ضرورت نہین،

ان کے بعض مسائل سے دوسرے مجتہدین صحابہ کو اختلاف بھی تھا تاہم حضرت عثمان رض

[1] مسند شافعی طبع آرہ صفحہ ۹۷، [2] کتاب الخراج مصر صفحہ ۹۲

چونکہ اپنی رائے کو صحیح سمجھتے تھے اس لیے اُنھون نے اپنے اجتہاد سے رجوع نہین کیا،
مثلاً حضرت عثمانؓ لوگون کو حج تمتع یعنی حج اور عمرہ کے لیے علحدہ علحدہ نیت کرنے سے
اس بنا پر روکتے تھے کہ اُس کے جواز کی علت اب باقی نہین رہی یعنی کفار کا خوف،
لیکن حضرت علیؓ اُس کو تسلیم نہین کرتے تھے[۱] اسی طرح حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی
حج کے موقع پر اقامت کی نیت کرلے تو منیٰ مین بھی پوری چار رکعت نماز ادا کرنا چاہیے،
حضرت علیؓ منیٰ مین قصر کرنا ضروری سمجھتے تھے حضرت عثمانؓ حالت احرام مین نکاح
کو ناجائز قرار دیتے تھے[۲] کیونکہ آنحضرت صلعم سے یہ ممانعت اُنھون نے نہین سنی لیکن
حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ اُس کے جواز کا فتوی دیتے تھے، حضرت عثمانؓ اُس
زن مطلقہ کو بھی جسکو طلاق بائن دی گئی ہو حالتِ عدت مین وارث قرار دیتے تھے[۳]
کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جب تک عدت پوری نہ ہو جائے اُس کا رشتہ ایک قسم کا قائم ہے،
حضرت علیؓ کو اس سے اختلاف تھا، حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی حالت عدت
مین کسی عورت سے نکاح کرے تو مستوجب سزا ہے کہ قرآن نے اس کی ممانعت کی ہے،
چنانچہ ایک شخص اُن کے عہد مین اس کا مرتکب ہوا تو اُنھون نے اسکو جلاوطن کر دیا[۴]،
حضرت علیؓ اُس کو کسی حد شرعی کا مستحق نہین سمجھتے تھے، جمہور کے خلاف بعض دیگر صحابہ کی
طرح غسل جنابت کی فرضیت کے لیے وہ خروج منی کو ضروری کہتے تھے[۵] غرض اسی طرح بعض
اور مسائل مین بھی حضرت علیؓ اور دوسرے صحابۂ کرام کو اختلاف تھا، لیکن اس سے یہ نہین
سمجھنا چاہیے کہ یہ اختلاف کسی نفسانیت پر مبنی تھا، بلکہ اُن بزرگون کی رواداری اور
صفائی قلب کا یہ حال تھا کہ جب حضرت عثمانؓ نے منیٰ مین دو رکعت کے بجائے پوری

۱؎ مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۶۱، ۲؎ مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۷۰، ۳؎ مسند شافعی مطبوعہ آرہ صفحہ ۱۷۰،
۵؎ ازالۃ الخفا براز قلمی ۲۰۱ کتبخانہ حبیب گنج،

۴؎ موطا امام مالک کتاب النکاح،

چار رکعت نماز ادا کی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اگرچہ میرے خیال میں قصر ضروری ہے؛ لیکن میں علاً امیرالمومنین کی مخالفت نہیں کرونگا چنانچہ دو کے بجائے پوری چار رکعت پڑھی، اسی طرح حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا کہ بعض مسائل میں دوسرے صحابہ کو اختلاف ہے تو فرمایا کہ "ہر شخص کو اختیار ہے جو حق نظر آئے اس پر عمل کرے میں کسی کو اپنی راے ماننے پر مجبور نہیں کرتا"، بعض ناواقفوں نے حضرت عثمانؓ کے کسی مسئلہ پر اعتراض کیا تو فرمایا: ہم لوگ خدا کی قسم سفر میں آنحضرت صلعم کے ساتھ رہتے تھے، ہم بیمار ہوتے تو آپ عیادت کرتے، ہمارے جنازوں کی پیچھے چلتے، ساتھ ہم کو لیکر جہاد کرتے تھے، کم وبیش جو کچھ ہوتا اُس سے ہماری غمخواری فرماتے' اب ایسے لوگ ہم کو آپ کی سنت بتانا چاہتے ہیں جنھوں نے شاید آپ کی صورت بھی نہ دیکھی ہو۔[1]

علم الفرائض | حضرت عثمانؓ کو چونکہ تجارتی کاروبار سے ہمیشہ سابقہ پڑتا تھا، اس لیے یقیناً ان کو علم حساب سے خاص دلچسپی ہوگی' اسی بنا پر فرائض یعنی علم تقسیم ترکہ سے ان کو خاص مناسبت تھی' اس فن کی تدوین اور ترتیب میں حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتھ ان کا ہاتھ بھی شامل ہے، قرآن شریف میں ذوی الفروض اور بعض عصبات کا ذکر ہے، حضرت عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ نے اپنی مجتہدانہ قوت سے اسی کو بنیاد قرار دیکر موجودہ علم فرائض کی عمارت قائم کردی' یہ دونوں اپنے زمانہ میں اس فن کے امام سمجھے جاتے تھے، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ بھی کرتے تھے، اور تمام مشکل عقدوں کو حل فرماتے تھے، بعض صحابہ کو یہاں تک خوف تھا کہ ان دونوں کی وفات سے فرائض کا علم ہی جاتا رہے گا۔[2]

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۶۹ [2] کنزالعمال جلد ۶ صفحہ ۷۲

اخلاق وعادات

حضرت عثمانؓ فطرۃً عفیف، پارسا، دیانت دار اور راستباز پیدا ہوے تھے، حیا، اور رحمدلی اُن کی خاص شان تھی، ایامِ جاہلیت مین جبکہ عرب کا ہر بچہ مستِ شراب تھا اسوقت بھی عثمان ذوالنورینؓ کی زبان بادۂ گلگون کے ذائقہ سے ناآشنا تھی[1] کذب و افترا، فسق و فجور عالمگیر تھا، لیکن آپ کا دامن اُس وقت بھی ان دھبون سے آلودہ نہین ہوا تھا، شرفِ ایمان نصیب ہوا تو رسول اللہؐ کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا،

خوفِ خدا خوفِ خدا تمام محاسن کا سرچشمہ ہے، جو دل خدا کی ہیبت وجلال سے لرزان و ترسان نہین اُس سے کسی نیکی کی امید نہین ہوسکتی، حضرت عثمانؓ اکثر خوفِ خداوندی سے آبدیدہ رہتے، موت قبر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامنگیر رہتا، سامنے سے جنازہ گذرتا تو کھڑے ہوجاتے اور بے اختیار آنکھون سے آنسو نکل آتے، مقبرون سے گذرتے تو اسقدر روتے کہ داڑھی تر ہوجاتی، لوگ کہتے کہ دوزخ وجنت کے تذکرون سے تو آپ پر اس قدر رقت طاری نہین ہوتی، آخر مقبرون مین کیا خاص بات ہوتی ہی کہ آپ بیقرار ہوجاتے ہین؟ فرماتے کہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے اگر یہ مرحلہ آسانی سے طے ہوگیا تو پھر تمام منزلین آسان ہین اور اگر اس مین دشواری پیش آئی تو پھر تمام مرحلے دشوار ہونگے[2]،

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۱۷۳، [2] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۶۳،

حبِ رسول | حضرت عثمانؓ تقریباً تمام غزوات مین شریک رہے اور رسول اللہ صلعم کی فدویت و جان نثاری کا حق ادا کیا،

محبت کا خاصہ ہے کہ محبوب کی تکلیف سے دل کی تڑپ بڑھ جاتی ہے، اس بنا پر حضرت عثمانؓ اپنے محبوب آقا کی فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی دیکھکر سخت بیقرار رہتے، اور جب کبھی موقع پاتے تحائف کے ذریعہ سے اس عسرت کو کم کرنے کی کوشش کرتے، ایک دفعہ چار دن تک آلِ رسول نے فقر وفاقہ سے بسر کیا، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو آنکھون سے آنسو نکل آئے، اور اسی وقت بہت سا سامان خور و نوش اور تین سو درہم لاکر بطور نذر کے پیش کیا[1]،

رسول کا ادب | آنحضرت صلعم کا ادب و احترام اسقدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے بیعت کی پھر اس کو نجاست یا محلِ نجاست سے مس نہونے دیا[2] کہ اس مین بھی شانِ بے ادبی تھی، آلِ رسول اور ازواج مطہراتؓ کا خاص طور سے پاس وخیال تھا، اپنے عہدِ خلافت مین اصحابِ وظائف کے لیے رمضان کے روزینے مقرر کیے تو ازواج مطہراتؓ کا روزینہ سب سے دونا مقرر کیا[3]،

اتباعِ سنت | حضرت عثمانؓ کو جناب سرور کائناتؐ کی ذات پاک سے جو مخصوص ارادت و محبت تھی اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ اپنے قول و فعل یہان تک کہ حرکات و سکنات اور اتفاقی باتون مین بھی اپنے محبوب آقا کی اتباع کو پیشِ نظر رکھتے تھے ایک دفعہ وضو کرکے متبسم ہوئے، لوگون نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مین نے ایک دفعہ آنحضرت صلعم (روحی فداہ) کو اسیطرح وضو کرکے ہنستے ہوے دیکھا تھا[4]، ایک دفعہ سامنے سے

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۶ [2] ایضاً ج ۷ ص ۳۰ [3] طبری ص ۲۸۰۴ [4] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۵۸،

جنازہ گذرا تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ حضور بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے[۱]، ایک دفعہ عصر کے وقت سب کے سامنے وضو کرکے دکھایا کہ آنحضرت صلعم اسی طرح وضو فرمایا کرتے تھے[۲]، ایک بار مسجد کے دوسرے دروازہ پر بیٹھ کر بکری کا دست منگوایا اور کھایا اور بے تازہ وضو کیے ہوے نماز کو کھڑے ہوگئے، پھر فرمایا کہ آنحضرت صلعم نے بھی اسی جگہ بیٹھ کر کھایا تھا اور اسیطرح کیا تھا[۳]، حج کے موقع پر وہ اور ایک صحابی طواف کررہے تھے، طواف میں اُنھوں نے رکن یمانی کا بھی بوسہ لیا، حضرت عثمانؓ نے ایسا نہیں کیا تو اُنھوں نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر اس کا استلام کرانا چاہا، حضرت عثمانؓ نے کہا کیا کرتے ہو؟ کیا تم نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ طواف نہیں کیا ہے؟ انھوں نے کہا، ہاں، تو دریافت کیا، کیا آپ کو اس کا استلام کرتے تم نے دیکھا، کہا نہیں تو فرمایا پھر رسول اللہ صلعم کی اقتدار مناسب نہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا بیشک[۴]

حیا، اُن کے اخلاق و عادات کے بیان میں مورخین نے حیا کا مستقل عنوان قائم کیا ہے، اور خود حضور پرنور صلعم اُن کے شرم وحیا کا پاس ولحاظ کرتے تھے، ایک دفعہ صحابۂ کبار کا مجمع تھا، رسول اللہ صلعم بے تکلفی کے ساتھ تشریف فرما تھے، اور زانوے مبارک کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا، اسی حالت میں حضرت عثمانؓ کے حاضر ہونے کی اطلاع ہوئی تو سنبھل کر بیٹھ گئے اور زانوے مبارک پر کپڑا برابر کرلیا، لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے لیے اس اہتمام کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ عثمان کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں[۵]، اسی قسم کا ایک اور واقعہ حضرت عائشہؓ بھی بیان فرتی ہیں[۶]، حضرت ذوالنورینؓ کی حیا کا یہ عالم تھا کہ تنہائی اور بند کمرے میں بھی وہ برہنہ نہیں ہوتے تھے،

---

۱ مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۵۸، ۲ ایضاً ۶۷، ۳ ایضاً صفحہ ۶۲، ۴ ایضاً صفحہ ۷۰، ۵ بخاری جلد ۲ مناقب عثمان، ۶ مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۷۱

زہد | حضرت عثمانؓ اگرچہ کچھ اپنی خلقی ناتوانی اور ضعف وپیری کے باعث اور کسی قدر اس سبب سے کہ اُنھون نے ناز ونعمت کی زندگی مین پرورش پائی اچھی ہلکی غذا اور نرم پوشاک استعمال کرنے پر مجبور تھے، اور فاروق اعظمؓ کی طرح موٹا جھوٹا کپڑا اور روکھا پھیکا کھانا نہین کھا سکتے تھے لیکن اس سے یہ قیاس نہین کرنا چاہیئے کہ حضرت عثمانؓ عیش وتنعم کے گرویدہ تھے بلکہ اُنھون نے باوجود غیر معمولی دولت وثروت کے کبھی امیرانہ ٹھاٹھ نہین جمایا اور نہ کبھی صرف زیب وزینت کی چیزین استعمال کین؛ قز ایک قسم کا ردی کپڑا تھا جو نہایت خوش وضع اور عرب کا مطبوع عام لباس تھا، امرار تو امرار متوسط درجے کے لوگ بھی اس کو پہننے لگے تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے کبھی اس کو استعمال نہ فرمایا اور نہ اپنی بیویون کو استعمال کرنے دیا،

تواضع | تواضع اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ گھر مین بیسیون لونڈی اور غلام تھے لیکن اپنا کام آپ ہی کر لیتے اور کسی کو تکلیف نہ دیتے، رات کو تہجد کیلیے اُٹھتے اور کوئی بیدار نہوتا تو خود ہی وضو وغیرہ کا سامان کر لیتے اور کسی کو جگا کر اسکی نیند خراب نہ فرماتے اور کوئی درشت کلامی کرتا تو آپ نرمی سے جواب دیتے، ایک دفعہ عمرو بن العاصؓ نے اثنائے گفتگو مین حضرت عثمانؓ کے والد کی شرافت پر طعنہ زنی کی، حضرت عثمانؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ عہدِ اسلام مین زمانۂ جاہلیت کا کیا تذکرہ ہے[1]؟ اسیطرح ایک دفعہ جمعہ کے روز منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز آئی "عثمان! توبہ کر اور اپنی بے اعتدالیون سے باز آ" حضرت عثمانؓ نے اسی وقت قبلہ رُخ ہو کر ہاتھ اُٹھایا اور کہا اللھم انی اول تائب تاب یعنی اے خدا مین پہلا توبہ کرنے والا ہون جس نے

[1] طبری ص ۲۹۶۶

المیلک،   تیری درگاہ مین رجوع کیا[1]

ایثار | اپنے ذاتی فائدہ پر دوسرون کے فوائد کو ترجیح دینا اخلاق انسانی کا منتہائے کمال ہے حضرت عثمانؓ کی زندگی مین اس وصف کامل کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ یہ ہے کہ اُنھون نے اپنے ایامِ خلافت مین ذاتی مصارف کیلیے بیت المال سے ایک حبّہ نہین لیا[2] اور اس طرح گویا اپنا مقررہ وظیفہ عام مسلمانون کیلیے چھوڑ دیا،

حضرت عمرؓ کا سالانہ وظیفہ پانچہزار درہم سالانہ تھا، اس حساب سے حضرت عثمانؓ نے اپنے دوازدہ سالانہ مدتِ خلافت مین ساٹھ ہزار درہم کی گران قدر رقم مسلمانون کے لیے چھوڑ دی جو درحقیقت ایثار نفس کا نہایت ہی اعلیٰ نمونہ ہے،

فیاضی | حضرت عثمانؓ عرب مین سب سے زیادہ دولتمند تھے، اس کے ساتھ خدا نے فیاض طبع بھی بنایا تھا، اس لیے اُنھون نے عدیم النظیر فیاضیان ظاہر کین اور اپنے مال و دولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہونچایا جب کہ اس امت مین کوئی دوسرا اُن کا ہمسر موجود نہ تھا،

مسلمان ہجرت کرکے مدینہ آئے تو پانی کی سخت تکلیف تھی اور تمام شہر مین صرف بیر رومہ ایک ایسا کنوان تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا، لیکن اس کا مالک ایک یہودی تھا جس نے اُسکو ذریعۂ معاش بنا رکھا تھا، حضرت عثمانؓ نے رفاہِ عام کے خیال سے اسی کو بیس ہزار درہم مین خرید کر وقف کر دیا، اسیطرح جب مسلمانون کی کثرت ہوئی اور مسجد نبوی مین جگہ کی تنگی کے باعث نمازیون کو تکلیف ہونے لگی تو حضرت عثمانؓ نے ایک گران قدر رقم صرف کرکے اُسکی توسیع کی،

---

[1] طبری صفحہ ۲۹۷۲، [2] طبری ص ۲۹۵۳،

اس سلسلہ مین سب سے زیادہ نمایان کارنامہ یہ ہے کہ اُنھون نے غزوۂ تبوک کے موقع پر ہزارون روپے کے صرف سے مجاہدین کو آراستہ کیا، یہ فیاضی ایسے وقت مین ظاہر ہوئی جبکہ عام طور پر مسلمانون کو عسرت اور تنگی نے پریشان کر رکھا تھا اور دوسری طرف قیصر روم کی جنگی تیاریون سے خود رسول اللہ کو تشویش دامنگیر تھی،

مذکورۂ بالا فیاضیون کے علاوہ روزانہ جود وکرم اور صدقات وخیرات کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ہر جمعہ کے روز ایک غلام آزاد کرتے تھے[1] بیواؤن اور یتیمون کی خبرگیری کرتے تھے، مسلمانون کی عسرت اور تنگ حالی سے اُن کو دلی صدمہ ہوتا تھا، ایک دفعہ ایک جہاد مین ناداری اور مفلسی کے باعث مسلمانون کے چہرے اُداس تھے اور اہل نفاق ہشاش بشاش ہر طرف اکڑتے پھرتے تھے اُسی وقت چودہ اُونٹون پر سامان خورد نوش بار کرکے آنحضرت صلعم کے پاس بھیجا کہ اس کو مسلمانون مین تقسیم فرما دیجئے،

اعزہ اور احباب کے ساتھ حسن سلوک اعزہ اور احباب کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک فرماتے تھے، حکم بن ابی العاص حضرت عثمانؓ کے چچا تھے، رسول اللہ نے اُن کو طائف کو جلاوطن کردیا، حضرت عثمانؓ نے بارگاہِ نبوت مین کوشش کرکے اُن کی خطا معاف کرائی اور اپنے عہد مین مدینہ بلایا اور جیب خاص سے اُن کی اولاد کو ایک لاکھ درہم مرحمت فرمائے،[2] نیز اُن کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کرکے جہیز مین ایک لاکھ درہم عطا فرمائے،[3]

عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن ابی سرح، عثمان بن ابی العاص امیر معاویہ حضرت عثمانؓ کے نہایت قریبی رشتہ دار تھے اور اُن کے عہد خلافت مین ممتاز عہدون پر متعین رہے،

---

[1] نزہۃ الابرار قلمی مع اکتبخانہ حبیب گنج [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۰ [3] طبری ص ۲۹۵۲ ،

احباب مخلصین کے ساتھ بھی نہایت عمدہ برتاؤ تھا، ضرورت کے وقت بڑی بڑی رقمیں قرض دیتے تھے اور بسا اوقات واپس نہیں لیتے تھے، ایک دفعہ حضرت طلحہؓ نے ایک بڑی رقم قرض لی، کچھ دنوں کے بعد واپس دینے آئے تو لینے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ یہ تمھاری مُروت کا صلہ ہے[1]

صبر وتحمل | مصائب وآلام کو نہایت صبر وسکون کے ساتھ برداشت کرتے تھے، شہادت کے موقع پر چالیس دن تک جس بردباری، ضبط اور تحمل کا اظہار ہوا وہ اپنی آپ نظیر ہے، سیکڑوں جاں نثار غلام اور ہزاروں معاون وانصار سرفروشی کے لیے تیار تھے مگر اس ایوبِ وقت نے خونریزی کی اجازت نہ دی اور اپنے اخلاق کریمانہ کا آخری منظر دکھا کر ہمیشہ کے لیے دنیا سے روپوش ہوگیا،

مذہبی زندگی | دن کے وقت مہماتِ خلافت میں مصروف رہتے اور رات کا اکثر حصہ عبادت وریاضت میں بسر کرتے تھے، کبھی کبھی رات بھر جاگتے اور ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کردیتے تھے[2]

دوسرے تیسرے دن عموماً روزے رکھتے تھے، کبھی کبھی مہینوں روزے سے رہتے اور شب کے وقت صرف اسقدر کھا لیتے تھے کہ سدِ رمق کے لیے کافی ہو،

ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے، اور خود امیرِ حج کے فرائض انجام دیتے تھے، خصوصاً ایامِ خلافت میں کوئی سال حج سے خالی نہیں گذرا، البتہ جس سال شہید ہوے اس سال محصور ہونے کے باعث مجبور رہ گئے،

---

[1] طبری صفحہ ۳۰۴۷

[2] ابن سعد،

ذاتی حالات

مسکن | ہم لکھ آئے ہین کہ حضرت عثمانؓ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو حضرت اوس بن ثابتؓ کے مہمان ہوئے اور غالباً عرصہ تک انھین کے مکان مین مقیم رہے، اُسکے بعد اپنے عہدِ خلافت مین مسجد نبوی کے قریب ایک نہایت عظیم الشان محل تعمیر کرایا جو عظمت و شان مین مدینہ کی تمام عمارتون سے ممتاز تھا، اور اب بھی سیدنا عثمانؓ کے نام سے مدینہ مین مشہور ہے، اور کچھ حصہ مغربی حاجیون کا زاویہ ہے، اور وہان کتبخانہ قائم ہے، جس کا نام کتبخانہ سیدنا عثمانؓ ہے، مسجد نبوی کی پشت پر گلی کی دوسری طرف ایک مکان کے دروازے پر مشہد سیدنا عثمانؓ کا کتبہ لگا ہے،

وسائلِ معاش | معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، عرب مین کوئی ان سے بڑا اور دولتمند تاجر نہ تھا، چنانچہ اس غیر معمولی دولت وثروت کے باعث ان کو غنی کا خطاب دیا گیا تھا،

جاگیر | فتحِ خیبر کے بعد رسول اللہ صلعم نے تمام صحابہ کو جو شریکِ معرکہ تھے جاگیرین عطا کی تھین، حضرت عثمانؓ کے حصہ مین بھی ایک قطعہ زمین آیا تھا، اس کے علاوہ اُنھون نے مختلف اوقات مین جائدادین خریدی تھین، مدینہ سے قریب مقام بقیع مین بھی ایک نہایت وسیع قطعہ خریدا تھا جسکو اُنھون نے قبرستان کے لیے وقف فرما دیا تھا،

زراعت | جہان تک معلوم ہے حضرت عثمانؓ خود زراعت نہیں فرماتے تھے، البتہ اپنی زمین کو بٹائی پر دیتے تھے کہ پیداوار مین سے دو ثلث کاشتکار کو ملتا تھا اور صرف ایک ثلث

آپ کا حق ہوتا تھا،

غذا | ضعف اور پیری کے باعث غذا عموماً نرم، ہلکی اور زود ہضم تناول فرماتے تھے، دسترخوان پر عموماً اعزہ و احباب کا مجمع رہتا تھا،

صفائی | مزاج میں بہت صفائی پسندی تھی، جب سے مسلمان ہوئے روزانہ غسل کیا کرتے تھے (ابن حنبل ۱-۶۷) ہمیشہ اچھے کپڑے پہنتے تھے، عطر ملتے تھے (ابن سعد)

لباس | ابن سعد نے آپ کے لباس کا خاص عنوان باندھا ہے گو آپ اچھے کپڑے استعمال فرماتے تھے لیکن اسمین بیہودہ تکلفات کو دخل نہین ہوتا تھا خصوصاً ایسے کپڑون سے نہایت پرہیز کرتے تھے جس سے مزاج مین غرور، تکبر اور خودبینی کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے فقط ایک خاص قسم کا رومی کپڑا تھا، جو امرائے عرب مین عموماً نہایت مطبوع تھا لیکن اُنھون نے کبھی اسکو استعمال نہین کیا اور نہ اپنی بیویون کو پہننے دیا، تمام عمر انھون نے پاجامہ نہین پہنا، صرف شہادت کے وقت ستر کے خیال سے پہن لیا، عموماً تہبند باندھا کیے، ایک تابعی روایت کرتے ہین کہ جمعہ کے روز منبر پر اُن کو دیکھا تو جو موٹا تہبند وہ پہنے تھے اس کی قیمت پانچ درہم (ایک روپے) سے زیادہ نہ تھی۔

حلیہ | حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خوش رو اور خوبصورت تھے[1] حلیہ یہ تھا رنگ گندم گون قد معتدل، ناک بلند اور خمدار، رخسارے پرگوشت اور اُن پر چیچک کے ہلکے ہلکے داغ، داڑھی گھنی اور طویل، سر کے بال گھنے اور بڑے بڑے یہان تک کہ زلف کانون تک پہونچی تھی، بعض روایات کے مطابق بالون مین خضاب فرماتے تھے، دانت پیوستہ اور چمکدار تھے جنکو سونے کے تار سے باندھ کر مضبوط کیا گیا تھا،

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۹۶، [2] ابن حنبل جلد اول صفحہ ۷۳، مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۹۶،

ازواج واولاد | مختلف اوقات مین متعدد شادیان کین پہلی بیوی آنحضرت صلعم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ تھین حبشہ کی ہجرت مین وہ آپ کے ساتھ تھین واپس آکر مدینہ منورہ کی ہجرت مین بھی شریک تھین یہان ایک سال زندہ رہین ۲ھ مین غزوہ بدر کے موقع پر وفات پائی ان سے عبداللہ نام ایک فرزند تولد ہوا تھا جس نے بچپن ہی مین وفات پائی

اس کے بعد آنحضرت صلعم کی چھوٹی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے ۳ھ مین نکاح ہوا وہ نکاح کے بعد چھ سات برس زندہ رہین ۹ھ مین وفات پائی ان سے کوئی اولاد نہین ہوئی

اُس کے بعد حسب ذیل نکاح کیے.

فاختہ بنت غزوان ان کے بطن سے بھی ایک فرزند تولد ہوا عبداللہ نام تھا لیکن وہ بھی بچپن ہی مین فوت ہوگیا، ام عمرو بنت جندب، ان کے بطن سے عمرو، خالد، ابان، عمر اور مریم پیدا ہوئے، فاطمہ بنت ولید، یہ حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے ولید اور سعید کی ماں ہین ام البنین بنت عینیہ، ان سے عبدالملک پیدا ہوئے انھون نے بھی بچپن ہی مین وفات پائی، رملہ بنت شیبہ، عائشہ، ام ابان اور ام عمرو اُن کے بطن سے تولد ہوئین نائلہ بنت الفرافصہ شہادت کے وقت موجود تھین ان کے بطن سے مریم بنت عثمان پیدا ہوئین

صاحبزادون مین سب سے نامور حضرت ابانؓ ہوئے انھون نے بنوامیہ کے عہد مین خاصہ اعزاز پایا،

رضی اللہ عنہ

امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

نام، نسب، خاندان | علی نام، ابوالحسن اور ابوتراب کنیت، حیدرؓ (شیر) لقب، امیرالمومنین خطاب، والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی، چونکہ ابوطالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لیے حضرت علیؓ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت صلعم کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے،

خاندانِ ہاشم کو عموماً عرب اور خصوصاً قبیلہ قریش میں جو وقعت وعظمت حاصل تھی وہ محتاجِ اظہار نہیں، خانۂ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنوہاشم کا مخصوص طغرائے امتیاز تھا اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی،

حضرت علی مرتضیٰؓ کے والد ابوطالب مکہ کے ایک نہایت ذی اثر بزرگ تھے، آنحضرت صلعم نے انھیں کی آغوشِ شفقت میں پرورش پائی تھی اور بعثت کے بعد انھیں کے زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں بلند آہنگی کے ساتھ دعوتِ حق کا اعلان کیا تھا، ابوطالب ہر موقع پر سینہ سپر ہوئے، اور سرورِ کائنات صلعم کو کفار کے پنجۂ ظلم وستم سے محفوظ رکھا، مشرکین قریش نے رسول اللہ صلعم کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابوطالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہونچائیں، ایک گھاٹی میں محصور کردیا، کاروبار اور لین دین بند کردیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کرلیے، غرض ہر طرح پریشان کیا مگر اس نیک طینت بزرگ نے

لہ صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذی قرد وغیرھا،

آخری لمحۂ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دستِ شفقت نہ اُٹھایا،

آنحضرت صلعم کی دلی خواہش تھی کہ ابو طالب کا دل نورِ ایمان سے منور ہو جائے اور اسطرح اُنھوں نے اپنی ذات سے دنیا میں جو کچھ مہبطِ وحی کی خدمت و حمایت کی ہے اُس کے معاوضہ میں نعیم فردوس کی ابدی اور لا متناہی دولت سے متمتع ہوں، خصوصاً وفات کے وقت نہایت اصرار کے ساتھ کلمۂ توحید کی دعوت دی، ابو طالب نے کہا عزیز بھتیجے! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہوتا تو نہایت خوشی سے تمھاری دعوت قبول کر لیتا[1]، سیرۃ ابن ہشام میں حضرت عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نزع کی حالت میں کلمۂ توحید اُن کی زبان پر تھا، مگر یہ روایت کمزور ہے، بہر حال ابو طالب نے گو علانیہ اسلام قبول نہیں کیا، تاہم اُنھوں نے حضور سرورِ کائنات صلعم کی جس طرح پرورش و پرداخت کی اور کفار کے مقابلہ میں جس ثبات اور استقلال کے ساتھ حمایت کا فرض انجام دیا اُس کے لحاظ سے اسلام کی تاریخ میں اُن کا نام ہمیشہ شکرگذاری اور احسانمندی کے ساتھ لیا جائیگا،

حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد نے بھی حضرت آمنہؓ کے بعد کہ کے اس یتیم معصوم کے ساتھ ماں کی طرح شفقت و محبت ظاہر کی، مستند روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں اُن کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلعم نے کفن کے بجائے اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا، لوگوں نے اس خاص عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابو طالب کے بعد میں سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنونِ احسان ہوں[2]

حضرت علیؓ آپ کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوے تھے، ابو طالب نہایت کثیر العیال

---

[1] سیرت ابن ہشام ج۱ ص ۲۲۰–۲۲۲ [2] ترجمہ اسد الغابہ ج۵ ص ۵۱۷،

تھے معاش کی تنگی نے نہایت پریشان کر رکھا تھا، تھا وخشک سالی نے اس مصیبت مین اور بھی اضافہ کر دیا اس لیے رحمۃ للعالمین نے اپنے چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت و پریشان حالی مین ابو طالب کا ہاتھ بٹانا چاہیئے، حضرت عباسؓ نے حسب ارشاد جعفر کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائنات کی نگاہِ انتخاب نے علی کو پسند کیا، چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور پُر نور کے ساتھ رہے[1]

اسلام حضرت علیؓ کا سن ابھی صرف دس سال کا تھا کہ اُن کے شفیق مربی کو دربار خداوندی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا، اور چونکہ حضرت علیؓ ہمیشہ ساتھ رہتے تھے اس لیے اُنکو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے چنانچہ ایک روز آنحضرت صلعم اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو مصروف عبادت دیکھا اس مؤثر نظارہ نے اثر کیا، طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا آپ دونون کیا کر رہے تھے؟ حضرت سرور کائنات نے اپنے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی، حضرت علیؓ کے کان ایسی باتون سے آشنا نہ تھے متحیر ہو کر عرض کی کہ اپنے والد ابو طالب سے اسکے متعلق دریافت کر دن گا، چونکہ سرور کائنات کو ابھی اعلان عام منظور نہ تھا اس لیے فرمایا کہ اگر تمھین تامل ہے تو خود غور کرو لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا، غرض اس کمسن نونہال کے عرصۂ خیال مین حق و باطل کی معرکہ آرائی شروع ہوئی، اور ایک شب و روز کی مسلسل جد و جہد نے حق کو فتحیاب کیا، توفیق الٰہی رفیق ہوئی، اور اسی وقت بارگاہِ نبوت مین حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے[2]

اس باب مین اختلاف ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا، بعض روایات سے حضرت ابوبکرؓ کی بعض سے حضرت علیؓ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے اور بعضون کے خیال مین حضرت زید بن

[1] زرقانی جلد اصفحہ ۲۸۰، [2] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت علیؓ

حارثہؓ کا ایمان سب پر مقدم ہے، لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ عورتوں میں، حضرت ابو بکر صدیقؓ مردوں میں حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں میں اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے،

مکہ کی زندگی اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے چونکہ وہ رات دن سرورِ کائنات ؐ کے ساتھ رہتے تھے اس لیے مشورہ کی مجلسوں میں تعلیم وارشاد کے مجمعوں میں کفار ومشرکین کے سامنوں میں اور معبود حقیقی کی عبادت و پرستش میں غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے،

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے سرزمین مکہ میں مسلمانوں کے لیے علانیہ خدا کا نام لینا اور اسکی عبادت و پرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا، آنحضرت صلعم چھپ چھپ کر اپنے معبود حقیقی کی پرستش فرماتے تو حضرت علیؓ بھی ان غیر معمولی مخلصانہ عبادتوں میں شریک ہوتے، ایک دفعہ وادیِ نخلہ میں حسب معمول مصروفِ عبادت تھے، کہ اتفاق سے اس طرف ابو طالب کا گذر ہوا اپنے معصوم بھتیجے اور نیک بخت بیٹے کو مصروفِ عبادت دیکھکر پوچھا کیا کرتے ہو؟ آنحضرت صلعم نے کلمہ حق کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ اس میں کوئی ہرج نہیں لیکن مجھسے نہیں ہو سکتا[1]،

ایامِ حج میں مکہ کی سرزمین تمام قبائل عرب کا مرجع ہوتی تھی، اس لیے آنحضرت صلعم حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ہمراہ لیکر عام مجمعوں میں تشریف لے جاتے تھے اور تبلیغِ اسلام کا فرض ادا کرتے تھے، اسوقت حضرت علیؓ اگرچہ اپنی طفولیت کے باعث کوئی اہم خدمت انجام دینے کے قابل نہ تھے، تاہم کبھی کبھی ساتھ ہوتے تھے[2] کبھی کبھی آنحضرت صلعم کے ساتھ

[1] مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۹۹، [2] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۱۹،

خانۂ کعبہ تشریف لے جاتے اور بتون کو توڑ پھوڑ کر عیب دار کر دیتے تھے؟

انتظامِ دعوت | منصبِ نبوت عطا ہونے کے بعد آنحضرت ؐ نے تین برس تک علانیہ دعوتِ اسلام کی صدا بلند نہین فرمائی بلکہ پوشیدہ طریقہ پر خاص خاص لوگون کو اسکی ترغیب دیتے رہے، چوتھے سال حکم ہوا کہ اسلام کا عام اعلان کر دین اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ دارون سے ابتدا کرین چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی،

وانذر عشیرتك الاقربین ‏ ‏ ‏ اپنے قریبی اعزہ کو (عذابِ الٰہی) سے ڈراؤ،

سرورِ کائنات ؐ نے اس حکم کے موافق کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سامنے دعوتِ اسلام کی صدا بلند کی لیکن مدت کا زنگ ایک دن کے صیقل سے نہین دور ہو سکتا تھا، ابولہب نے کہا تبالك، اسی لیے تو نے ہم لوگون کو جمع کیا تھا؟ اس کے بعد آنحضرت ؐ نے ایک مرتبہ پھر اپنے خاندان مین تبلیغِ اسلام کی کوشش فرمائی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو انتظامِ دعوت کی خدمت پر مامور کیا،

حضرت علی ؓ کی عمر اس وقت مشکل سے چودہ، پندرہ برس کی تھی لیکن انھون نے اس کمسنی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا، دسترخوان پر صرف بکرے کے پائے اور دودھ تھا، دعوت مین تمام خاندان شریک تھا جنکی تعداد ۴۰ تھی، حضرت حمزہ ؓ، عباس ؓ، ابولہب اور ابوطالب بھی شریک تھے، لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آنحضرت صلعم نے اٹھ کر فرمایا "یا بنی عبد المطلب! خدا کی قسم مین تمھارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہون، بولو! تم مین سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون و مددگار ہوگا"، سب چپ رہے لیکن شیرِ خدا علی مرتضیٰ ؓ نے اٹھ کر کہا، "گو مین عمر مین سب سے چھوٹا ہون اور گو

ؔ مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۴۰،

مجھے آشوب چشم کا عارضہ ہے اور میری ٹانگین پتلی ہین تاہم مین آپ کا یاور اور دست و بازو ہونگا" آنحضرت صلعم نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ اور یہ کہکر پھر لوگون سے خطاب کیا لیکن کسی نے جواب نہین دیا، حضرت علیؓ پھر اُٹھے، آنحضرت صلعم نے اس دفعہ بھی اُن کو بٹھا دیا یہان تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بارگران کا اُٹھانا کسی نے قبول نہین کیا اور حسب معمول اس مرتبہ بھی حضرت علیؓ نے جانبازی کے لہجہ مین انہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا کہ بیٹھ جا تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے[1]،

ہجرت بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ صلعم نے مکہ کی گھاٹیون مین اسلام کی صدا بلند کی لیکن مشرکین قریش نے لبیک کہنے کے بجائے اس کا جواب محض بغض و عناد سے دیا اور آپ کے فدائیون پر طرح طرح کے مظالم کیے یہان تک کہ رحمۃ للعالمین نے اپنے جان نثارون کا سپر بنکر جور و جفا دیکھکر آہستہ آہستہ سب کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا، چنانچہ چند نفوس قدسیہ کے علاوہ مکہ مسلمانون سے خالی ہو گیا، اس ہجرت سے مشرکین کو اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے حیطۂ اقتدار سے باہر ہو گئے ہین، اس لیے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت مضبوط کرکے ہم سے انتقام لین، چنانچہ اس خطرہ نے ان کو خود رسول مقبول صلعم کی جان کا دشمن بنا دیا اور ایک روز مشورہ کرکے رات کے وقت کاشانۂ نبوت کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے اس ذات اقدس کو دنیا سے رخصت کر دین لیکن مشیت الٰہی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام عالم حقانیت کے نور سے منور ہو اور توحید کی روشنی شرک کی ظلمت کو کافور کر دے اس لیے اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتاب رسالت کس طرح غروب ہو سکتا تھا، غرض وحیِ الٰہی نے مشرکین

[1] طبری ۳-۲، ۱۱۷ یہ روایت مسند ابن حنبل مین بھی بالاختصار مذکور ہے، دیکھو جلد ۱ صفحہ ۱۵۹، مگر اس کی سند مین لوگون نے کلام کیا ہے،

کے ارادوں سے اطلاع دی اور ہجرتِ مدینہ کا حکم ہوا، سرورِ کائنات ؐ نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو حضرت علی مرتضیٰ ؓ کو اپنے فرشِ اطہر پا استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو ساتھ لیکر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے،

فدویت و جان نثاری کا ایک عدیم المثال کارنامہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عمر اسوقت زیادہ سے زیادہ بائیس تیئیس برس کی تھی، اس عنفوانِ شباب مین اپنی زندگی کو قربانی کیلیے پیش کرنا فدویت و جان نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے، رات بھر مشرکین کا محاصرہ رہا، ہر طرف برہنہ تلوارون کی جھنکار اور چمک سے ظلمتِ شب مین رعد و برق کا دھوکا ہوتا تھا، لیکن یہ نوجوان اس مسرت و انبساط مین اطمینان کے ساتھ فرشِ اطہر پر سبز چادر اوڑھے محوِ خواب تھا کہ اگر اس راہ مین جان گئی تو اس سے زیادہ اور کیا سعادت ہو سکتی ہے، غرض تمام رات مشرکینِ قریش اس دھوکے مین رہے کہ خود حضرت سرورِ کائنات ؐ استراحت فرما ہین، صبح ہوئی تو حسبِ قرار داد اپنے ارادہ کی تکمیل کیلیے اندر آئے لیکن یہان یہ دیکھکر ہاتھون کے طوطے اُڑ گئے کہ شہنشاہِ دوعالم ؐ کے بجاے آپ کا ایک جان نثار اپنے آقا پر قربان ہو جانے کے لیے سربکف سو رہا ہے، مشرکین اپنی غفلت پر سخت برہم ہوے اور اس فدائی کو چھوڑ کر اصل مقصود کی تلاش و جستجو مین سرگردان پھرنے لگے،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلعم کے تشریف لیجانے کے بعد دو یا تین دن تک مکہ مین مقیم رہے اس عرصہ مین آنحضرت صلعم کا جن لوگون سے کاروبار اور لین دین تھا حسبِ ہدایت اُن سے فراغت حاصل کی اور تیسرے یا چوتھے دن وطن کو خیرباد کہکر عازمِ مدینہ ہوئے[1]

اس زمانہ مین حضرت سرورِ کائنات ؐ حضرت کلثوم بن ہدم ؓ کے مہمان تھے اس لیے حضرت

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۴،

علیؓ بھی انہی کے مکان میں جاکر فروکش ہوئے[1]، رسول اللہ صلعم نے باہم مہاجرین میں بھائی چارہ کرایا تو اُن کو اپنا بھائی بنایا[2]،

تعمیرِ مسجد | مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا بلکہ یہ آزادی وحریت کی سرزمین تھی یہاں ہر شخص علانیہ خدائے واحد کی پرستش کرسکتا تھا اور احکام شرعیہ کا نہایت اطمینان کے ساتھ پابند ہوسکتا تھا اس کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینے سرورِ کائنات ؐ کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ اُسکی بنیاد رکھی، آنحضرت صلعم نے اپنے رفقا کے ساتھ خود اسکی تعمیر میں حصہ لیا، تمام صحابہ جوش کے ساتھ شریکِ کار تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اینٹ اور گارا لالاکر دیتے تھے اور جوش کے ساتھ یہ رجز پڑھتے تھے[3]

لا یستوی من یعمر المساجد	جو مسجد تعمیر کرتا ہے کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر اس مشقت کو برداشت
یدأب فیہ قائما وقاعدا	کرتا ہے اور جو گرد وغبار کے باعث اس کام سے جی چراتا ہے
ومن یری عن الغبار حائدا	وہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے،

غزوات اور دیگر حالات

غزوۂ بدر | سلسلۂ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہے، آنحضرت صلعم اپنے تین سو تیرہ جان نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے، اُن میں سے ایک حیدرِ کرار کے ہاتھ میں تھا جب رزمگاہِ بدر کے قریب پہنچے تو سرورِ کائنات نے حضرت علیؓ کو چند منتخب جانبازوں کے ساتھ غنیم کی نقل وحرکت دریافت کرنے کیلیے

[1] ابن سعد تذکرہ علی صفحہ ۱۳، [2] ایضاً صفحہ ۱۴، [3] زرقانی جلد اصفحہ ۴۲۶،

بھیجا، انھون نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی، اور مجاہدین نے پہلے پہونچکر اہم مقامون پر قبضہ کرلیا، سترھوین رمضان جمعہ کے دن جنگ کی ابتدا ہوئی، قاعدہ کے موافق پہلے تنہا تنہا مقابلہ ہوا، سب سے پہلے قریش کی صف سے تین نامی بہادر نکل کر مسلمانون سے مبارز طلب ہوئے، تین انصاریون نے اُن کی دعوت کو لبیک کہا، اور آگے بڑھے، قریش کے بہادرون نے ان کا نام ونسب پوچھا، اور جب یہ معلوم ہوا کہ وہ یثرب کے جوان ہین، تو انکے ساتھ لڑنے سے انکار کردیا، اور آنحضرت صلعم کو پکار کر کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے مقابلہ مین ہمارے جوڑ کے آدمی بھیجو، اس وقت آنحضرت صلعم نے اپنے خاندان کے تین عزیزون کے نام لیے، حمزہ، علی اور عبیدہ تینون میدان مین آکر اپنے اپنے حریفون کے سامنے کھڑے ہوئے، حضرت علیؓ نے اپنے حریف ولید کو ایک وار مین تہ تیغ کیا، اس کے بعد جھپٹ کر عبیدہ کی مدد کی اور اُن کے حریف شیبہ کو بھی قتل کیا، اس کے بعد عام مقابلہ شروع ہوگیا، اور مشرکین نے طیش مین آکر عام حملہ کردیا، یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرۂ تکبیر کے ساتھ کفار کے نرغہ مین گھس گئے، شیر خدا نے بڑھ بڑھ کر صفین کی صفین اُلٹ دین اور ذوالفقار حیدر نے بجلی کی طرح چمک چمک کر اعداے اسلام کے خرمن ہستی کو جلادیا، مشرکین کے پانون اُکھڑ گئے اور مسلمان مظفر ومنصور بیشمار مال غنیمت اور تقریباً ستر قیدیون کے ساتھ مدینہ واپس آئے، مال غنیمت[1] مین سے آپ کو ایک زرہ، ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی تھی،

حضرت فاطمہؓ سے نکاح | اسی سال یعنی سنہ ۲ھ مین حضرت سرور کائنات نے اُن کو دامادی کا شرف بخشا یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ سے نکاح کردیا،

[1] دیکھو سیرت ابن ہشام غزوۂ بدر،

حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور اُن کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی لیکن آنحضرت صلعم نے کچھ جواب نہین دیا، جب حضرت علیؓ نے خواہش کی تو آپ نے فرمایا تمھارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہین ہی، آپ نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے لیے ہے البتہ زرہ کو فروخت کر ڈالو، غرض حضرت علیؓ نے اُس کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ چار سو اسّی درہم مین بیچا، اور قیمت لاکر آنحضرت صلعم کے سامنے پیش کی، آنحضرت صلعم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو کی چیزین خرید لائین اور خود نکاح پڑھ دیا، اور دونون میان بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی[1]؛

رخصتی نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی، اس وقت تک حضرت علیؓ آنحضرت صلعم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے جب رخصتی کا وقت آیا تو آنحضرت صلعم نے ان سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو، چنانچہ حارثہ بن النعمان کا مکان ملا اور وہ ملکۂ جنت کو رخصت کراکے اسمین لے آئے[2]؛

جہیز حضرت علی مرتضیٰؓ کو سُسرال سے یا حضرت سیدۂ زہراؓ کو اپنے گھر سے جو سامان ملا وہ یہ تھا، ایک پلنگ، ایک بستر، ایک چادر، دو چکیان اور ایک مشکیزہ، عجیب اتفاق ہے کہ یہ تمام چیزین حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک اُن کی رفیق رہین اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس مین کچھ اضافہ نہ کرسکے؛

دعوت ولیمہ حضرت علیؓ کی زندگی نہایت فقیرانہ و زاہدانہ تھی خود رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہتے تھے، ذاتی ملکیت مین صرف ایک اونٹ تھا جسکے ذریعہ سے اذخر (ایک قسم کی گھاس)

صفحہ ۳۴۶ ... سوا ... قیمت ...

---

[1] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۴ [2] اصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۰،

کی تجارت کرکے دعوتِ ولیمہ کے لیے کچھ رقم جمع کرنے کا ارادہ تھا لیکن حضرت حمزہؓ نے حالتِ نشہ[1] مین اس اونٹ کو بھی کبابِ سیخ بنا دیا، اس لیے اب زہد و فقر کے اس بادشاہ کے پاس اُس رقم کے سوا جو زرہ کی قیمت مین سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی اور کچھ نہ تھا، چنانچہ اسی سے دعوتِ ولیمہ کا سامان ہوا، دسترخوان پر صرف کھجور، جو کی روٹی، پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربا تھا لیکن اس سادگی مین بھی اس زمانہ کے لحاظ سے تکلف تھا، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس زمانہ مین اس سے بہتر ولیمہ نہین ہوا[2]،

غزوۂ احد | سنہ ۳ھ مین احد کا معرکہ پیش آیا، شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی اور پہلے مسلمانون نے باوجود قلتِ تعداد کے غنیم کو بھگا دیا لیکن عقب کے محافظ تیراندازون کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین پھر پیچھے سے یکایک ٹوٹ پڑے اس ناگہانی حملہ سے مسلمانون کے اوسان جاتے رہے، اسی حالت مین سرورِ کائناتؐ کو زخم لگا، دندانِ مبارک شہید ہوئے اور ایک خندق مین گر پڑے[3]، حضرت مصعب بن عمیرؓ نے کفار کو مرکزِ نبوت تک جانے سے روکا اور لڑتے لڑتے شہید ہوئے، اس کے بعد حیدرِ کرارؓ نے بڑھ کر علم کو سنبھالا اور بےجگری کے ساتھ دادِ شجاعت دی، ابوسعد بن ابی طلحہ مشرکین کے علمبردار نے مقابلہ کے لیے للکارا، شیرِ خدا کو کہان تاب تھی بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ فرشِ خاک پر تڑپنے لگا اور بدحواسی کے عالم مین بالکل برہنہ ہوگیا، حضرت علیؓ کو اس کی بےبسی اور بدحواسی پر رحم آگیا اور زندہ چھوڑ کر واپس آئے[4]،

غرض جب مشرکین کا زور کم ہوا تو حضرت علیؓ چند صحابہ کے ساتھ آنحضرت صلعم کو پہاڑ پر

---

[1] اس وقت شراب حرام نہین ہوئی تھی بخاری مین مفصل واقعہ مذکور ہے، [2] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۳، [3] بخاری باب غزوۂ احد، [4] سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۵۵۴،

لائے، حضرت فاطمہؓ نے زخم دھویا اور حضرت علیؓ نے ڈھال مین بھر بھر کر پانی گرایا اس سے خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہؓ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا[1]،

بنونضیر | غزوۂ احد کے بعد ۴ھ مین بنونضیر کو اُن کی بدعہدی کے باعث جلاوطن کیا گیا، حضرت علیؓ اسمین بھی پیش پیش تھے علم انہی کے ہاتھ مین تھا،

غزوۂ خندق | ۵ھ مین غزوۂ خندق پیش آیا، کفار کبھی کبھی خندق مین گھس گھس کر حملہ کرتے تھے ایک دفعہ سوارون نے حملہ کیا حضرت علیؓ نے چند جان بازون کے ساتھ بڑھ کر روکا، عمرو بن عبدِ وُد سوارون کے سردار نے کسی کو تنہا مقابلہ کیلیے بلایا، حضرت علیؓ نے بڑھکر اپنے کو پیش کیا، اُس نے کہا مین تمکو قتل کرنا نہین چاہتا، شیر خدا نے کہا لیکن مین تم کو قتل کرنا چاہتا ہون، وہ برہم ہوکر گھوڑے سے کود ا اور مقابلہ مین آیا، تھوڑی دیر تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد ذوالفقار حیدری نے اس کو داصل جہنم کیا، اس کا مقتول ہونا تھا کہ دوسرے سوار بھاگ کھڑے ہوئے[2]،

کفار بہت دنون تک خندق کا محاصرہ کیے رہے لیکن بالآخر مسلمانون کی پامردی اور استقلال کے آگے اُن کے پانون اکھڑ گئے، اس طرح یہ معرکہ بھی مجاہدین کرام کے ہاتھ رہا،

بنو قریظہ | غزوۂ خندق سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلعم نے بنو قریظہ کی طرف توجہ کی کیونکہ انھون نے باوجود معاہدہ کے قریش کا ساتھ دیا تھا اور تمام قبائل عرب کو مسلمانون کے خلاف بھڑکا دیا تھا اس مہم مین بھی علم حضرت علیؓ کے ہاتھ مین تھا اور انھون نے رسول اللہؐ کے عہد کے مطابق قلعہ پر قبضہ کرکے اسکے صحن مین عصر کی نماز ادا کی[3]،

---

[1] بخاری باب غزوۂ احد، [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۰، [3] زرقانی غزوۂ بنی قریظہ،

بنوسعد کی سرکوبی | سنہ ۶ھ مین آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا کہ بنوسعد یہود خیبر کی اعانت کیلیے مجتمع ہو رہے ہین اس لیے حضرت علیؓ کو ایک سو کی جمعیت کے ساتھ اس قبیلہ کی سرکوبی پر مامور کیا، انھون نے ماہ شعبان مین حملہ کرکے بنوسعد کو منتشر کر دیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریان مال غنیمت مین لائے[1]

صلح حدیبیہ | اسی سال یعنی سنہ ۶ھ مین رسول اللہ صلعم نے تقریباً چودہ ہزار صحابۂ کرام کے ساتھ زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا، مقام حدیبیہ پہونچکر معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ مزاحمت کرینگے، حضرت عثمانؓ سفیر بنا کر بھیجے گئے، مشرکین نے اُن کو روک رکھا، لیکن یہان یہ خبر مشہور ہوئی کہ وہ شہید کر دیے گئے اس لیے آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کے انتقام پر سب سے بیعت لی، حضرت علیؓ بھی اس بیعت مین شریک تھے، بعد کو جب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی تو مسلمانون کا جوش کسی قدر کم ہوا، اور طرفین سے مصالحت پر رضامندی ظاہر کی گئی حضرت علیؓ کو صلحنامہ لکھنے کا حکم ہوا انھون نے حسب دستور ہذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ کی عبارت سے عہدنامہ کی ابتدا کی، مشرکین نے "رسول اللہ" کے لفظ پر اعتراض کیا کہ اگر ہم کو رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، سرور کائناتؐ نے اس لفظ کو مٹا دینے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا اور عرض کی خدا کی قسم مین اس کو نہین مٹا سکتا، غرض آنحضرتؐ نے خود اپنے دست مبارک سے مٹا دیا اس کے بعد معاہدۂ صلح لکھا گیا اور اس سال زیارت کا ارادہ ملتوی کر کے مدینہ واپس تشریف لائے[2]

فتح خیبر | سنہ ۷ھ مین خیبر پر فوج کشی ہوئی یہان یہودیون نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنائے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا، پہلے حضرت ابوبکرؓ اور اُن کے بعد حضرت عمرؓ اسکی تسخیر پر مامور ہوئے

[1] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۷۰ [2] بخاری کتاب الصلح و زرقانی باب غزوۂ حدیبیہ

لیکن کامیابی نہ ہوئی، حضرت سرور کائنات نے فرمایا کل ایک ایسے بہادر کو علم دون گا جو خدا کا اور رسول کا محبوب ہے اور اس کا فتح ہونا اسی کے ہاتھ سے مقدر ہے صبح ہوئی تو ہر شخص متمنی تھا کہ کاش آج اس فخر و شرف کا تاج اس کے سر پہ ہوتا، لیکن یہ دولت گرانمایہ حیدر کرار کے لیے مقدر ہو چکی تھی صبح کو بڑے بڑے جان نثار اپنے نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعتہً آپ نے علی کا نام لیا، یہ آواز غیر متوقع تھی کیونکہ ممدوح آشوب چشم مین مبتلا تھے آنحضرت صلعم نے اُن کو بلا کر اُن کی آنکھون مین اپنا لعاب دہن لگایا اور شکایت فوراً جاتی رہی[1]

مرحب اسکے بعد علم مرحمت فرمایا، حضرت علیؓ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا مین لڑکر ان کو مسلمان بنا لون؟ فرمایا نہین، بلکہ پہلے اسلام پیش کرو، اور ان کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کرو، کیونکہ اگر تمھاری کوششون سے ایک شخص بھی مسلمان ہوگیا تو وہ تمھارے لیے بڑی سے بڑی نعمت سے بہتر ہے[2]،

لیکن یہودیون کی قسمت مین اسلام کی عزت کے بجاے شکست ذلت اور رسوائی لکھی تھی اس لیے اُنھون نے آنحضرت صلعم کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور ان کا معزز سردار مرحب نہایت جوش وخروش سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا،

قد علمت خیبر انی مرحب   شاکی السلاح بطل مجرب

خیبر مجھکو جانتا ہے کہ مین مرحب ہون   سلح پوش ہون بہادر ہون تجربہ کار ہون

اذا الحروب اقبلت تلھب

جبکہ لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے

فاتح خیبر اس متکبرانہ رجز کا جواب دیتے ہوے بڑھا،

[1] بخاری کتاب المغازی غزوۂ خیبر [2] ایضاً

انا الذی سمتنی امی حیدرہ کلیث غابات کریہ المنظرہ

اوفیھم بالصاع کیل السندرہ

اور جھپٹ کر ایک ہی وار مین اس کا کام تمام کردیا،[1]

اس کے بعد حیدر کرار نے بڑھ کر قلعہ پر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ اسکو سخر کرلیا

مہم مکہ رمضان ۸ھ مین مکہ پر فوج کشی کی تیاریان شروع ہوئین لیکن ابھی مجاہدین روانہ بھی نہ ہوے تھے کہ معلوم ہوا کہ ایک عورت غنیم کو یہان کے تمام حالات سے مطلع کرنے کے لیے روانہ ہوگئی ہے، آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ زبیر اور مقداد کو اس کی گرفتاری پر مامور کیا یہ تینون نہایت تیز گھوڑون پر سوار ہوکر اُس کے تعاقب مین روانہ ہوئے اور خاخ کے باغ مین گرفتار کرکے خط مانگا پہلے اس عورت نے لاعلمی ظاہر کی لیکن جب ان لوگون نے جامہ تلاشی کا ارادہ کیا تو اس نے حوالہ کردیا، اور یہ لوگ خط لیکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے، جب پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ خط مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے مشرکین مکہ کے نام بھیجا تھا، اور اسمین بعض مخفی حالات کی اطلاع تھی، آنحضرت صلعم نے حاطب بن ابی بلتعہ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اُنھون نے کہا کہ حضور فرد قرارداد جرم لگانے کے قبل اصل حالات سن لین، واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو قریش سے کوئی نسبی تعلق نہین ہے صرف اس کا حلیف ہون اور مکہ مین دوسرے مہاجرین کی قرابتین ہین جو فتح مکہ کے وقت اُن کے اہل وعیال کی حفاظت کرتے، مین نے اس خیال سے کہ اگر کوئی نازک وقت آئے تو میرے بچے بے یار ومددگار نہ رہ جائین یہ خط لکھا تھا، حاشا وکلا اس سے مخبری یا اسلام کے ساتھ دشمنی مقصود نہین تھی، آنحضرت صلعم نے اس عذر کو قبول فرمایا اور لوگون سے مخاطب ہوکر کہا کہ انھون نے سچ

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ مصر باب غزوہ ذی قرد وغیرہا،

بیان کیاہے، لیکن حضرت عمرؓ کی آتشِ غضب بھڑک چکی تھی اُنھون نے کہا یا رسول اللہ اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دون، آپ نے فرمایا کہ یہ بدری ہین اور تم کو معلوم نہین کہ بدریون کے تمام گناہ معاف ہین[1]،

غرض آنحضرت صلعم ۱۰ رمضان ۸ھ کو مدینہ روانہ ہوئے اور ایک مرتبہ پھر اُس محبوب سرزمین مین دس ہزار قدوسیون کے ساتھ فاتحانہ جاہ وجلال کے ساتھ داخل ہوئے، ایک علم حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ مین تھا اور وہ جوش کی حالت مین یہ رجز پڑھتے جاتے تھے

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ یعنی آج شدید جنگ کا دن ہے آج حرم مین خونریزی جائز ہے،

آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو فرمایا نہین آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ سعد بن عبادہؓ سے علم لیکر فوج کے ساتھ شہر مین داخل ہون چنانچہ وہ کدا کی جانب سے مکہ مین داخل ہوئے[2] اور مکہ بلا کسی خونریزی کے تسخیر ہوگیا، اور وہ وقت آگیا کہ خلیل بت شکن کی یادگار (خانۂ کعبہ) کو بتون کی آلائشون سے پاک کیا جائے جسکے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے، آنحضرت صلعم نے سب سے پہلے اس فریضہ کو ادا کیا اور خانۂ کعبہ کے گرد جسقدر بت تھے سب کو لکڑی سے ٹھکراتے جاتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے جاتے تھے، جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا، پھر خانۂ کعبہ کے اندر سے حضرت ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ کی مورتون کو الگ کروایا اور تطہیر کعبہ کے بعد اندر داخل ہوئے[3] لیکن چونکہ وحدت کدہ کا گوشہ گوشہ بتون کی مورتون سے اٹا ہوا تھا، اس لیے اُس کے اہتمام کے باوجود تانبے کا سب سے بڑا بت باقی رہ گیا، یہ لوہے کی سلاخ مین پیوست کیا ہوا زمین پر نصب تھا، اس لیے بہت بلندی پر تھا، پہلے آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کے کندھون پر چڑھکر اُس کے گرانے کی کوشش کی لیکن وہ جسم اطہر کا

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح [3] ایضاً

بار برداشت نہ کر سکے، اس لیے حضور پُر نور ؐنے ان کو شانۂ اقدس پر چڑھا کر اُس کے گرانے کا حکم دیا، اور اُنھون نے سلاخ سے اکھاڑ کر حسب ارشاد نبوی پاش پاش کر ڈالا اور اس طریقہ پر خانۂ کعبہ کی تطہیر کامل ہو گئی۔[1]

ایک غلطی کی تلافی | فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلعم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بنو جذیمہ مین تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا اُنھون نے توحید کی دعوت دی تو وہ اپنی بدویت اور جہالت کے باعث "اسلمنا" کا لفظ اچھی طرح ادا نہ کر سکے اور صبانا، صبانا کہنے لگے حضرت خالدؓ نے غضبناک ہو کر سب کو قید کر لیا اور بہتون کو قتل کر ڈالا آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو نہایت متاثر ہوئے اور حضرت علیؓ کو اس غلطی کی تلافی کے لیے روانہ فرمایا، اُنھون نے پہونچ کر تمام قیدیون کو آزاد کرا دیا اور مقتولین کے معاوضہ مین خونبہا دیا۔[2]

غزوۂ حنین | فتح مکہ سے فرصت ہوئی تو اسی سال غزوۂ حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا، پہلے مسلمانون کی فتح ہوئی لیکن جب مالِ غنیمت لوٹنے مین مصروف ہوئے تو شکست خوردہ غنیم نے غافل دیکھ کر پھر اچانک حملہ کر دیا، مجاہدین اس ناگہانی مصیبت سے ایسے پریشان ہوے کہ بارہ ہزار نفوس مین سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے، حضرت علیؓ اس جنگ مین نہ صرف پامردی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے بلکہ انھون نے اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سنبھال لیا اور غنیم کے امیر عسکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا، دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے وہ اس بے جگری کے ساتھ لڑے کہ ابتری اور پریشانی کے

---

[1] حاکم نے مستدرک مین اس واقعہ کو بتفصیل نقل کیا ہو لیکن فتح مکہ کے بجائے شب ہجرت کی طرف منسوب کیا ہی لیکن اسکے علاوہ دوسرے محدثین اور ارباب سیر نے فتح مکہ مین لکھا ہے اور یہی صحیح اور قرین عقل ہو، ہجرت کی ایسی نازک رات مین جبکہ جان خطرہ مین تھی ایسے بڑے اور خطرناک کام کا انجام دینا بعید از قیاس ہو، دوسرے مکہ کی زندگی مین بت شکنی کا کوئی واقعہ نہین ہوا[2] فتح الباری جزء ۸ صفحہ ۴۶،

باوجود دشمن کو شکست دیدی[1]،

اہلبیت کی حفاظت | ۹ سنہ ہجری مین آنحضرتؐ نے تبوک کا قصد کیا اور حضرت علیؓ کو اہلبیت کی حفاظت کیلئے مدینہ مین رہنے کا حکم دیا، شیرِ خدا کو شرکتِ جہاد سے محرومی کا غم تو تھا ہی اسپر منافقین کی طعنہ زنی نے اور بھی بددل کر دیا، سرورِ کائناتؐ کو اُن کی افسردگی کا حال معلوم ہوا تو ان کا غم غلط کرنے کے لیے فرمایا علیؓ! کیا تم اسے پسند نہین کرتے کہ میرے نزدیک تمھارا وہ رتبہ ہو جو ہارون کا موسیٰ کے نزدیک تھا[1]،

تبلیغ فرمان | غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیرِ حج بنا کر مکہ کی طرف روانہ فرمایا، اسی اثنا مین سورۂ برائت نازل ہوئی، لوگون نے کہا کہ اگر یہ سورہ ابوبکرؓ کے ساتھ حج کے موقع پر لوگون کو سنانے کے لیے بھیجدی جاتی تو اچھا ہوتا، سرورِ کائناتؐ نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا کر حکم دیا کہ اس سورہ کو مکہ جا کر سنائین، اور عام اعلان کر دین کہ کوئی کافر جنت مین داخل نہ ہوگا، نہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرے، نہ کوئی شخص برہنہ خانۂ کعبہ کا طواف کرے اور جسکا رسول اللہ صلعم سے کوئی عہد ہے وہ مدت معینہ تک باقی رہیگا[2]،

مہم یمن اور اشاعتِ اسلام | اس مہم پر پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ مامور ہوئے لیکن چھ مہینے کی مسلسل جدوجہد کے باوجود اشاعتِ اسلام مین کامیاب نہ ہو سکے، اس لیے رمضان ۱۰ سنہ ہجری مین آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو بلا کر یمن جانے کا حکم دیا، انھون نے عرض کیا یا رسول اللہ! مین ایک ایسی قوم مین بھیجا جاتا ہون جسمین مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہین ان لوگون کے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۶۷ و مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۰۹ [2] بخاری کتاب المناقب مناقب علیؓ

[2] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۴۲، ۳۴۳،

جھگڑوں کا فیصل کرنا میرے لیے نہایت دشوار کام ہوگا، سرورِ کائنات نے ان کے سینہ پر دستِ مبارک رکھ کر دعا فرمائی اے خدا! اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور کر، اس کے بعد خود اپنے دستِ اقدس سے ان کے فرقِ مبارک پر عمامہ باندھا اور سیاہ علم دے کر یمن کی طرف روانہ فرمایا[1]،

حضرت علیؓ کا یمن پہونچنا تھا کہ ایک انقلاب عظیم برپا ہوگیا، جو لوگ حضرت خالدؓ کی ششماہی سعی و کوشش سے بھی اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھے تھے وہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی صرف چند روزہ تعلیم و تلقین سے اسلام کے شیدائی ہوگئے اور قبیلۂ ہمدان مسلمان ہوگیا[2]،

حجۃ الوداع میں شرکت | اسی سال یعنی سنہ ۱۰ھ میں آنحضرتؐ نے آخری حج کیا، حضرت علیؓ بھی یمن سے آکر شریک ہوئے،

صدمۂ جانکاہ | حجۃ الوداع سے واپس آنے کے ابتدائی ماہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں آنحضرت صلعم بیمار ہوئے، اثنائے علالت میں حضرت علیؓ نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ تیمارداری اور خدمتگذاری کا فرض انجام دیتے رہتے، ایک روز باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا کہ اب حضورِ انورؐ کا مزاج کیسا ہے؟ حضرت علیؓ نے اطمینان ظاہر کیا، حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا خدا کی قسم میں موت کے وقت خاندانِ عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں آؤ چلو رسول اللہ سے عرض کریں کہ ہمارے لیے خلافت کی وصیت کر جائیں، حضرت علیؓ نے کہا میں نہیں عرض کروں گا اگر خدا کی قسم آنحضرت صلعم نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی اُمید باقی نہیں رہیگی[3]،

غرض دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت سرورِ دو عالمؐ نے جان نثاروں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا، حضرت علیؓ پر اس

[1] زرقانی ج ۳ ص ۱۲۲ [2] فتح الباری ج ۸ ص ۱۵۲ [3] صحیح بخاری باب مرض النبی صلعم

حادثۂ جانکاہ کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت سقیفۂ بنو ساعدہ کی مجلس حل وعقد خلافت وحکومت کا فیصلہ کر رہی تھی اس وقت بھی یہ غمزدہ اپنے محبوب آقا کی عزاداری مین مصروف تھا،

حضرت علیؓ چونکہ رسالتماب صلعم کے عزیز قریب اور خاندان کے رکن رکین تھے اسلیے غسل اور تجہیز وتکفین کے تمام مراسم انھین کے ہاتھ سے انجام پائے[1]، انصار اور مہاجرین دروازہ کے باہر کھڑے تھے، ایک روایت مین ہے کہ ایک انصاری کو بھی اس مین شرکت کا شرف حاصل ہوا،

خلیفۂ اول کی بیعت اور توقف کی وجہ

سقیفۂ بنو ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق کیا اور تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کی، البتہ صحیح روایات کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چھ مہینے تک دیر کی اور لوگون نے اس توقف کیلیے عجیب وغریب وجوہ اختراع کرلیے ہین لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی سوگوار زندگی نے اُن کو بالکل خانہ نشین بنا دیا تھا اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے وہ صرف ان کی تسلی ودلدہی اور قرآن شریف کے جمع کرنے مین مصروف تھے، جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوگیا اس وقت اُنھون نے خود حضرت ابو بکرؓ سے اُن کے فضل کا اعتراف کیا اور بیعت کرلی[2]

سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وفات پائی اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات مین حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہین کرتے تھے اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتے تھے، نہاوند کے معرکہ مین اُن کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا تھا لیکن اُنھون نے منظور نہین کیا، بیت المقدس گئے

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۱۱ [2] بخاری غزوۂ خیبر،

تو کاروبارِ خلافت انھین کے ہاتھ مین دیکر گئے[1] اتحاد و یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ باہم رشتۂ مصاہرت قائم ہوگیا، یعنی حضرت علیؓ کی کمسن صاحبزادی حضرت عمرؓ کے نکاح مین آئین۔

فاروق اعظمؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت مین فتنہ و فساد شروع ہوا تو حضرت علیؓ نے اس کے رفع کرنے کے لیے اُن کو نہایت مخلصانہ مشورہ دیے، ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے اُن سے پوچھا کہ ملک مین موجودہ شورش و ہنگامہ کی حقیقی وجہ کیا ہے؟ اور اُسکے رفع کرنے کی کیا صورت ہے؟ انھون نے نہایت خلوص اور آزادی سے ظاہر کردیا کہ موجودہ بے چینی تمامتر آپ کے عمال کی بے اعتدالیون کا نتیجہ ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ مین نے عمال کے انتخاب مین انھین صفات کو ملحوظ رکھا ہے جو فاروق اعظمؓ کے پیشِ نظر تھے، پھر ان سے عام بیزاری کی کوئی وجہ سمجھ مین نہین آتی؛ جناب علی مرتضیٰؓ نے فرمایا ہان! یہ صحیح ہے لیکن عمرؓ نے سب کی نکیل اپنے ہاتھ مین رکھی تھی اور گرفت ایسی سخت تھی کہ عرب کا سرکش سے سرکش اونٹ بھی بلبلا اُٹھا، برخلاف اسکے آپ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہین، آپ کے عمال اس نرمی سے فائدہ اُٹھا کر من مانی کارروائیان کرتے ہین اور آپ کو خبر بھی نہین ہونے پاتی، رعایا سمجھتی ہے کہ عمال جو کچھ کرتے ہین وہ سب دربارِ خلافت کے احکام کی تعمیل ہے، اس طرح تمام بے اعتدالیون کا ہدف آپ کو بننا پڑتا ہے[2]،

سب سے آخر مین مصری وفد کا معاملہ پیش آیا حضرت عثمانؓ نے اُن سے اصرار کیا کہ اپنی وساطت سے اس جھگڑے کا تصفیہ کرادین اور انقلاب پسند جماعت کو راضی کرکے واپس کردین، پہلے تو اُنھون نے انکار کیا، لیکن پھر معاملہ کی اہمیت اور حضرت عثمانؓ کے اصرار سے مجبور ہوکر وساطت قبول کی اور اصلاحات کا وعدہ لیکر انقلاب پسندون کو اپنی

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۰۶ و طبری فتح بیت المقدس [2] تاریخ طبری ص ۲۹۳۰،

ذمہ داری پر واپس کیا[1] مصری وفد کے ارکان ابھی راہ ہی مین تھے کہ ان کو سرکاری قاصد کی تلاشی سے ایک فرمان ہاتھ آیا جسمین حاکم مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ اس وفد کے تمام سرکار کو تہ تیغ کردیا جائے، مصری اس غداری سے غضبناک ہوکر پھر مدینہ واپس آئے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت مین حاضر ہوکر عرض کی کہ ایک طرف تو آپ نے ہم کو اصلاحات کا اطمینان دلا کر واپس کیا اور دوسری طرف سے دربارِ خلافت کا یہ غدارانہ فرمان جاری ہوا، حضرت علیؓ نے فرمان دیکھا تو سخت متعجب ہوئے، اور حضرت عثمانؓ کے پاس آکر اس کی حقیقت دریافت کی، اُنھون نے اس فرمان کے متعلق حیرت کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کی، حضرت علیؓ نے کہا مجھے بھی آپ سے ایسی توقع نہین ہوسکتی، لیکن اب مین آئندہ کسی معاملہ مین مداخلت نہین کرون گا، چنانچہ وہ اس کے بعد بالکل عزلت نشین ہوگئے،

مصریون نے جوشِ انتقام مین نہایت سختی کے ساتھ کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کرلیا اور آخر مین یہان تک شدت اختیار کی کہ آب ودانہ سے بھی محروم کردیا، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو عزلت گزینی اور خلوت نشینی کے باوجود محاصرہ کرنے والون کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم لوگون نے جس قسم کا محاصرہ قائم کیا ہے وہ نہ صرف اسلام بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے، کفار بھی مسلمانون کو قید کرلیتے ہین تو آب ودانہ سے محروم نہین کرتے، اس شخص نے تمھارا کیا نقصان کیا ہے جو ایسی سختی روا رکھتے ہو؟ محاصرین نے حضرت علیؓ کی سفارش کی کچھ پروا نہ کی اور محاصرہ مین سہولت پیدا کرنے سے قطعی انکار کردیا، حضرت علیؓ کو ناگوار تو ہوا لیکن کیا کرتے غصہ مین اپنا عمامہ پھینک کر واپس چلے آئے،[2]

---

[1] ابن اثیر ج ۳ صفحہ ۱۲۹، [2] طبری ص ۳۰۱۰

محاصرہ اگرچہ نہایت سخت تھا تاہم حضرت علیؓ کو اس کا وہم بھی نہ تھا کہ یہ معاملہ اس قدر طول کھینچے گا، کہ شہادت تک نوبت پہونچے گی، وہ سمجھے کہ جسطرح اس عہد مین حقوق طلبی کے متواتر مظاہرے ہوتے رہے ہین یہ بھی اسی قسم کا ایک سخت مظاہرہ ہے، تاہم اپنے دونون صاحبزادون کو احتیاطاً حفاظت کے لیے بھیجدیا، جنھون نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی، یہان تک کہ اسی کشمکش مین زخمی ہوئے لیکن کثیر التعداد مفسدین کا روکنا آسان نہ تھا وہ دوسری طرف سے دیوار پر چڑھکر اندر گھس آئے اور خلیفۂ وقت کو شہید کرڈالا، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو اس سانحۂ جانکاہ پر حد درجہ متاسف ہوئے اور جو لوگ محافظت پر مامور تھے اُن پر سخت خفگی ظاہر کی، حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو طمانچہ مارا، محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو بُرا بھلا کہا، کہ تم لوگون کی موجودگی مین یہ واقعہ کس طرح پیش آیا،

بیعت خلافت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی، اس عرصہ مین لوگون نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لیے سخت اصرار کیا، انھون نے پہلے اس بارِگران کے اُٹھانے سے انکار کردیا، لیکن آخرین مہاجرین وانصار کے اصرار سے مجبور ہوکر اس بارِعظیم کو اُٹھانا پڑا[1]، غرض واقعۂ شہادت کے تیسرے دن ۲۱ ذی الحجہ، دوشنبہ کے دن مسجد نبوی مین جناب مرتضےٰؓ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئی،

مسند نشینِ خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلا کام حضرت عثمانؓ کے قاتلون کا پتہ چلانا اور اُن کو سزا دینا تھا، لیکن دقت یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف اُن کی بیوی نائلہ بنت الفرافصہ موجود تھین، اور وہ اس کے سوا کچھ نہین بتاسکین کہ محمد بن ابی بکرؓ دو آدمیون کے

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۵۳،

ساتھ جنکو وہ پہلے سے پہچانتی نہین تھین اندر آئے، حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کو پکڑا تو اُنھون نے قسم کھا کر اپنی برءت ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادہ سے ضرور داخل ہوے تھے لیکن حضرت عثمانؓ کے ایک جملہ سے محجوب ہوکر پیچھے ہٹ آئے، البتہ ان دونون نابکارون نے بڑھ کر حملہ کیا جن کو وہ بھی نہین جانتے کہ کون تھے؟ حضرت نائلہؓ نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ محمد بن ابی بکرؓ شریک قتل نہ تھے، غرض تحقیق وتفتیش کے باوجود قاتلون کا پتہ نہ چلا، تاریخ کی کتابون مین قاتلون کے مختلف نام مذکور ہین لیکن وہ عدالت مین شہادت کی قانونی حیثیت سے ثابت نہین کیے جاسکتے تھے،

مقدمۂ قتل سے فارغ ہونے کے بعد ملکی نظم ونسق کی طرف متوجہ ہوئے اور تمام عمال عثمانی کی معزولی کا فرمان جاری کرکے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا عامل مقرر کیا، عمارہ بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی،

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو یمن کی ولایت پر مامور کیا، اور سہل کو حکومتِ شام کا فرمان دیکر روانہ کیا، سہل تبوک کے قریب پہونچے تو امیر معاویہ کے سوارون نے اُن کو مدینہ واپس جانے پر مجبور کیا، چنانچہ یہ پہلا واقعہ تھا جس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ اُن کی خلافت جھگڑون سے پاک نہین ہے،

حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کو لکھا کہ مہاجرین وانصار نے اتفاق عام کے ساتھ میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس لیے یا تو میری اطاعت کرو، یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، امیر معاویہ نے اپنے خاص قاصد کی معرفت جواب بھیجا اور خط مین صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد مکتوب الیہ کا اور اپنا نام لکھا، لیکن قاصد نہایت طرار اور زبان آور تھا اس نے کھڑے ہوکر کہا صاحبو! مین نے شام مین پچاس ہزار شیوخ کو اس حال مین چھوڑا ہے کہ

عثمان کی خون آلود قمیص پر اُن کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور اُنھوں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک اس خون ناحق کا قصاص نہیں لیا جائیگا اسوقت تک اُنکی تلواریں بے نیام رہیں گی" قاصد نے اپنی تقریر ختم کی تو خالد بن زفر عبسی نے کھڑے ہو کر کہا "تمھارا بُرا ہو! کیا تم مہاجرین و انصار کو شامیوں سے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم نہ تو قمیص عثمان قمیص یوسف ہے، اور نہ معاویہ کو یعقوب کی طرح غم ہے، اگر شام میں اس کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے تو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل عراق اسکی کچھ پروا نہیں کرتے"

حضرت عائشہؓ کی قصاص پر آمادگی

امیر معاویہ کے مناقشات کا ابھی کچھ فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ ایک دوسرا قضیہ نامرضیہ پیدا ہو گیا، یعنی حضرت عائشہؓ مکہ سے مدینہ واپس ہو رہی تھیں راستہ میں اُن کے ایک عزیز ملے، اُن سے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ شہید کر دیے گئے اور علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے لیکن ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے، یہ خبر سن کر پھر مکہ واپس ہو گئیں، لوگوں نے واپسی کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ عثمان مظلوم شہید کر دیے گئے، اور فتنہ دبتا ہوا نظر نہیں آتا، اس لیے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائگاں نہ جانے دو، اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ[1] حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں فتنہ و فساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی حضرت علیؓ سے اجازت لیکر مکہ چلے گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے اُن سے بھی وہاں کے حالات دریافت کیے، انھوں نے وہاں کے شور و غوغا کی داستان سنائی، اس سے حضرت عائشہؓ کے ارادوں میں اور تقویت ہو گئی، اور خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی،

حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعض سیاسی

[1] طبری ص ۳۰۹۸

شام نے عام طور پر ملک میں بدظنی پیدا کر دی تھی حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا، اُن کے اعداء کو اپنا معاون و انصار بنانا اور مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ تمام عمال و حکام کو برطرف کر دینا لوگوں کے بدظن کر دینے کے لیے نہایت کافی تھا، چنانچہ انھیں بدگمانیوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کو بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص پر آمادہ کر دیا

قصاص کی تیاریاں شروع ہوئیں، عبداللہ بن عامر حضرمی والی مکہ، مروان بن حکم، سعید بن العاص، اور دوسرے بنوامیہ نے جو مدینہ سے مفرور ہو کر مکہ میں پناہ گزین تھے نہایت جوش کے ساتھ اس تحریک کو پھیلایا اور ایک معتدبہ جمعیت فراہم کر کے اس خیال سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے کہ پہلے بیت المال پر قبضہ کر کے مالی مشکلات میں سہولت پیدا کریں، پھر بصرہ، کوفہ اور عراق کی دوسری نوآبادیوں میں اس تحریک کی اشاعت کر کے لوگوں کو اپنا ہم آہنگ بنائیں،

سفرِ عراق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو اس خیال سے عراق کا قصد کیا کہ وہاں مخالفین سے پہلے پہونچکر بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں، اور اہل عراق کو وفاداری کا سبق دیں، انصارِ کرام کو اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت عقبہ بن عامر نے جو بڑے پایہ کے صحابی اور غزوۂ بدر میں سرورِ کائنات صلعم کے ہمرکاب تھے، اس جماعت کی طرف سے قائم مقام ہو کر گذارش کی کہ دارالخلافہ چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے عمر فاروقؓ کے عہد میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں لیکن انھوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا اگر اُس وقت خالدؓ ابو عبیدہؓ سعد وقاصؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ نے شام و ایران کو تہ و بالا کر دیا تھا، تو اس وقت بھی ایسے جانبازوں کی کمی نہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں! یہ صحیح ہے لیکن عراق پر مخالفین کے تسلط سے

نہایت دشواری پیش آئے گی، وہ اس وقت مسلمانون کی بہت بڑی نوآبادی ہے وہان کے بیت المال بھی مال و زر سے پُر ہین اس لیے میرا وہان موجود رہنا نہایت ضروری ہے، غرض مدینہ مین عام منادی ہوئی کہ لوگ سفر عراق کے لیے تیار ہو جائین اور چند ممتاز صحابہ کے سوا تقریباً تمام اہل مدینہ ہمرکاب ہوئے جب یہ عظیم الشان جمعیت مقام ذی قار مین پہونچی تو معلوم ہوا کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سبقت کر کے بصرہ پہونچ گئے ہین اور بنو سعد کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والون نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے،

حضرت امام حسنؓ کا سفر کوفہ

حضرت علیؓ نے ذی قار مین قیام کر کے حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ لوگون کو مرکز خلافت کی اعانت پر آمادہ کرین حضرت امام حسنؓ جس وقت کوفہ پہونچے حضرت ابو موسی اشعریؓ والی کوفہ مسجد مین ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ سرور کائنات صلعم نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے اس لیے ہتھیار بیکار کر دو اور بالکل عزلت نشین ہو جاؤ، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ فتنہ و فساد کے وقت سونے والا، بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے" اس اثنا رمین حضرت امام حسنؓ مسجد مین داخل ہوے اور حضرت ابو موسی اشعریؓ سے کہا "تم ابھی ہماری مسجد سے نکلو اور جہان جی چاہے چلے جاؤ" اس کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر لوگون کو امیر المومنین کی ساعدت پر آمادہ کیا، حجر بن عدی کندیؓ جو کوفہ کے نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے، حضرت امام حسنؓ کی تائید کی اور کہا صاحبو! امیر المومنین نے خود اپنے صاحبزادہ کو بھیجکر تمھین دعوت دی ہے اس دعوت کو قبول کرو، اور علم حیدری کے نیچے مجتمع ہو کر فتنہ و فساد کی آگ سرد کر دو مین خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہون" غرض حضرت امام حسنؓ اور حجر بن عدی کی تقریرون نے لوگون کے دل ہلا دیے، ہر طرف سے امیر المومنین

کی اطاعت و فرمان برداری کی صدائیں بلند ہوئیں اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً
ساڑھے نو ہزار جان بازوں کی ایک فوج مسلح ہو کر حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہوئی
اور مقام ذی قار میں امیر المومنین کی فوج سے مل گئی، جناب امیر نے اپنی کل فوج کو نئے سرے
سے ترتیب دیکر بصرہ کا رُخ کیا، اسوقت بصرہ کا یہ حال تھا کہ وہ تین گروہوں میں منقسم تھا، ایک
خاموش و ناطرفدار جماعت، دوسرا حضرت علیؓ کا طرفدار، اور تیسرا حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ
وغیرہ کا حامی، درمیانی گروہ مصالحت کے لیے سخت کوشش اور جد و جہد کر رہا تھا، ہر فریق
میں سے نیک نیت لوگ اس کی تائید میں تھے، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں چاہتے
تھے کہ جنگ تک نوبت آنے سے پہلے اختلافات دور ہو جائیں، صلح کی گفتگو ترقی پر تھی اور فریقین
جنگ کے تمام احتمالات دلوں سے دور کر چکے تھے، رات کے سناٹے میں ہر فریق آرام کی نیند
سو رہا تھا، دونوں فریقوں میں کچھ ایسے عناصر شامل تھے جن کے نزدیک یہ مصالحت اُن کے
حق میں سم قاتل تھی، حضرت علیؓ کی فوج میں سبائی انجمن کے ارکان اور حضرت عثمانؓ کے
قاتلوں کا گروہ شامل تھا، اور حضرت عائشہؓ کی طرف کچھ اموی تھے، حضرت عثمانؓ کے قاتل
اور سبائی یہ سمجھے کہ اگر یہ مصالحت کامیاب ہو گئی تو ان کی خیر نہیں، اس لیے اُنھوں نے
رات کی تاریکی میں حضرت عائشہؓ کی فوج پر شبخون مارا، گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھا کہ
دوسرے فریق نے دھوکا دیا، اور ایک دوسرے پر حملہ شروع کر دیا، حضرت عائشہؓ
اونٹ پر آہنی ہودہ رکھوا کر اس لیے سوار ہوئیں کہ وہ اپنی فوج کو اس حملہ سے روک سکیں،
حضرت علیؓ نے بھی اپنے سپاہیوں کو روکا مگر جو فتنہ پھیل چکا تھا وہ کب رُک سکتا تھا، ام المومنین
حضرت عائشہؓ کی وجہ سے ان کی فوج میں غیر معمولی جوش و خروش تھا، قلب فوج میں ان کا
ہودج تھا۔ محمد بن طلحہؓ سواروں کے افسر تھے، عبداللہ بن زبیرؓ پیادہ فوج کی سربراہی پر مامور تھے

اور حضرت طلحہؓ و زبیر کل فوج کی نگرانی کر رہے تھے،

جنگِ جمل

اس جوش وخروش اور نعرۂ جنگ کی ہاہمی کے ساتھ دونوں طرف کے سرآوردہ اپنی اپنی حالت پر غور کر رہے تھے، اسی اثناء میں حضرت علیؓ گھوڑا بڑھا کر بیچ میدان میں آئے، اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا "ابو عبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلعم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم علی کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے عرض کی تھی ہاں! یا رسول اللہ! یاد کرو اُس وقت تم سے حضور انورؐ نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے" حضرت زبیرؓ نے جواب دیا "ہاں! اب مجھے بھی یاد آیا"[1]۔

حضرت زبیرؓ کو رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئی یاد آئی تو انھوں نے اپنی غلطی محسوس کر کے عہد کر لیا کہ اب لڑائی میں حصہ نہ لیں گے اور اپنے صاحبزادہ عبداللہ سے فرمایا جانِ پدر علی نے ایسی بات یاد دلائی کہ جنگ کا تمام جوش فرو ہو گیا، بیشک ہم حق پر نہیں ہیں میں اب جنگ سے منہ موڑتا ہوں اور تم بھی میرا ساتھ دو، حضرت عبداللہؓ نے انکار کیا تو وہ تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے اسباب و سامان لیکر کسی طرف نکل جائیں حضرت طلحہؓ نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہوا، مروان بن حکم کو معلوم ہوا کہ یہ بھی جانا چاہتے ہیں تو اس نے ایک ایسا تاک کر تیر مارا جو گھٹنے میں ترازو ہو گیا، تیر زہر میں بجھا تھا جس نے اُن کا کام کر دیا، غرض میدان جنگ میں صرف ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ان کے جان نثار فرزند رہ گئے، جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی، دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی، ام المومنین زرہ پوش ہودج میں بیٹھی تھیں اب حالت یہ تھی کہ سبائی ان کو قصداً گرفتار کرنا چاہتے تھے، اور گستاخی کے ساتھ پیش آنا چاہتے تھے، اور حضرت عائشہؓ کے وفادار بیٹوں میں بنو ضبہ اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پر لاشیں گرا رہے تھے، بکر بن وائل

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۲

ازد اور بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ مین لیکر اس جوش ثبات اور وارفتگی کے ساتھ لڑے کہ خود حیدرِ کرار کو حیرت تھی عبداللہ بن زبیرؓ اونٹ کی نکیل پکڑے تھے، وہ زخمی ہوکر گرے تو دوسرے نے بڑھ کر پکڑلی، وہ مارا گیا تو تیسرے نے بڑھ کر اس کی جگہ لی غرض باری باری ستر آدمیون نے اسی طرح حیرت انگیز جانبازی کے ساتھ اپنے کو قربان کردیا[1] لیکن پھر بھی ہمت واستقلال مین فرق نہ آیا، بصرہ کا شہسوار عمرو بن یجرہ اس جوش سے لڑ رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی فوج کا جو شخص اس کے سامنے پہونچ جاتا تھا، مارا جاتا تھا، وہ اسوقت وارفتگی کے ساتھ یہ رجز پڑھ رہا تھا،

یا امنا یا خیر ام نعلم　　　والام تغذ وولدھا وترحم

اے ہماری بہترین مان، اور مان بچون کو کھلاتی ہے اوران پر رحم کرتی ہے،

الا ترین کم جواد تکلم　　　وتختلی ھامتہ والمعصم

کیا تو نہین دیکھتی کہ کتنے گھوڑے زخمی کیے جاتے ہین اور سکی کھوپڑی اور کلائی کاٹی جاتی ہے،

آخر کار حضرت علیؓ کی طرف سے مشہور شہسوار حارث بن زبیر ازدی نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا اور تھوڑی دیر تک تیغ وسنان کے ردو بدل کے بعد دونون ایک دوسرے کے وار سے کٹ کر ڈھیر ہوگئے،

اونٹ کے سامنے بنو ضبہ حیرت انگیز شجاعت وثبات کے ساتھ سدِ سکندری بنکر دشمنون کو روکے کھڑے تھے اور جب تک ایک شخص بھی زندہ رہا اُس نے پشت نہین پھیری، اسوقت یہ رجز ان کی زبان پر تھا[2]،

[1] طبری صفحہ ۳۱۸۶ و مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۳۶۶،

[2] طبری صفحہ ۳۲۰۰،

الموت احلی عندنا من العسل	نحن بنو ضبة اصحاب الجمل
موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیرین ہے	ہم ضبہ کی اولاد، اونٹ کے محافظ ہیں
نحن بنو الموت اذا الموت نزل	ننعی ابن عفان باطراف الاسل
ہم موت کے بیٹے ہیں جب موت اترے	ہم عثمان بن عفان کی موت کی خبر نیزون کی نوک سے پھیلاتے ہیں،

ردوا علینا شیخنا ثم بجل

ہمارے سردار کو ہم کو واپس کردو تو پھر کچھ نہیں،

حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک یہ اونٹ بٹھایا نہ جائیگا مسلمانون کی ناحق خونریزی رُک نہین سکتی، اس لیے آپ کے اشارہ سے ایک شخص نے پیچھے سے جاکر اونٹ کے پاؤن پر تلوار ماری، اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا، حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، جناب امیرؓ نے ان کو حکم دیا کہ اپنی ہمشیرہ محترمہ کی خبرگیری کرین اور عام منادی کردی کہ بھاگنے والون کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیون پر گھوڑے نہ دوڑائے جائین، مال غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈال دے وہ مامون ہے، پھر خود ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس حاضر ہو کر مزاج پرسی کی اور بصرہ مین چند دنون تک آرام وآسائش کا موقع دینے کے بعد محمد بن ابی بکرؓ کے ہمراہ عزت واحترام کے ساتھ مدینہ بھیجدیا، بصرہ کی چالیس شریف ومعزز خواتین جلوس مین تھین، حضرت علیؓ رخصت کرنے کے لیے چند میل تک خود ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادون کو مشایعت کے لیے بھیجا، حضرت عائشہؓ نے رخصت ہوتے وقت لوگون سے فرمایا کہ میرے بچو! ہماری باہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، ورنہ مجھ سے علیؓ سے پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا، حضرت علیؓ نے موزون الفاظ مین تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ آنحضرتؐ کی حرم محترم اور ہماری مان ہین، ان کی تعظیم وتوقیر ضروری ہے، غرض پہلی رجب ۳۶ھ ہجری

سینچر کے روز مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں،

بصرہ میں چند روزہ قیام کے بعد حضرت علیؓ نے کوفہ کا عزم کیا اور ۱۲ رجب ۳۶ھ دوشنبہ کے روز داخل شہر ہوئے، اہل کوفہ نے قصر امارت میں مہمان نوازی کا سامان کیا لیکن زہد وقناعت کے شہنشاہ نے اسمین فروکش ہونے سے انکار کیا اور فرمایا کہ عمر بن خطابؓ نے ہمیشہ ان عالیشان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہین، میدان میرے لیے بس ہے، غرض میدان مین طرح اقامت ڈالی، پھر مسجد اعظم مین داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور جمعہ کے روز ایک نہایت مؤثر خطبہ دیکر لوگون کو اتقا و پرہیز گاری اور وفا شعاری کی ہدایت کی،

حضرت علیؓ نے مدینہ منورہ چھوڑ کر کوفہ مین مستقل اقامت اختیار کی، اور دار الحکومت حجاز سے عراق کو منتقل ہو گیا، دار الحکومت کی اس تبدیلی کے وجوہ کے متعلق لوگون نے مختلف باتین بیان کی ہین، مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے فتنۂ قتل نے حرم نبوی کی جو توہین کی، وہ ایسا دردناک منظر تھا، جس نے علی مرتضیٰؓ کو مجبور کیا کہ وہ آئندہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو علمی اور مذہبی مرکز سے علحدہ کردین، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ مین حضرت علیؓ کے طرفدارون اور حامیون کی اس وقت سب سے بڑی تعداد تھی، بہرحال حضرت علیؓ نے کوفہ مین قیام فرما کر ملک کا از سر نو نظم ونسق شروع کیا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو بصرہ کی ولایت سپرد کی، مدائن پر یزید بن قیس، اصفہان پر محمد بن سلیم، کسکر پر قدامہ بن عجلان ازدی، سجستان پر ربعی ابن کاس اور تمام خراسان پر خلید بن کاس کو مامور کرکے بھیجا، خلید جب خراسان پہونچے تو خبر ملی کہ خاندان کسریٰ کی ایک لڑکی نے نیشاپور پہونچکر بغاوت کرادی ہے، چنانچہ اُنھون نے نیشاپور پر فوج کشی کرکے بغاوت فرو کی اور اس لڑکی کو بارگاہِ خلافت مین

بھیجدیا، جناب امیرؓ نے اُس کے ساتھ نہایت لطف وکرم کا برتاؤ کیا اور اُس سے فرمایا کہ اگر پسند کرے تو اپنے فرزند اکبر امام حسن (علیہ السلام) سے نکاح کردون اُس نے گذارش کی کہ وہ ایسے شخص سے بیاہ کرنا نہین چاہتی جو ابھی خود مختار نہو، البتہ خود جناب امیرؓ اپنے عقدِ نکاح سے مشرف فرمائین تو بطیب خاطر حاضر ہون، حضرت علیؓ نے انکار کیا اور اُسے آزاد کردیا کہ جہان جی چاہے رہے اور جس سے چاہے بیاہ کرے'

جزیرہ، موصل اور شام کے متصلہ علاقون پر اشتر نخعی کو مامور کیا، اشتر نے بڑھکر شام کے بعض علاقون پر بھی قبضہ کرلیا، لیکن امیر معاویہ کے عامل ضحاک بن قیس نے حران اور رقہ کے درمیان فوجی قوت سے مقابلہ کرکے اشتر کو پھر موصل واپس جانے پر مجبور کیا، اشتر نے موصل مین قیام کرکے شامی فوج سے مستقل چھیڑچھاڑ شروع کردی اور اس سیلاب کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا،

صلح کی دعوت | اگرچہ یہ معلوم تھا کہ امیر معاویہ مصالحت کے ساتھ خلافت تسلیم نہین کرینگے، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک دفعہ پھر صلح کی دعوت دی' اور جریر بن عبداللہؓ کو قاصد بنا کر بھیجا، جریر ایسے وقت امیر معاویہ کے پاس پہونچے کہ دربار مین رؤسائے شام کا ایک عظیم الشان مجمع موجود تھا، امیر معاویہ نے خط لیکر پہلے خود پڑھا پھر بآواز بلند حاضرین کو سنایا، بعد حمد ونعت کے خط کا مضمون یہ تھا،

"تم اور تمھارے زیر اثر جسقدر مسلمان ہین سب پر میری بیعت لازم ہے، کیونکہ مہاجرین وانصار کے اتفاق عام نے مجھے منصبِ خلافت کے لیے منتخب کیا ہے، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کو بھی انھی لوگون نے منتخب کیا تھا، اس لیے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعراض کریگا وہ جبراً اطاعت پر مجبور کیا جائیگا، پس تم مہاجرین وانصار کا اتباع کرو، یہی سب سے بہتر طریقہ ہے

ورنہ جنگ کیلیے تیار ہو جاؤ، تم نے عثمانؓ کی شہادت کو اپنی مقصد برآری کا وسیلہ بنایا ہے اگر تم کو عثمانؓ کے قاتلون سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے میری اطاعت قبول کرو، اسکے بعد باضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو، مین کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ کے مطابق اسکا فیصلہ کردن گا، ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ محض دھوکا اور فریب ہے'

امیر معاویہؓ بیس بائیس برس سے شام کے والی تھے، اس طویل مدتِ ولایت مین لین استقلال و خود مختاری کی تمنا پیدا کر دی تھی حصولِ تمنا کے لیے اس سے زیادہ بہتر موقع نہین آسکتا تھا، بنو اُمیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ چشمک پھر تازہ ہو گئی تھی حضرت علیؓ نے تمام عمال عثمانی کو برطرف کر دیا تھا اور وہ سب امیر معاویہ کے گرد و پیش جمع ہو گئے تھے بہت قبائلِ عرب جو اگرچہ اموی نہ تھے، تاہم شاہانہ داد و دہش نے اُن کو بھی طرفدار بنا دیا تھا، اسیطرح بعض صحابہ بھی اپنے اغراض و مقاصد کے لحاظ سے ان کے دست و بازو تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر کی ولایت کا عہد لیکر اعانت و مساعدت کا وعدہ کر لیا تھا، مغیرہؓ بن شعبہ اور زیاد جو عرب کے بڑے چالاک اور سیاسی لوگون مین سمجھے جاتے تھے دربار مرتضوی سے برداشتہ خاطر ہو کر امیر معاویہ کے حلقۂ احباب مین شامل ہو گئے تھے، عبیداللہ بن عمر جنھون نے اپنے والد کے جوشِ انتقام مین ایک پارسی نو مسلم ہرمزان کو بے وجہ قتل کر دیا تھا، اور حضرت عثمانؓ نے اُن سے قصاص نہین لیا تھا، حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد اس خوف سے بھاگ کر امیر معاویہ کے دامن عاطفت مین پناہ گزین ہوے کہ شاید وہ مقدمہ پھر نئے سرے سے چلایا جائے، حضرت عثمانؓ کی شہادت اور اُن کے قاتلون کو سزا نہ دینے کا قصہ عوام کو ہیجان مین لانے کے لیے کافی تھا، چنانچہ تمام ملک شام مین بہ ورد طریقہ پر اس کی اشاعت کی گئی تھی ہر ایک گاؤن قصبہ اور شہر مین واعظ اور خطیب مقرر کیے گئے تھے، کہ لوگون مین حضرت عثمانؓ کے انتقام کا

جوش پیدا کریں، دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمانؓ کا خون آلود پیراہن اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کی جاتی تھی[1] کہ لوگ دن اور رات میں پانچ دفعہ اس خونیں منظر سے اپنے جوش کو تازہ کریں، غرض آرزو برآری کے تمام اسباب مہیا تھے، امیر معاویہؓ اس زریں موقع کو ہاتھ سے نہیں دے سکتے تھے، اُنھوں نے اپنے حاشیہ نشینوں کے مشورہ سے خط کا جواب لکھا اور حسب معمول قاتلین عثمانؓ کو حوالہ کردینے پر اصرار کیا، اس طرف سے خط کا جواب ابو مسلم لیکر گئے تھے، اُنھوں نے دربارِ خلافت میں خط پیش کرنے کے بعد نج کے طور پر گذارش کی کہ اگر آپ عثمان کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کردیں، تو ہم اور تمام اہلِ شام خوشی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں، کیونکہ درحقیقت فضل وکمال کے لحاظ سے آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں، جناب امیر نے دوسرے روز صبح کے وقت جواب دینے کا وعدہ فرمایا، ابو مسلم دوسرے روز دربار میں حاضر ہوے تو وہاں تقریباً دس ہزار مسلح آدمیوں کا مجمع تھا، اوران کو دیکھ کر سب نے ایک ساتھ بآواز بلند کہا "ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں" ابو مسلم نے متعجب ہو کر بارگاہِ خلافت میں عرض کی "معلوم ہوتا ہے سب نے باہم سازش کرلی ہے" حضرت علیؓ نے فرمایا "تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ عثمان کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پھر امیر معاویہ کو لکھا کہ وہ ناحق کی ضد سے باز آئیں اور لکھا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں اُن کی کوئی شرکت نہ تھی، اسی کے ساتھ عمرو بن العاصؓ کو بھی لکھا کہ "دنیا طلبی چھوڑ کر حق کی حمایت کرو" لیکن زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی اور گو جنگ جمل میں دس ہزار مسلمانوں نے باہم ایک دوسرے کا گلا کاٹ کر اپنے خون سے اس کو سینچا تھا تاہم العطش العطش اور ہل من مزید کی صدا ابھی باقی تھی اس لیے مصالحت

[1] طبری ص ۳۲۵۵

اور خانہ جنگی کے سدباب کی تمام کوششین ناکام رہین، حضرت علیؓ نے مجبور ہوکر قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھا، تمام عمال وحکام کو دور ودراز حصص ملک سے جنگ مین شریک ہونے کے لیے بلایا اور تقریباً اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدود شام کا رخ کیا،

معرکہ صفین | جب یہ فوج گران فرات کو عبور کرکے سرحد شام مین داخل ہوگئی تو امیر معاویہ کی طرف سے ابوالاعور سلمی نے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا، اس کے افسر زیاد بن النضر اور شریح بن ہانی تھے، انھون نے تمام دن نہایت جانبازی کے ساتھ مقابلہ کیا اسی اثنا مین اشتر نخعی کمک لیکر پہونچ گئے، ابوالاعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے رات کی تاریکی مین اپنی فوج کو ہٹا لیا اور امیر معاویہ کو فوج مخالف کی آمد کی اطلاع دی، انھون نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لیے منتخب کیا اور پیشقدمی کرکے مناسب موقعون پر مورچے جما دیے، گھاٹ پر بھی تسلط کرلیا اور ابوالاعور سلمی کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ متعین کردیا، کہ دریا سے پانی لینے مین فوج مخالف کی مزاحمت کرین،

پانی کے لیے کشمکش | حضرت علیؓ کی فوج صفین پہونچی تو اس کو پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی، دریا پر ابوالاعور نے پہلے سے قبضہ کرلیا تھا، حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ شامی فوج کا مقابلہ کرکے بزور گھاٹ پر قبضہ کرین چنانچہ پہلے چند آدمی اتمام حجت کے لیے آشتی کے ساتھ دریا کی طرف بڑھے لیکن جیسے ہی قریب پہونچے ہر طرف سے تیرون کی بارش شروع ہوگئی، حضرت علیؓ کی فوج اسی پیشدستی کی منتظر تھی، سب نے ایک ساتھ حملہ کردیا، ابوالاعور نے دیر تک ثبات واستقلال کے ساتھ مقابلہ کیا، عمرو بن العاصؓ نے بھی اپنی کمک سے تقویت دی، لیکن پیاسون کو پانی سے روکنا آسان نہ تھا آخر کار پانون اکھڑ گئے اور تمام گھاٹ پر تشنہ کامون کا قبضہ ہوگیا، اب جو وقت امیر المومنینؑ کی فوج کو تھی وہی امیر معاویہؓ کو پیش آئی،

لیکن جناب مرتضیٰ کی حمیت انسانی نے کسی کو تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا اور شامی فوج کو دریا سے متمتع ہونے کی اجازت دیدی[1] چنانچہ دونون فوج ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگی اور باہم اسقدر اختلاط پیدا ہوگیا کہ دونون کیمپ کے سپاہیون مین دوستانہ آمد و رفت شروع ہوگئی یہان تک کہ بعضون کو خیال ہوا کہ اب صلح ہوجائیگی،

میدان جنگ مین مصالحت کی آخری کوشش

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جنگ شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ پھر اتمام حجت کے لیے بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی کو امیر معاویہ کے پاس بھیجکر مصالحت کی آخری کوشش کی لیکن کامیابی نہوئی، تاہم دونون طرف علماء، فضلاء اور حفاظ قرآن کی ایک جماعت موجود تھی جو دل سے اس خونریزی کو ناپسند کرتی تھی، اُس نے مسلسل تین ماہ تک جنگ کو روکا اور مصالحت کی کوشش کرتی رہی، اس اثنا مین دونون طرف سے تقریباً بچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا، لیکن ان بزرگون نے ہمیشہ درمیان مین پڑکر بیچ بچاؤ کردیا، غرض ربیع الاول ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ تین مہینے صرف صلح کے انتظار مین گذرے اور جمادی الاخری کے شروع سے باضابطہ جنگ کی ابتدا ہوئی،

آغاز جنگ

لڑائی کا طریقہ یہ تھا کہ دونون طرف سے دن مین دو دفعہ یعنی صبح و شام تھوڑی تھوڑی فوج میدان جنگ مین اترتی تھی اور کشت و خون کے بعد اپنے فرودگاہ پر واپس جاتی تھی، فوج کی کمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی خود کرتے تھے اور کبھی باری باری سے اشتر، حجر بن عدی، شبث بن ربعی، خالد بن المعمر، زیاد بن النضر، زیاد بن خصفہ التیمی، سعید بن قیس، محمد بن حنفیہ، معقل بن قیس اور قیس بن سعد اس فرض کو انجام دیتے تھے، یہ سلسلہ جمادی الاخری

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۵۴،

کی اخیر تاریخون تک جاری رہا لیکن جب ماہ رجب کا ہلال افق پر طلوع ہوا تو دفعۃً دونون طرف سے جنگ رُک گئی حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہ باہلیؓ نے امیر معاویہ کے پاس جاکر حسب ذیل مکالمہ کیا،

حضرت ابوالدرداءؓ، تم علی سے کیون لڑتے ہو؟ کیا وہ امامت کے تم سے زیادہ مستحق نہین ہین؟

امیر معاویہ، مین عثمان کے خون ناحق کے لیے لڑتا ہون،

حضرت ابوالدرداءؓ، کیا عثمان کو علی نے قتل کیا ہے؟

امیر معاویہ۔ قتل نہین کیا ہے، تو قاتلون کو پناہ دی ہے، اگر اُن کو میرے سپرد کردین تو سب سے پہلے بیعت کرنے کو تیار ہون۔

حضرت ابوالدرداءؓ اور ابوامامہؓ اس مکالمہ کے بعد دربار خلافت مین حاضر ہوے اور امیر معاویہ کی شرط سے مطلع کیا، اس خبر کو سن کر تقریباً بیس ہزار سپاہی عام فوج سے علٰحدہ ہو گئے اور چیخ کر کہا، "ہم سب عثمان کے قاتل ہین" حضرت ابوالدرداءؓ اور ابوامامہؓ نے یہ رنگ دیکھا تو لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی مقامات کا رُخ کیا اور پھر کسی طرح اس جنگ مین حصہ نہین لیا،

غرض پہلی رجب سے اخیر محرم ۳۷ھ تک طرفین سے سکوت رہا اور کوئی قابل ذکر معرکہ پیش نہ آیا، جب محرم کا مہینہ ختم ہوگیا تو پھر از سرنو جنگ شروع ہوئی اور اس قدر خونریز لڑائیان پیش آئین کہ محض تصور سے دل کانپ اُٹھتا ہے، ہزارون عورتین بیوہ اور ہزارون بچے یتیم ہوگئے، تاہم اس خانہ جنگی کا کچھ فیصلہ نہوا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس طوالت سے تنگ آکر اپنے اعوان و انصار کے سامنے نہایت پرجوش تقریر کی اور فیصلہ کن جنگ کے لیے آمادہ کیا، تمام فوج نے اس صدائے دعوت کو نہایت جوش وخروش کے ساتھ لبیک کہا اور

اور اپنے حریف پر اس زور سے حملہ کیا کہ بڑے بڑے بہادرون کے پانون اکھڑ گئے، تمام صفین درہم وبرہم ہوگئین، حیدرِ کرار خود فوج کے آگے آگے تھے، اور اس جانبازی سے لڑ رہے تھے، کہ حریف کی صفین چیرتے ہوے امیر معاویہ کے مقصورہ تک پہونچ گئے، اس وقت زبان پر یہ رجز جاری تھا،

اضربھم ولا اری معاویہ الجاحظ العین العظیم الحاویہ

حضرت علیؓ نے پکار کر کہا "معاویہ! خلقِ خدا کا خون کیون گراتے ہو، آؤ ہم تم باہم اپنے جھگڑون کا فیصلہ کر لین" اس مبارزت پر عمرو بن العاصؓ اور امیر معاویہؓ مین حسب ذیل مکالمہ ہوا،

عمرو بن العاص، بات انصاف کی ہے،

امیر معاویہ، خوب! کیا انصاف ہے؟ تم جانتے ہو کہ جو اس شخص کے مقابلہ مین جاتا ہے پھر زندہ نہین بچتا،

عمرو بن العاصؓ، جو کچھ ہو تاہم مقابلہ کے لیے نکلنا چاہیے،

امیر معاویہ، تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کراکے میرے منصب پر قبضہ کرو،

امیر معاویہ نے اعراض کیا تو عمرو بن العاص نے خود بڑھ کر حیدرِ کرار کو مقابلہ کے لیے بلایا، شیرِ خدا نے بڑھ کر لبیک کہا، دیر تک دونون آدمیون مین تیغ وسنان کا رد وبدل ہوتا رہا، ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایسا وار کیا کہ اس سے سلامت بچنا ناممکن تھا، عمرو بن العاصؓ نے اس بدحواسی کے ساتھ اپنے کو گھوڑے سے گرا دیا کہ بالکل برہنہ ہوگئے، فاتحِ خیبر نے اپنے حریف کو برہنہ دیکھکر منھ پھیر لیا اور زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے،

اس جنگ کے بعد تھوڑی تھوڑی فوج سے مقابلہ ہونے کے بجائے پوری فوج کے

ساتھ جنگ ہونے لگی، چند دنون تک یہی سلسلہ جاری رہا، یہان تک کہ جمعہ کے روز عظیم الشان جنگ پیش آئی جو شدت وخونریزی کے لحاظ سے تاریخ اسلام مین اپنی آپ نظیر ہے، صبح سے شام اور شام سے دوسری صبح تک اس زور کا رن پڑا کہ نعرون کی گرج، گھوڑون کی ٹاپون اور تلوار کی جھنکارون سے کرۂ ارض تھرا رہا تھا، اسی مناسبت سے اسکو لیلۃ الہریر کہتے ہین،

دوسری صبح کو مجروحین ومقتولین کے اُٹھانے کے لیے جنگ ملتوی ہوگئی، حضرت علیؓ نے اپنے طرفدارون کو مخاطب کرکے نہایت پُرجوش تقریر کی اور فرمایا "جانبازو! ہماری کوششین اس حد تک پہونچ چکی ہین کہ انشاء اللہ کل اس کا آخری فیصلہ ہوجائے گا، پس آج کچھ آرام لینے کے بعد کل اپنے حریف کو آخری شکست دینے کے لیے تیار ہوجاؤ اور اس وقت تک میدان سے منہ نہ موڑو جب تک اس کا قطعی فیصلہ نہ ہوجائے"

امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ نے گو اس وقت تک نہایت جانبازی، شجاعت اور پامردی کے ساتھ اپنی فوجون کو سرگرم کارزار رکھا تھا تاہم لیلۃ الہریر کی جنگ سے اُنھین یقین ہوگیا تھا کہ اب لشکر حیدری کا مقابلہ ناممکن ہے، قبیلون کے سردار بھی ہمت ہار گئے تھے، اشعث بن قیس نے علانیہ دربار مین کھڑے ہوکر کہا کہ "اگر مسلمانون کی باہمی لڑائی ایسی ہی قائم رہی تو تمام عرب ویران ہوجائیگا، رومی شام مین ہمارے اہل وعیال پر قبضہ کرینگے، اسیطرح ایران کے دہقان اہل کوفہ کی عورتون اور بچون پر متصرف ہوجائینگے" تمام درباریون کی نظرین امیر معاویہ کے چہرہ پر گڑ گئین اور سب نے بالاتفاق اس خیال کی تائید کی،

امیر معاویہ نے جناب مرتضیٰ کو لکھا کہ "اگر ہم کو اور خود آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ

استقدر طول کھینچ گئی تو غالباً ہم دونوں اس کو چھیڑنا پسند نہ کرتے بہرحال اب ہم کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ کردینا چاہیئے ہم لوگ بنی عبد مناف ہین اور آپسمین ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہین، اس لیے مصالحت ایسی ہو کہ طرفین کی عزت برقرار رہے" حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اب مصالحت سے انکار کیا، اور دوسرے روز علی الصباح زرہ بکتر سے آراستہ ہوکر اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ میدان مین صف آرا ہوئے لیکن حریف نے جنگ ختم کرنیکا تہیہ کرلیا تھا، جناب امیر نے مصالحت سے اعراض کیا تو عمرو بن العاص نے کہا اب مین ایک ایسی چال چلون گا کہ یا تو جنگ کا خاتمہ ہی ہوجائیگا، یا علی کی فوج مین تفرقہ عظیم برپا ہوجائیگا چنانچہ دوسری صبح کو شامی فوج ایک عجیب منظر کے ساتھ میدانِ جنگ مین آئی، آگے آگے دمشق کا مصحف اعظم پانچ نیزون پر بندھا ہوا تھا، اور اسکو پانچ آدمی بلند کیے ہوے تھے اسکے علاوہ جس کے جس کے پاس قرآن پاک تھا اُس نے اُسکو اپنے نیزے پر باندھ لیا تھا، حضرت علیؓ کی طرف سے اشتر نخعی نے ایک جمعیت عظیم کے ساتھ حملہ کیا، تو قلب سے فضل بن ادہم، میمنہ سے شریح الجذامی اور میسرہ سے زرقاء بن معمر بڑھے اور چلا کر کہا، "گروہ عرب! حذار و میون اور ایرانیون کے ہاتھ سے تمھاری عورتون اور بچون کو بچاؤ، تم فنا ہوگئے، دیکھو یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمھارے درمیان ہے" اسیطرح ابوالاعور سلمی اپنے سر پر کلام مجید رکھے ہوے لشکرِ حیدری کے قریب آئے اور بآواز بلند کہا "اے اہل عراق! یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمھارے درمیان حکم ہے" اشتر نخعی نے اپنے ساتھیون کو سمجھایا کہ یہ حریف کی چال ہے اور جوش دلا کر نہایت زور و شور کے ساتھ حملہ کردیا،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگون کو سمجھایا کہ مصاحف کا بلند کرنا محض عیاری ہے ہم کو اس دامِ تزویر سے بچنا چاہیئے کردوس بن ہانی، سفیان بن ثور اور خالد بن المعمر نے

بھی امیرالمومنین کی تائید کی اور کہا کہ پہلے ہم نے ان کو قرآن کی طرف بلایا تو اُنھون نے کچھ پروانہ کی لیکن جب ناکامی ونامرادی کا خوف ہوا تو اس مکاری کے ساتھ ہمین دھوکا دینا چاہتے ہین، لیکن باوجود سعی وکوشش ایک جماعت پیدا ہوگئی جس نے نہایت سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ قرآن کی دعوت کو رد نہ کرنا چاہیے، اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان مین آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ نہ صرف فوج سے کنارہ کش ہوجائیگی بلکہ خود جناب امیر کے خون کی پیاسی ہوگی، مسعر بن فدکی، زید بن حصین سنبسی اور ابن الکوا، اس جماعت کے سرگروہ تھے، اسیطرح اشعث بن قیس نے عرض کی "امیرالمومنین! جسطرح کل آپکا جان نثار تھا اسی طرح آج بھی ہون، لیکن میری بھی یہی راے ہے کہ قرآن مجید کو حکم مان لینا چاہیے" غرض یہ چال ایسی کامیاب ہوئی کہ جناب مرتضیٰ کو مجبوراً اپنی فوج کو بازگشت کا حکم دینا پڑا، اشتر نخعی اسوقت نہایت کامیاب جنگ مین مصروف تھے، واپسی کا حکم ملا تو نہایت صدمہ ہوا، فرودگاہ پر پہونچے تو نہایت غیظ وغضب کی حالت مین مسعر بن فدکی اور ابن الکوا وغیرہ سے جنھون نے التواے جنگ پر مجبور کیا تھا نہایت تلخ گفتگو ہوئی اور قریب تھا کہ باہم کشت وخون کی نوبت پہونچ جاے، لیکن جناب امیر نے درمیان مین پڑکے معاملہ کو رفت وگذشت کردیا،

جنگ ملتوی ہوگئی تو مکاتبت ومراسلت کے بعد طرفین سے علما وفضلا، کا اجتماع ہوا، اور بحث ومباحثہ کے بعد قرار پایا کہ خلافت کا مسئلہ دو حکم پر محول کردیا جاے، اور وہ جو کچھ فیصلہ کرین اُس کو قطعی تصور کیا جاے، شامیون نے اپنی طرف سے عمرو بن العاص پر اعتماد ظاہر کیا، اہل عراق کی طرف سے اشعث بن قیس نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام لیا، حضرت علیؓ نے اُن سے اختلاف کرکے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تجویز کیا، لوگون نے کہا کہ

عبداللہ بن عباسؓ اور آپ ایک ہی ہین حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیے، اب جناب امیر نے اشتر نخعی کا نام لیا، اشعث بن قیس نے برافروختہ ہوکر کہا "جنگ کی آگ اشتر ہی نے بھڑکائی ہے اور اس وقت تک ہم اسی کی رائے پر عمل کرتے رہے ہین یعنی جب تک آخری نتیجہ ظاہر نہو ہر فریق پر ایک دوسرے کے درپے فنا رہے، ظاہر ہے جسکی رائے یہ ہے اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا"، حضرت علیؓ نے دیکھا کہ لوگ ابوموسیٰ کے علاوہ اور کسی پر رضامند نہین تو تحمل و بردباری کے ساتھ فرمایا "جسکو چاہو حکم بناؤ مجھے بحث نہین"

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جنگ سے کنارہ کش ہوکر ملک شام کے ایک گاؤن مین گوشہ نشین ہوگئے تھے، لوگون نے قاصد بھیجکر ان کو بلایا اور دونون فریق کے ارباب حل وعقد ایک عہد نامہ ترتیب دینے کے لیے مجتمع ہوئے، کاتب نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا، ہذا ما قاضی علیہ امیرالمومنین، امیر معاویہ نے اعتراض کیا کہ مین امیرالمومنین تسلیم کرلیتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، عمرو بن العاص نے مشورہ دیا کہ صرف نام پر اکتفا کیا جائے لیکن احنف بن قیس اور حضرت علیؓ کے دوسرے جان نثارون کو اس لقب کا محو ہونا نہایت شاق تھا، فدائے رسول نے کہا "خدا کی قسم یہ سنت کبری ہے، صلح حدیبیہ مین "رسول اللہ" کے فقرے پر بھی اعتراض ہوا تھا، اس لیے جسطرح حضور انورؐ نے اپنے دست مبارک سے محو کردیا تھا، اسیطرح مین بھی اپنے ہاتھ سے مٹاتا ہون غرض معاہدہ لکھا گیا، اور دونون طرف کے سربرآوردہ آدمیون نے دستخط کرکے اسکو موثق کیا، معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے،

"علی، معاویہ اور ان دونون کے طرفدار باہمی رضامندی کے ساتھ عہد کرتے ہین کہ عبداللہ بن قیس اور عمرو بن العاص قرآن پاک اور سنت نبوی کے مطابق جو فیصلہ کرینگے اُسکے تسلیم کرنے مین پس وپیش نہوگا اس لیے دونون حکم کے لیے نہایت ضروری ہے کہ

وہ قرآن اور سنت نبوی کو نصب العین بنائین اور کسی حالت مین اس سے انحراف نہ کرین حکم کی جان اور ان کا مال محفوظ رہیگا، اور ان کے حق فیصلہ کی تمام امت تائید کریگی ہان! اگر فیصلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی کے خلاف ہوگا، تو تسلیم نہین کیا جائیگا، اور فریقین کو اختیار رہوگا کہ پھر از سر نو جنگ کو اپنا حکم بنائین،

خارجی فرقہ کی بنیاد

معاہدہ تیرھوین صفر ۳۷ھ چہارشنبہ کے روز ترتیب پایا، اشعث بن قیس تمام قبائل کو اس معاہدہ سے مطلع کرنے پر مامور ہوئے، وہ سب کو سناتے ہوے جب عنزہ کے فرودگاہ پر پہونچے تو دو آدمیون نے کھڑے ہوکر کہا کہ "خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق نہین" اور غضبناک ہوکر شامی فوج پر حملہ کردیا، اور لڑکر مارے گئے، اسیطرح قبیلۂ مراد اور بنو راسب اور بنو تمیم نے بھی اس کو ناپسند کیا، بنو تمیم کے ایک شخص عروہ بن اُدیہ نے اشعث سے سوال کیا کیا تم لوگ اللہ کے دین مین آدمیون کا فیصلہ قبول کرتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ کہ ہمارے مقتول کہان جائین گے؟ اور غضبناک ہوکر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اگر خالی نہ جاتا تو اشعث کا کام ہی تمام ہوجاتا، خود حضرت علیؓ کی خدمت مین حاضر ہوکر بہت سے آدمیون نے اس معاہدہ کی نسبت اپنی بیزاری ظاہر کی، محرز بن خنیس نے عرض کی "امیرالمومنین اس معاہدہ سے رجوع کرلیجیے، واللہ مین ڈرتا ہون کہ شاید آپ کے لیے انجام بُرا ہو" غرض ایک معتد بہ جماعت نے اس کو ناپسند کیا اور انجام کار اسی ناپسندیدگی نے ایک مستقل فرقہ کی بنیاد قائم کردی، جس کا تفصیلی تذکرہ آگے آئیگا،

تحکیم کا نتیجہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہؓ نے دومۃ الجندل کو جو عراق اور شام کے وسط مین تھا بالاتفاق حکمین کے لیے اجلاس کا مقام منتخب کیا، اور ہر ایک نے اپنے حکم کے ساتھ چار چار سو آدمیون کی جمعیت ساتھ کردی، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی

اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبد اللہ بن عباس تھے حضرت عبد اللہ بن عمر حضرت سعد وقاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ وغیرہ بھی جو اپنے ورع وتقوے کے باعث اس خانہ جنگی میں شریک ہونے سے محترز رہے تھے تحکیم کی خبر سن کر اس کا آخری فیصلہ معلوم کرنے کے لیے دومۃ الجندل میں مجتمع ہو گئے حضرت مغیرہ بن شعبہ نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے انھوں نے پہونچنے کے ساتھ ابو موسی اشعری اور عمرو بن العاص سے علحدہ علحدہ گفتگو کرکے اُن کی رائے کا اندازہ کیا، تو انھیں یقین ہو گیا، کہ ان دونوں میں اتحادِ رائے ممکن نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے علانیہ پیشین گوئی کردی کہ اس تحکیم کا نتیجہ خوش آیندہ نہ ہوگا، بہرحال دونوں حکم حسب قرارداد گوشۂ خلوت میں مجتمع ہوئے، عمرو بن العاص نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو اپنا ہمخیال بنانے کے لیے اُن کی غیر معمولی تعظیم وتوقیر شروع کی تعریف وتوصیف کے پُل باندھ دیئے، اصل مسئلہ کے متعلق جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے،

ابو موسیٰ - عمرو! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے،

عمرو بن العاص ۔ وہ کیا ہے؟

ابو موسیٰ - عبد اللہ بن عمر کو منصبِ خلافت پر متمکن کرنا چاہیے، کیونکہ انھوں نے ان خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصّہ نہیں لیا ہے،

عمرو بن العاص - معاویہ میں کیا خرابی ہے؟

ابو موسیٰ - معاویہ نہ تو اس منصب جلیل کے لیے موزون ہیں اور نہ اُن کو کسی طرح کا استحقاق ہے، ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو فاروقِ اعظم کا عہد لوٹ آئے اور عبد اللہ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کردیں،

عمرو بن العاص - میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظرِ انتخاب کیون نہین پڑتی فضل و منقبت مین تو وہ بھی کچھ کم نہین ؟

ابو موسی :- بیشک تمھارا لڑکا صاحبِ فضل و منقبت ہے، لیکن ان خانہ جنگیون مین شریک کرکے تم نے اُن کے دامن کو بھی ایک حد تک داغدار کردیا ہے، برخلاف اس کے طیب بن الطیب عبداللہ بن عُمر کا لباسِ تقوی ہر قسم کے دہبون سے محفوظ ہے، بس آؤ! انھی کو مسند خلافت پر بٹھا دین۔

عمرو بن العاص :- ابو موسی! اس منصب کی صلاحیت صرف اس مین ہوسکتی ہے جسکے دو داڑھ ہون ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابو موسی - عمرو! تمھارا بُرا ہو، کشت و خون کے بعد مسلمانون نے ہمارا دامن پکڑا ہے اب ہم اُن کو پھر فتنہ و فساد مین مبتلا نہین کرینگے،

عمرو بن العاص - پھر آپ کی کیا راے ہے ؟

ابو موسی - ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونون کو معزول کردین، اور مسلمانون کی مجلسِ شوریٰ کو پھر نئے سر سے اختیار دین کہ جسکو چاہے منتخب کرے،

عمرو بن العاص - مجھے بھی اس سے اتفاق ہے،

مذکورۂ بالا قرارداد کے بعد دونون ایک دوسرے سے جُدا ہوئے، تو عبداللہ بن عباسؓ نے ابو موسیٰ کے پاس آکر کہا "خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمرو نے آپکو دھوکا دیا ہوگا اگر کسی راے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان مین سبقت نہ کیجئے گا وہ نہایت غدار ہے کیا عجب ہے کہ وہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھے" ابو موسیٰ نے کہا کہ ہم لوگ ایسی رائے پر متحد ہوے ہین کہ اسمین اختلاف کی گنجایش نہین، غرض دوسرے روز مسجد مین مسلمانون کا مجمع ہوا حضرت ابو موسیٰ اشعری نے

عمرو بن العاص سے فرمایا کہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں انھوں نے عرض کی میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا آپ فضل و منقبت میں، سن و سال میں غرض ہر حیثیت سے ہم سے افضل اور ہمارے بزرگ ہیں"

حضرت ابو موسیٰؓ پر عمرو بن العاص کا جادو چل گیا، بغیر پس و پیش کے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد کہا "صاحبو! ہم نے علی اور معاویہ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا وہ جسکو چاہے اپنا امیر بنالے" ابو موسیٰ اپنا فیصلہ سنا کر منبر پر سے اتر آئے تو عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا "صاحبو! علی کو جیسا کہ ابو موسیٰ نے معزول کیا میں بھی معزول کرتا ہوں لیکن معاویہ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں"

حضرت ابو موسیٰؓ بہت نیک اور سادہ دل بزرگ تھے، اس خلاف بیانی سے ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے، یہ کیا غداری ہے؟ یہ کیا بے ایمانی ہے؟ سچ یہ ہے کہ تمھاری حالت بالکل اُس کتے کی طرح ہے جسپر لادو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ دو جب بھی ہانپتا ہے "انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلہث او تترکہ یلہث" عمرو بن العاص نے جواب دیا اور آپ پر چارپایہ بر و کتابے چند کی مثل صادق آتی ہے "مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا"۔

عمرو بن عاص کے بیان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہو گئی، شریح بن ہانی نے غضبناک ہو کر عمرو بن العاص کو کوڑے سے مارنا شروع کیا، اس طرف سے اُن کے ایک لڑکے نے شریح پر حملہ کر دیا لیکن بات بڑھنے نہیں پائی، اور لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے رفت گذشت کر دیا، حضرت ابو موسیٰؓ کو اسقدر ندامت ہوئی کہ اسی وقت مکہ کی طرف روانہ ہو گئے اور تمام عمر گوشہ نشین رہے"

خوارج کی سرکشی پہلے گذر چکا ہے کہ تحکیم کو حضرت علیؓ کے اعوان و انصار میں سے ایک معتد بہ جماعت نے ناپسند کیا تھا، چنانچہ جب وہ صفین سے کوفہ واپس تشریف لائے تو اُس نے اپنی ناپسندیدگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ تقریباً بارہ ہزار آدمیوں نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہوکر حرورا میں اقامت اختیار کی، حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سمجھانے کے لیے بھیجا، اُنھیں ناکامی ہوئی تو خود تشریف لے گئے اور مناظرہ و مباحثہ کے بعد راضی کرکے سب کو کوفہ لے آئے، یہاں یہ افواہ پھیلی کہ جناب امیر نے اُن کی خاطرداری کے لیے تحکیم کو کفر تسلیم کرکے اس سے توبہ کی ہے حضرت علیؓ کے کان میں اس کی بھنک پہونچی تو ایک روز خاص طور پر خطبہ دیکر اس کی تکذیب کی، اور فرمایا کہ پہلے ان ہی لوگوں نے جنگ ملتوی کرنے پر مجبور کیا پھر تحکیم پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کرکے قبل از فیصلہ پھر جنگ شروع کروں خدا کی قسم یہ نہیں ہوسکتا، حاضرین میں اس جماعت کے لوگ بھی موجود تھے، وہ سب ایک ساتھ چلا اُٹھے، لاحکم الا للہ یعنی فیصلہ کا حق صرف خدا کو ہے، اور ایک شخص نے سامنے آکر نہایت بلند آہنگی سے کہا،

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (زمر)	اے محمد تمپر اور تمھارے قبل انبیا پر یہ وحی بھیجی گئی کہ اگر تم نے خدا کی ذات میں دوسرے کو شریک بنایا تو تمھارے اعمال بیکار ہوجائینگے اور تم خسارہ اُٹھانے والوں میں ہوگے،

حضرت علیؓ نے برجستہ جواب دیا،

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ (روم ۹)	تو صبر کر خدا کا وعدہ حق ہے اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ تیرا استخفاف نہ کریں،

غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کرلی، دومۃ الجندل کی

تحکیم کا افسوسناک نتیجہ ملک مین شائع ہوا، تو اس فرقہ نے جناب مرتضیٰ کی بیعت سے الگ ہو کر عبداللہ بن وہب الراسبی کے ہاتھ پر بیعت کی اور کوفہ، بصرہ، انبار اور مدائن وغیرہ مین جسقدر اس فرقہ کے لوگ موجود تھے وہ سب ایک ایک کرکے نہروان مین جمع ہوئے، اور ملک مین عام طور پر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا،

خارجیون کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین مین سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے، پھر ان دونون حکم نے جسطریقہ پر اس کا فیصلہ کیا اس کے لحاظ سے خود وہ دونون اور ان کے انتخاب کرنیوالے کافر ہین، نیز اس عقیدہ سے جسکو اتفاق نہو وہ بھی گردن زدنی ہے، چنانچہ انھون نے عبداللہ بن خباب اور ان کی اہلیہ محترمہ کو نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کر دیا، اسی طرح ام سنان صیداویہ کو مشق ستم بنایا اور جو کوئی ملا اسکو یا تو اپنا ہمخیال بنایا یا تلوار کے گھاٹ اُتار دیا، حضرت علیؓ کو ان جگر خراش واقعات کی اطلاع ہوئی تو حارث بن مرہ کو دریافتِ حال کے لیے بھیجا، خارجیون نے اس غریب کا بھی کام تمام کر دیا،

جناب مرتضیٰؓ اسوقت نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری فرما رہے تھے، لیکن جب خارجیون کی سرکشی اس قدر خوفناک حد تک پہونچ گئی تو اس ارادہ کو ملتوی کرکے نہروان کا قصد کرنا پڑا،

معرکۂ نہروان حضرت علیؓ نے نہروان پہونچکر پہلے حضرت ایوب انصاریؓ اور قیس بن سعد بن عبادہؓ کو خارجیون کے پاس بھیجا کہ بحث و مباحثہ سے اُن کو ان کی غلطی پر متنبہ کرین اور جب ان دونون کو ناکامی ہوئی تو خارجیون کے ایک سردار ابن الکوا کو بلا کر خود ہر طرح سمجھایا لیکن قلوب تاریک ہو چکے تھے، آنکھون پر ضلالت و گمراہی کا پردہ پڑ چکا تھا اس لیے ارشاد و ہدایت کے تمام مساعی ناکام رہے، جناب امیر نے مجبوراً فوج کو تیاری کا حکم دیا اور میمنہ پر

حجر بن عدیؓ میسرہ پر شیث بن ربعیؓ پیادہ پر حضرت ابو قتادہ انصاریؓ اور سواروں پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو متعین کرکے باقاعدہ صف آرائی کی،

خارجیون مین ایک جماعت ایسی بھی تھی جسکو حیدر کرار سے جنگ آزما ہونے مین پس وپیش تھا، چنانچہ لڑائی شروع ہوئی تو تقریباً پانچ سو آدمیون نے جنگ سے پہلوتہی کرکے بندنیجین کی راہ لی، ایک بڑے گروہ نے کوفہ کا قصد کیا اور ایک ہزار آدمیون نے توبہ کرکے علمِ حیدری کے نیچے پناہ لی، اس طرح عبداللہ بن وہب الراسبی کے ماتحت صرف چار ہزار خارجی باقی رہ گئے، لیکن اس قلیل جماعت نے دو ٹکڑیون مین منقسم ہوکر میمنہ اور میسرہ پر اس زور سے حملہ کردیا کہ اگر جان نثاران علی مین غیر معمولی ثبات و استقلال نہ ہوتا تو ان کا روکنا سخت مشکل تھا، خارجیون کی حالت یہ تھی کہ اعضا رکٹ کٹ کر جسم سے علحدہ ہوجاتے تھے، لیکن اُن کی حملہ آوری مین فرق نہین آتا تھا، شریح بن ابی اوفی کا ایک پانون کٹ گیا تو وہ صرف ایک ہی پانون پر کھڑا ہوکر لڑتا رہا، غرض نہایت گھمسان کی جنگ ہوئی، خارجی ایک ایک کرکے مارے گئے، جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خارجی مقتولین مین اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جسکے متعلق رسول اللہ صلعم نے پیشین گوئی کی تھی، چنانچہ تمام علامات کے ساتھ وہ لاش برآمد ہوئی تو فرمایا "اللہ اکبر! خدا کی قسم رسول اللہ نے کس قدر صحیح ارشاد فرمایا تھا،،

جنگ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے شام کی طرف کوچ کا حکم دیا، لیکن اشعث بن قیس نے کہا امیرالمومنین! ہمارے ترکش خالی ہوگئے ہین تلوارون کی دھارین مڑگئی ہین اور نیزون کے پھل خراب ہوگئے ہین اس لیے ہمکو دشمن پر فوج کشی کرنے سے پہلے اسباب وسامان درست کرلینا چاہیے، جناب امیر نے اشعث کی رائے کے مطابق

نخیلہ میں پڑاؤ کرکے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا، لیکن لوگ تیار ہونے کے بجائے آہستہ آہستہ دس دس بیس بیس کرکے کوفہ جانے لگے، یہاں تک کہ آخر میں تقریباً صرف ایک ہزار کی جمعیت ساتھ رہ گئی، حضرت علیؓ نے یہ رنگ دیکھا تو سردست شام پر فوج کشی کا ارادہ ترک کردیا اور کوفہ واپس جاکر اقامت اختیار کی،

مصر کے لیے کشمکش | پہلے گذر چکا ہے کہ جناب مرتضیٰؓ نے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ عہد عثمانی کے تمام عمال کو معزول کرکے نئے عمال مقرر کیے، چنانچہ مصر کی ولایت حضرت قیس بن سعد انصاری کے سپرد ہوئی، انھوں نے نہایت حکمت عملی کے ساتھ تقریباً تمام اہل مصر کو جناب امیر علیہ السلام کی خلافت پر راضی کرلیا، اور سب سے بیعت لی صرف قصبہ "خربتا" کے لوگوں نے پس وپیش کیا اور عرض کی کہ جب تک معاملات یکسو نہ ہوجائیں اسوقت تک ان سے بیعت کے لیے اصرار نہ کیا جائے، البتہ وہ والی مصر کی اطاعت وفرمانبرداری میں کوتاہی نہ کرینگے، اور نہ ملک میں امن وسکون کو صدمہ پہونچائیں گے، قیس بن سعد نہایت پختہ کار اور صاحب تدبیر تھے انھوں نے اس بھڑ کے چھتے کو چھیڑنے کے بجائے نہایت خوشی کے ساتھ انھیں امن وسکون کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دیدی اور فرمایا کہ "میں ہرگز تمھیں بیعت کے لیے مجبور نہیں کرونگا" اس رواداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل خربتا مطیع وفرمان بردار ہوگئے اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں انھوں نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا،

جنگ صفین کی تیاریاں شروع ہوئیں تو امیر معاویہؓ کو خوف ہوا کہ اگر دوسری طرف سے قیس بن سعد اہل مصر کو لیکر شام پر چڑھ آئیں گے تو نہایت دقت کا سامنا ہوگا، اس بنا پر انھوں نے خود قیس بن سعد کو ایک خط لکھ کر اپنا طرفدار بنانا چاہا، قیس بن سعد نے دنیا سازی کے طور پر نہایت گول مول جواب دیا، لیکن امیر معاویہ فوراً اس کو تاڑ گئے، اور

لکھا کہ تم مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو، حالانکہ مجھ جیسا شخص کبھی تمھارے دام فریب کا شکار نہین ہوسکتا، افسوس تم اسکو فریب دیتے ہو جسکا ادنیٰ اشارہ مصر کو پامال کرسکتا ہے، قیس بن سعدؓ نے نہایت سختی سے اس کا جواب دیا اور لکھا کہ مین تمھاری دھمکی سے نہین ڈرتا، خدا نے چاہا تو خود تمھین اپنی جان کے لالے پڑجائین گے،

حضرت قیس بن سعدؓ نہایت بلند پایہ اور ذی اثر بزرگ تھے، رسول اللہؐ کے ساتھ اکثر غزوات مین انصار کے علم بردار رہے تھے، امیر معاویہ نے دیکھا کہ اُن کے مقابلہ مین کچھ پیش نہ جائیگی تو اُنھون نے اُن کے مصر سے ہٹانے کی ایک عجیب وغریب تدبیر اختیار کی یعنی شہرت دی کہ قیس بن سعد اُن کے طرفدار ہین، رفتہ رفتہ یہ افواہ دربارِ خلافت مین پہنچی، محمد بن ابی بکر وغیرہ نے اسکو اور بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور اہل خربتا کو بیعت پر مجبور نہ کرنے کا واقعہ ثبوت مین پیش کیا،

غرض جناب امیر نے اس افواہ سے متأثر ہوکر قیس بن سعد کو خربتا والون سے بیعت کے لیے لڑنے کا حکم دیا، اُنھون نے گذارش کی کہ خربتا تقریباً دس ہزار نفوس کی آبادی ہے، اسمین بسر بن ارطاۃ، مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج جیسے جنگ آزما بہادر موجود ہین اُن سے لڑائی خریدنا مفید ومصلحت نہین، لیکن جب دربارِ خلافت سے مکرر اصرار ہوا تو اُنھون نے استعفا دیدیا،

قیس کی جگہ محمد بن ابی بکر والیِ مصر مقرر ہوئے لیکن ان کی کمسنی وناتجربہ کاری نے بہت جلد مصر مین شورش وبےچینی کی آگ بھڑکا دی اور خربتا والون سے چھیڑ کرکے اُن کو آمادۂ پرخاش کردیا، حضرت علیؓ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اُنھون نے معرکۂ صفین کے بعد اشتر نخعی کو مصر کی طرف روانہ کیا کہ محمد بن ابی بکر کو سبکدوش کرکے ملک کی حالت درست کرین لیکن

امیر معاویہؓ نے رستہ میں زہر دلا کر اشتر کا کام تمام کر دیا، اور عمرو بن العاصؓ کے ماتحت ایک زبردست مہم مصر کی طرف روانہ کی محمد بن ابی بکرؓ کے لیے اس فوج کا مقابلہ نہایت دشوار تھا، تاہم دو ہزار کی جمعیت فراہم کرکے نہایت جانبازی سے لڑے، یہانتک کہ عمرو بن العاص کو معاویہ بن خدیج رئیس خربتا کی مدد طلب کرنی پڑی، معاویہؓ نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ پیچھے سے آکر گھیر لیا، اسطرح محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھی یا تو مارے گئے، یا جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے محمد بن ابی بکرؓ نے بھی ایک ویران کھنڈر مین پناہ لی، لیکن عمرو بن العاصؓ کے جاسوسون نے ڈھونڈھ نکالا، معاویہ بن خدیج نے نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کیا، اور لاش کو ایک مردہ گدہے کے پیٹ مین ڈالکر جلا دیا، غرض اس افسوسناک طریقہ پر ۳۸ھ مین مصر کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا، اور حضرت علیؑ اپنی مجبوریون کے باعث محمد بن ابی بکرؓ کی کچھ مدد نہ کر سکے،

اسی سال یعنی ۳۸ھ مین امیر معاویہ نے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ بھیجا کہ لوگون کو جناب مرتضیٰ کی اطاعت سے برگشتہ کرکے اُن کی حکومت کا طرفدار بنائے چنانچہ عبداللہ کو اپنی مہم مین زیادہ کامیابی ہوئی، قبیلۂ بنو تمیم اور تقریباً تمام اہل بصرہ نے اس صدائے دعوت کو لبیک کہا، یہان تک کہ حضرت علیؓ کے عامل زیاد کو بصرہ چھوڑ کر حدان مین پناہ گزین ہونا پڑا، بارگاہ خلافت کو اطلاع ہوئی تو اعین بن ضبیعہ ابن حضرمی کی ریشہ دوانیون کا شیرازہ بکھیرنے پر مامور ہوئے، لیکن قبل اسکے کہ اُنھین کامیابی ہو، امیر معاویہ کے ہواخواہون نے ناگہانی طور پر اُنھین قتل کر دیا،

جناب امیر نے اعین بن ضبیعہ کے بعد جاریہ بن قدامہ کو ابن حضرمی کی سرکوبی پر مامور کیا، اُنھون نے نہایت حکمت عملی کے ساتھ بصرہ پہونچکر ابن حضرمی اور اس کے ساتھیون کو محصور

کرلیا اور اُن کے مامن کو نذرِ آتش کرکے خاک سیاہ کردیا، اہل بصرہ نے پھر نئے سرے سے اطاعت قبول کی، اور امیرالمومنین کے ترحم نے عفو عام کا اعلان کیا،

بغاوتون کا استیصال جنگِ نہروان مین گو خارجیون کا زور ٹوٹ چکا تھا، تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتین تمام ملک مین موجود تھین اور اپنی ریشہ دوانیون سے روز ایک نہ ایک فتنہ برپا کرتی رہتی تھین، چنانچہ خریت بن راشد کا صرف یہ کام تھا کہ مجوسیون، مرتدون اور نومسلمون کو اپنے دامِ تزویر مین پھنسا کر ملک مین ہر طرف لوٹ مار کرتا پھرتا تھا، اور ہر جگہ ذمیون کو بھڑکا کر بغاوت کرا دیتا تھا، حضرت علیؓ نے زیاد بن حفصہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق معقل بن قیس کو اسکی سرکوبی پر مامور کیا، اُنھون نے مسلسل تعاقب کے بعد رامہرمز کی پہاڑیون مین مقابلہ کرکے اُس سے اور اُس کی جماعت سے ملک کو پاک وصاف کردیا، معقل بن قیس نے باغی ذمیون سے پھر اطاعت کا عہد لیکر نہایت لطف و ترحم کا سلوک کیا، نومسلمون اور مرتدون کے ساتھ بھی (اسلام قبول کرنے کے بعد) باوجود ابن خریت کی معاونت کے نہایت عمدہ برتاؤ کیا، اس لطف و نوازش کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ معقل بن قیس رامہرمز سے روانہ ہوئے تو مسلمانون نے دور تک مشایعت کی، ایرانی مردون اور عورتون نے خدا حافظ کہا، اور اُن کی جدائی پر بے اختیار آنکھون سے آنسو نکل آئے،

امیر معاویہ کا جارحانہ طریق عمل جنگِ صفین کے التوا، اور مسئلۂ تحکیم نے اگر ایک طرف حضرت علیؓ کی جماعت مین تفریق و اختلاف کا رخنہ ڈالکر خارجیون کا خطرناک وجود پیدا کردیا، تو دوسری طرف سب سے بڑا نقصان یہ کیا کہ مخصوص ہمدمون اور جان نثارون کے عزم و ارادے بھی پست کردیئے، جناب امیرؓ نے بارہا شام پر چڑھائی کا قصد کیا، پُرجوش خطبون سے اپنے ساتھیون کو حمایتِ حق کی دعوت دی اور طعن آمیز جملون سے ان کی رگِ غیرت کو جوش دلایا، لیکن

شیعیانِ علی کے دل پژمردہ ہو گئے تھے اور ہمتین پست ہو چلی تھین، اُنھون نے ہمیشہ سرد مہری اور سکوت سے اس کا جواب دیا، اس موقع پر حضرت علیؓ کی طرف جو خطبے منسوب ہین اور جو نہج البلاغۃ مین موجود ہین، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنے حامیون اور طرفدارون کی اس سرد مہری کا کتنا صدمہ تھا، بہرحال امیر معاویہؓ اس حقیقت سے ناواقف نہ تھے، انھون نے اب اپنے حریف کے تساہل سے فائدہ اُٹھا کر مدافعت کے بجائے جارحانہ طریقِ عمل اختیار کیا، اور ۳۹ھ مین اپنی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر حجاز، عراق اور جزیرہ مین پھیلا دیے کہ قتل و غارت کر کے جناب مرتضیٰؓ کی پریشانیون مین اضافہ کرین، چنانچہ نعمان بن بشیر نے دو ہزار کی جمعیت سے عین التمر پر، سفیان بن عوف نے چھ ہزار کی قوت سے انبار اور مدائن وغیرہ پر، عبد اللہ بن سعدہ فزاری نے ایک ہزار سات سو آدمیون سے تیماء پر، ضحاک بن قیس نے واقصہ کے نشیبی حصہ پر اور خود امیر معاویہ نے دجلہ کے ساحلی علاقون پر حملہ کر کے بیت المال لوٹ لیے، شیعیانِ علی کو تہ تیغ کیا، اور لوگون کو اپنی حکومت کے سامنے گردنِ اطاعت خم کرنے پر مجبور کیا،

کرمان و فارس کی بغاوتون کو فرو کرنا

حیدرِ کرار کی ہمت مردانہ نے گو بہت جلد امیر معاویہ کے حملہ آور دستون کو ممالک مقبوضہ سے نکال دیا، تاہم اس سے ایک عام بدامنی اور بے رعبی پیدا ہو گئی، کرمان و فارس کے عجمیون نے بغاوت کر کے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا، اسی طرح اکثر صوبون سے عمال نکال دیے گئے، اور ذمیون نے خودسری اختیار کر لی، حضرت علیؓ نے اس عام بغاوت کے فرو کرنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، لوگون نے عرض کی کہ زیاد بن ابیہ سے زیادہ اس کام کیلئے کوئی شخص موزون نہین ہو سکتا، غرض زیاد اس مہم پر مامور ہوئے، اور اُنھون نے بہت جلد کرمان فارس اور تمام ایران مین بغاوت کی آگ فرو کر کے امن و سکون پیدا کر دیا،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بغاوت فرو ہونے کے بعد ایرانی باغیوں کے ساتھ اس قدر لطف و مدارات کا سلوک کیا کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہوگیا، ایرانیوں کا خیال تھا کہ امیرالمومنین علی بن ابی طالب رضؓ کے طریقِ جہانبانی نے نوشیروانی طرزِ حکومت کی یاد بھلادی؛

فتوحات

گذشتہ اوراق پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوچکا ہوگا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو داخلی اصلاحات اور خانگی جھگڑوں کے دبانے میں جو مصروفیتیں رہیں اُن کی بنا پر اُن کو اتنی مہلت بمشکل مل سکتی تھی کہ وہ اسلام کے فتوحات کے دائرہ کو بڑھا سکتے، صرف دو سمتوں میں وہ کچھ کر سکے، ایک تو سیستان اور کابل کی سمت میں جو بعض عرب خود مختار ہوگئے تھے اُن کو قابو میں لے کر آگے قدم بڑھایا[1] دوسری طرف ۳۸ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی، اسوقت کوکن (بمبئی) کا علاقہ سندھ میں شامل تھا سلمان رضا کار سپاہیوں نے سب سے پہلے اسی عہد میں کوکن پر حملہ کیا[2]

حجاز و عرب کے قبضہ کیلئے کشمکش

امیر معاویہ نے ۴۰ھ میں پھر از سرِ نو چھیڑ چھاڑ شروع کی بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ کیا، چنانچہ اُس نے بغیر کسی مقابلہ کے مدینہ پر قبضہ کرلیا، اور لوگوں سے زبردستی امیر معاویہ کے لیے بیعت لی پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا، حضرت ابوموسی اشعری رضؓ نے پہلے سے پوشیدہ طور پر یمن کے عامل عبیداللہ بن عباسؓ کو بسر بن ارطاۃ کے حملہ کی اطلاع کردی، اور لکھا کہ "جو لوگ معاویہؓ کی حکومت تسلیم کرنے میں لیت و لعل کرتے ہیں وہ اُنکو نہایت بیدردی کے ساتھ تہ تیغ کر دیتا ہے" عبیداللہ بن عباس نے اپنے کو مقابلے سے عاجز دیکھکر عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا

---

[1] فتوح البلدان بلاذری باب سیستان و کابل [2] فتوح البلدان بلاذری ذکر فتوح السند،

بت قائم مقام کیا اور مدد بار خلافت سے مدد طلب کرنے کے لیے کوفہ کی راہ لی بسر بن ابی ارطاۃ نے یمن پہونچکر نہایت بیرحمی کے ساتھ عبید اللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچوں اور ہوا خواہان مرتضیٰ کی ایک بڑی جماعت کو قتل کر دیا،

دوسری طرف شامی سواروں نے خود عراق پر ترکتاز شروع کی اور محافظ سپاہ کو شکست دیکر انبار پر تسلط کر لیا، حضرت علیؓ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ بسر بن ابی ارطاۃ کی سرکوبی کے لیے یمن و حجاز کی مہم پر مامور کیا، اور کوفہ کی جامع مسجد میں پُرجوش خطبے دیکر لوگوں کو حدود عراق سے شامی فوج نکالدینے پر اُبھارا، یہ تقریریں ایسی مؤثر تھیں کہ اہل کوفہ کے مردہ قلوب میں بھی اسوقت فوری طور پر ایک روح پیدا ہوگئی اور جوش و خروش کے ساتھ ہر گوشہ سے صدائے لبیک بلند ہوئی لیکن جب کوچ کا وقت آیا تو میدان اجتماع میں صرف تین سو آدمی پائے گئے، جناب مرتضیٰ کو اہل کوفہ کی اس بے حسی پر نہایت صدمہ ہوا، حجر بن عدی اور سعید بن قیس ہمدانی نے عرض کی" امیر المومنین! بغیر تشدد کے لوگ راہ پر نہ آئیں گے، عام منادی کرا دیجئے کہ بلا استثنا ہر شخص کو میدان جنگ کی طرف چلنا پڑے گا، اور جو اس میں تساہل یا اعراض سے کام لے گا اس کو سخت سزا دیجائیگی" اس مشورہ پر عمل کرنے کے سوا چارہ نہ تھا، حضرت علیؓ نے حسب قرار داد اعلان عام کر دیا اور معقل بن قیس کو رساتیق بھیجا کہ وہاں سے جسقدر سپاہی میسر آسکیں جمع کر کے لے آئیں لیکن تیاریاں ابھی حد تکمیل کو نہیں پہونچی تھیں کہ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار نے جام شہادت پلا دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون،

اس جانگسل واقعہ اور اندوہناک سانحہ کی تفصیل یہ ہے کہ واقعہ نہروان کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر مجتمع ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو شروع کی اور بحث و مباحثہ کے بعد بالاتفاق

یہ راے قرار پائی کہ جب تک تین آدمی علیؓ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ صفحۂ ہستی پر موجود ہین دنیاے اسلام کو خانہ جنگیون سے نجات نصیب ہوگی چنانچہ تین آدمی ان تینون کو قتل کرنے کے لیے تیار ہوگئے، عبدالرحمن بن ملجم نے کہا کہ مین علی کے قتل کا ذمہ لیتا ہون، اسیلح نزال نے معاویہ اور عبداللہ نے عمرو ابن العاص کے قتل کا بیڑا اُٹھایا، اور تینون اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوگئے، کوفہ پہونچکر ابن ملجم کے ارادہ کو قطام نامی ایک خارجی عورت نے زیادہ مستحکم کردیا، اُس نے اس مہم مین کامیاب ہونے کے بعد اُس سے شادی کا وعدہ کیا، اور جناب مرتضیٰ کے خون کو مہر قرار دیا،

غرض رمضان ۴۰ھ مین تینون نے ایک ہی روز صبح کی نماز کے وقت ہر ایک پر حملہ کیا، امیر معاویہ اور عمرو بن العاص اتفاقی طور پر بچ گئے، امیر معاویہ پر اوچھا پڑا، اور بچ گئے، عمرو بن العاص اس دن خود امامت کے لیے نہین آئے تھے، ایک اور شخص اُن کا قائم مقام ہوکر آیا، اور وہ عمرو بن العاص کے دھوکے مین مارا گیا، لیکن جناب مرتضیٰ کا پیمانۂ حیات لبریز ہوچکا تھا، آپ مسجد مین تشریف لائے، ابن ملجم جو مسجد مین سو رہا تھا اُسکو جگایا، نماز کیلیے کھڑے ہوے، سر سجدہ مین تھا، اور دل راز و نیازِ الٰہی مین مصروف تھا کہ ابن ملجم شقی کی تلوار کا وار نہایت کاری پڑا، سر پر زخم آیا، ابن ملجم کو لوگون نے گرفتار کرلیا، حضرت علیؓ نے حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو بلا کر نہایت مفید نصائح کیے اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ لطف و مدارات کی تاکید کی، جندب بن عبداللہ نے عرض کی "امیرالمومنین! آپ کے بعد ہم لوگ امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرین؟" فرمایا اس کے متعلق مین نفیاً یا اثباتاً کچھ کہنا نہین چاہتا، تم لوگ خود اسکو طے کرو، اس کے بعد مختلف وصیتین کین، قاتل کے متعلق

؎ طبری از صفحہ ۳۴۵۶ و ۳۴۶۰،

فرمایا کہ معمولی طور پر قصاص لینا (طبری ۳۴۶۱)

تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی اس لیے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا، اور اسی روز یعنی ۲۰ رمضان سنہ ۴۰ھ جمعہ کی رات کو یہ فضل و کمال اور رشد و ہدایت کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا، حضرت امام حسنؓ نے خود اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کی، نمازِ جنازہ میں چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کہیں اور عزی نام کوفہ کے ایک قبرستان میں سپردِ خاک کیا،

کارنامے

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تمام خلافت خانہ جنگی، شورش و فتنہ پردازی کے نذر ہو گئی اور اس پنج سالہ مدت میں انھیں ایک لمحہ بھی سکون و اطمینان کا نصیب نہ ہوا، یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں فتوحات کے دائرہ کو کچھ یوں ہی سی وسعت حاصل ہوئی، ملکی نظم و نسق کو بہتر بنانے کے لیے بھی اطمینان و فرصت درکار ہے، تاہم باوجود ان گوناگون مشکلات کے جناب مرتضیٰؓ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے مملو ہے، لیکن کارناموں پر نظر کرنے سے پہلے ہم کو غور کرنا چاہیے کہ خلافت مرتضوی میں اسقدر افتراق، اختلاف اور شر و فساد کے کیا اسباب تھے؟ اور حضرت علیؓ نے کس تحمل، استقلال اور سلامت روی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا؟

خلافت پر ایک نظر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جناب مرتضیٰؓ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو نہ صرف دار الخلافہ بلکہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، ان کا شہید ہونا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا

اس نے تمام مسلمانون کے جذبۂ غیظ وغضب کو مشتعل کر دیا یہان تک کہ جو لوگ خلیفۂ ثالث کے طرزِ حکومت کو ناپسند کرتے تھے اُنھون نے بھی مفسدین کی اس حرکت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور خود ام المومنین حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کی حکومت سے کبیدہ خاطر ہونے کے باوجود مطالبۂ قصاص کا علم بلند کیا،

دوسری طرف شام مین بنو امیہ امیر معاویہؓ کے زیر سیادت خلافت راشدہ کو اپنی مخصوص سلطنت مین تبدیل کر لینے کا خواب دیکھ رہے تھے، اور اُن کے لیے اس سے زیادہ بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا؟ چنانچہ امیر معاویہؓ نے بغیر کسی تامل کے ہر ممکن ذریعہ سے تمام شام مین خلیفۂ ثالث کے انتقام کا جوش پیدا کر کے حضرت علیؓ کے خلاف ایک عظیم الشان قوت پیدا کر لی اور حسب ذیل وجوہ کو نقاب بنا کر میدانِ رزم مین اُترے،

(۱) حضرت علیؓ نے مفسدین کے مقابلہ مین حضرت عثمانؓ کو مدد نہین دی،

(۲) اپنی خلافت مین قاتلینِ عثمان سے قصاص نہین لیا،

(۳) محاصرہ کرنے والون کو قوتِ بازو بنایا اور اُن کو بڑے بڑے عہدے دیے،

چونکہ یہ وجوہ تمام خانہ جنگیون کی بنا قرار پائے، اس لیے ہم کو غور کرنا چاہیئے کہ یہ کہانتک صحیح ہین، اور جناب مرتضیٰ اسمین کس حد تک معذور تھے؟ امر اول یعنی مفسدین کے مقابلہ مین مدد نہ دینے کا الزام، صرف حضرت علیؓ ہی پر نہین بلکہ حضرت طلحہؓ زبیرؓ سعد وقاصؓ اور تمام اہل مدینہ پر عائد ہوتا ہے لیکن اصل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو منظور نہ تھا کہ اُن کے عہد مین خانہ جنگی کی ابتدا ہو، چنانچہ انصار کرام، بنو امیہ اور خود خلیفۂ ثالث کے پروردگانِ نعمت نے جان نثاری کے لیے اپنے کو پیش کیا تو انھون نے نہایت سختی کے ساتھ کشت وخون سے منع کر دیا،

جناب مرتضیٰ نے اس باب مین جو کچھ کیا اُن کے لیے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا،

پہلے گذر چکا ہے کہ اول دفعہ مفسدین کو حضرت علیؓ ہی نے راضی کرکے واپس کر دیا تھا لیکن جب دوسری مرتبہ واپس آئے تو مروان کی غداری نے اُن کی آتشِ غیظ وغضب کو اس قدر بھڑکا دیا تھا کہ کسی قسم کی سفارش کارگر نہین ہوسکتی تھی، ام المومنین ام حبیبہؓ نے محاصرہ کی حالت مین حضرت عثمانؓ کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پہونچانا چاہا تو مفسدین نے ام المومنین ام حبیبہؓ کا پاس ولحاظ نہ کیا اور گستاخانہ مزاحمت کی، اسی طرح حضرت علیؓ نے سفارش کی کہ آب ودانہ کی بندش نہ کی جائے تو ان شوریدہ سرون نے نہایت سختی سے انکار کر دیا، جناب امیر کو اپنی سفارش کے نہ مانے جانے پر اس قدر صدمہ ہوا کہ عمامہ پھینک کر اسی وقت واپس چلے آئے[1] اور تمام معاملات سے قطع تعلق کرکے عزلت نشین ہو گئے، پھر اس نکتہ کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر حضرت عثمانؓ محصور تھے تو دوسرے بڑے بڑے صحابہ بھی آزاد نہ تھے، مفسدین نے ان لوگون کی نقل وحرکت پر بھی سخت نگرانی قائم کر دی تھی، چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؑ نے اپنے پدرگرامی سے عرض کی کہ اگر آپ میری گذارش پر عمل کرکے محاصرہ کے وقت مدینہ چھوڑ دیتے تو آج مطالبہ قصاص کا جھگڑا آپکے سر نہ پڑتا اسوقت جناب امیر نے یہی جواب دیا تھا کہ تمھین کیا معلوم کہ مین اس وقت آزاد تھا یا مقید؟[2]

امر دوم یعنی قاتلون کو سزا نہ دینے کا الزام ایک حد تک لائقِ بحث ہے، اصل یہ ہے کہ اگر قاتل سے مراد وہ مخصوص اشخاص ہین جنھون نے براہ راست خونریزی مین حصہ لیا تو بیشک انھین کیفر کردار تک پہونچانا فرض تھا لیکن پہلے گذر چکا ہے کہ باوجود تفتیش وتحقیق ان کا سراغ نہ ملا اور اگر قاتل کا لفظ تمام محاصرہ کرنے والون پر مشتمل ہے جیسا کہ امیر معاویہؓ وغیرہ کے مطالبہ سے ظاہر ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایک شخص کے قصاص مین ہزارہا دن

[1] طبری ص ۳۰۱۰ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۱

آدمیون کا خون نہین بہایا جا سکتا تھا، اور نہ شریعت اس کی اجازت دے سکتی تھی، پھر اسکے ساتھ اس بڑی جماعت مین بعض صحابۂ کرامؓ اور بہت سے صلحاے روزگار بھی شامل تھے جنکا مطمح نظر صرف طلب اصلاح تھا اس لیے ان لوگون کو قتل کر دینا یا امیر معاویہ کے خنجر انتقام کے نیچے دیدینا صریحاً ظلم تھا

امر سوم یعنی محاصرہ کرنے والون کو قوت باز دینا نے اور ان کو بڑے بڑے عہدے دینے کا الزام اگر الزام ہے تو یہ ایک حد تک صحیح ہے، لیکن حضرت علیؓ اس کے لیے بالکل مجبور تھے، درحقیقت اسوقت دنیائے اسلام مین تین مختلف فرقے پیدا ہو گئے تھے، شیعۂ عثمان یعنی عثمانی فرقہ جو علانیہ جناب امیر کا مخالف اور اپنی ایک مستقل سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا، دوسرا گروہ اکابر صحابہ کا تھا جو اگرچہ حضرت علیؓ کو برسر حق سمجھتا تھا، لیکن اپنے ورع وتقوی کے باعث خانہ جنگی مین حصہ لینا پسند نہین کرتا تھا، چنانچہ جب حضرت علیؓ نے مدینہ سے کوفہ کا قصد کیا اور صحابۂ کرام سے چلنے کے لیے کہا تو بعض محتاط صحابہ نے معذرت کی حضرت سعد وقاصؓ نے کہا "مجھے ایسی تلوار دیجیے جو مسلم وکافر مین امتیاز رکھے، مین صرف اسی صورت مین جانبازی کیلیے حاضر ہون" حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا "خدا کیلیے مجھے ایک ناپسندیدہ فعل کیلیے مجبور نہ کیجیے" حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا "قبل اس کے کہ میری تلوار کسی مسلم کا خون گرائے اس زور سے اسے جبل احد پر پھینک مارونگا کہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیگی" حضرت اسامہ بن زیدؓ نے عرض کی امیر المومنین مجھے معاف کیجیے مینے عہد کیا ہے کہ کسی کلمہ گو کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہ کرونگا،" غرض یہ گروہ عملی اعانت سے قطعی کنارہ کش تھا، تیسرا گروہ شیعیان علی کا تھا جس مین ایک بڑی جماعت ان لوگون کی تھی جو یا تو خود محاصرہ مین شریک تھے یا وہ ان کے زیر اثر تھے، اس لیے جناب امیر خواہ مخواہ بے رخی کر کے اس بڑی جماعت کو قصداً اپنا دشمن کیونکر بنا لیتے، تاہم حضرت علیؓ نے ان ہی لوگون کو اپنا خاص تقرب عطا کیا جو درحقیقت اسکے اہل تھے، حضرت عمار بن یاسرؓ ایک بلند پایہ صحابی اور مقبول بارگاہ نبوت تھے، محمد بن ابی بکرؓ خلیفۂ

اول کے صاحبزادہ اور آغوشِ حیدری کے تربیت یافتہ تھے، اسیطرح اشتر نخعی ایک نہایت صالح، نیک سیرت اور جان نثار تابعی تھے،

غرض اسباب وعلل جس قسم کے ہون اور ان کی حقیقت کچھ بھی ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ جناب مرتضیٰ کی مسند نشینی کے ساتھ ہی یکایک دنیائے اسلام مین افتراق واختلاف کی آگ بھڑک اٹھی اور شیرازہ ملی اس طرح بکھر گیا کہ جناب امیر کی سعی اور جد وجہد کے باوجود ان اوراق پریشان مین شیرازہ بندی پیدا نہ ہوئی، بلکہ روز بروز مشکلات مین اضافہ ہوتا گیا اور دقتین بڑھتی گئین، یہان تک کہ اسلام کے سررشتۂ نظام مین فرقہ آرائی اور جماعت بندی کی ایسی گرہ پڑگئی جو قیامت تک کسی کے ناخن تدبیر سے حل نہین ہوسکتی،

اس مین شک نہین ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے جب عنان خلافت ہاتھ مین لی تھی تو اس وقت بھی دنیائے اسلام نہایت پرآشوب تھی، لیکن دونون حالتون مین بین فرق ہے، صدیق اکبرؓ کے سامنے گو مصائب کا طوفان امنڈ رہا تھا اور کفر وارتداد کا ابر اسلام کے افق پر ہر طرف سے محیط تھا، تاہم قدرت نے معین ومددگار ایسے عطا کیے تھے، جنکو سرور کائنات ؐ کی صحبت اور تعلیم نے ناقابل مغلوب طاقت اور عرفانی جوش کا پتلا بنادیا تھا، دوسرے حریف مین حقانیت نہونے کے باعث ثبات واستقامت کی بڑی کمی تھی، برخلاف اس کے جناب امیر کے مقابلہ مین جو لوگ کھڑے ہوے وہ دنیائے اسلام مین مخصوص عزت واقتدار کے مالک تھے حضرت عائشہ رضؓ خلیفۂ اول کی صاحبزادی اور سرور کائنات ؐ کی محبوب ترین حرم، اور تمام مسلمانون کی مان تھین، اسی طرح حضرت زبیرؓ آنحضرت صلعم کے پھوپھی زاد بھائی، ہمزلف، خلیفۂ اول کے داماد اور "حواری رسول اللہ صلعم" کے خطاب سے مخاطب تھے، حضرت طلحہ رضؓ غزوۂ احد کے ہیرو، رسول اللہ ؐ کے ہمزلف اور ارباب حل وعقد مین شامل تھے، دوسری طرف

امیر معاویہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے حقیقی بھائی اور بیس برس سے شام کے گورنر تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ بھی ایک ذی اقتدار صحابی اور مصر کے فاتح تھے، پھر اسی کے ساتھ ان میں سے ہر ایک اپنے کو برسر حق سمجھتا تھا ساتھ ہی انکو ایسے جان نثار و وفا شعار ملے تھے کہ شیعیان علی میں مخصوص اشخاص سے قطع نظر کرکے ایک بھی اس جوش و فدویت سے سرفراز نہ تھا،

حضرت علیؓ کی سیاسی ناکامی کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہ جس زہد و اتقا و دینداری و امانت، عدل و انصاف، کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے، اور لوگوں کو دوبارہ جس راستہ پر لانا چاہتے تھے، زمانہ کے تغیر اور حالات کے انقلاب نے اس کے لیے لوگوں کے قلوب میں صلاحیت باقی نہیں رکھی تھی، ایک طرف امیر معاویہ اپنے طرفداروں کے لیے بیت المال کا خزانہ لٹا رہے تھے، دوسری طرف حضرت علیؓ ہر شخص سے ایک ایک خرمہرہ کا حساب مانگتے تھے، یہی سبب تھا کہ حضرت علیؓ کے طرفدار دل برداشتہ اور اُن کے اعزہ تک ان سے جدا ہو رہے تھے، لیکن بہرحال حق حق تھا اور باطل باطل، اگر حضرت علیؓ ایسا نہ کرتے تو گو سیاسی حیثیت سے وہ ناکام نہ ہوتے مگر زہد و تقوی اور دیانت و امانت کی عدالت میں وہ ناکام ہی ٹھہرتے، ان کی بظاہر ناکامی کا دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ اُن کے طرفداروں اور حامیوں میں پورا اتحاد خیال اور کامل خلوص نہ تھا،

اس جماعت میں ایک بڑا فرقہ عبداللہ بن سبا کا تھا جس کا عقیدہ تھا کہ جناب مرتضی رسول اللہ کے وصی ہیں پھر اس خیال نے یہان تک ترقی کی کہ سبائی فرقہ کے لوگ حضرت علیؓ کو نبوت سے بالاتر سمجھنے لگے بلکہ بعض خدا کہنے لگے، حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو عبرت انگیز سزائیں دیں لیکن جو وبا پھیل چکی تھی اس کا دور کرنا آسان نہ تھا، اسی فرقہ نے مذہب کے علاوہ سیاسی حیثیت سے بھی نقصان پہونچایا، واقعہ جمل میں صلح ممکن تھی لیکن اسی جماعت نے پیشدستی کرکے جنگ شروع کردی

دوسری جماعت قرا، اور حفاظِ قرآن کی تھی جو ہر معاملہ مین قرآن پاک کی لفظی مطابقت چاہتی تھی، معنے اور مفہوم سے اس کو چندان سروکار نہ تھا، چنانچہ واقعہ تحکیم کے بعد یہی جماعت خارجی فرقہ کی صورت مین ظاہر ہوئی،

حضرت علیؓ کے حاشیہ نشینون مین کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو درحقیقت جان نثار و وفا شعار تھے، لیکن معرکۂ صفین مین کامل جد وجہد کے بعد درِ مقصود تک پہونچکر غنیم کی چال سے محروم واپس آنا نہایت ہمت شکن واقعہ تھا، اس نے تمام جان نثارون کے عزائم اور ارادے پست کردیے تھے، غرض جناب مرتضیٰؑ نے گذشتہ بالا مجبوریون کے باوجود غیر معمولی ہمت واستقلال اور عدیم النظیر عزم وثبات کے ساتھ آخری لمحۂ حیات تک مشکلات ومصائب کا مقابلہ کرکے دنیا کے سامنے بے نظیر تحمل وسلامت روی کا نمونہ پیش کیا، اور اپنی ناکامی کا مشاہدہ کرنے کے باوجود دیانتداری اور روحِ شریعت سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ فرمایا کہ اگر ایسا نہ کرتے تو دنیا گو کامیاب ہوجاتی مگر دین ناکام رہ جاتا، جسکا بچانا ایک خلیفۂ راشد اور جانشینِ رسولؐ کا سب سے پہلا بلکہ اصلی فرض تھا،

ملکی نظم ونسق حضرت علی کرم اللہ وجہہ انتظام مملکت مین حضرت عمرؓ کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اس زمانہ کے انتظامات مین کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہین فرماتے تھے، ایک دفعہ نجران کے یہودیون نے (جن کو فاروق اعظمؓ نے حجاز سے جلاوطن کرکے نجران مین آباد کرایا تھا) نہایت لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن مین واپس آنے کی اجازت دیجائے، حضرت علیؓ نے صاف انکار کردیا اور فرمایا کہ عمرؓ سے زیادہ کون صحیح الرائے ہوسکتا ہے[1]؟

عمال کی نگرانی ملکی نظم ونسق کے سلسلہ مین سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے حضرت علیؓ کو

[1] کتاب الخراج قاضی ابویوسف ومصنف ابن ابی شیبہ کتاب التفریق

اس کا خاص اہتمام مدِنظر تھا، وہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تھے تو پہلے بلا کر نہایت مفید اور گران بہا نصائح کرتے تھے[1]، لیکن صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ عمال و حکام کے طرزِ عمل کی تحقیقات بھی کرتے تھے، چنانچہ اُنھوں نے جس فرمان کے ذریعہ سے حضرت کعب بن مالکؓ کو اس کارِ اہم پر مامور کیا تھا اُس کے چند ابتدائی فقرے یہ ہیں،

اخرج فی طائفۃ من اصحابک حتی تمر	تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لیکر روانہ ہو جاؤ اور عراق
بارض السواد کورۃ کورۃ فتسألہم عن	کے ہر ضلع میں پھر کر عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش
عمالہم وتنظر فی سیرتہم الخ[2]	پر غائر نظر ڈالو،

وہ بطورِ خود اس شدت کے ساتھ عمال سے بازپرس کرتے تھے کہ بعض خائف ہو کر بھاگ گئے، چنانچہ ایک دفعہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لیکر پانچسو لونڈی اور غلام خرید کر آزاد کیے، کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؓ نے سختی کے ساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا، مصقلہ نے کہا خدا کی قسم عثمان کے نزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی، لیکن یہ تو ایک ایک حبہ کا تقاضا کرتے ہیں، اور نا داری کے باعث مجبور ہو کر امیر معاویہؓ کی پناہ میں چلے گئے، جناب امیرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا،

بترحہ اللہ فعل فعل السید وفر فرار العبد	خدا اس کا بُرا کرے! اس نے کام تو سید کا کیا لیکن غلام
وخان خیانۃ الفاجر، اما واللہ لو انہ	کی طرح بھاگا اور فاجر کی طرح خیانت کی، خدا کی قسم اگر وہ مقیم
اقام فعجز ما زدنا علی حبس فان وجدنا	رہتا تو قید سے زیادہ اس کو سزا نہ دیتا اور اگر اس کے پاس
لہ شیئا اخذناہ وان لم نقدر علی مال ترکناہ[3]	کچھ ہوتا تو لیتا ورنہ معاف کر دیتا،

بازپرس کے عام اصول سے مخصوص اعزہ و اقارب بھی مستثنیٰ نہ تھے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ

[1] کتاب الخراج ص ۹ و [2] کتاب الخراج ص ۷۶، [3] تاریخ طبری ص ۳۴۴۲،

حضرت علیؓ کے ابن عم تھے اور بصرہ کے عامل تھے، انھون نے ایک دفعہ بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لے لی، حضرت علیؓ نے چشم نمائی کی تو جواب دیا کہ مین نے ابھی اپنا پورا حق نہین لیا ہے لیکن اس جواب کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے،[1]

صیغۂ مال حضرت علیؓ نے صیغۂ مال مین خاص خاص اصلاحات جاری کین، اس سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہین حاصل کیا جاتا تھا، اس عہد مین جنگلات کو بھی محاصل ملکی کے ضمن مین داخل کیا گیا، چنانچہ برس کے جنگل پر چار ہزار درہم مالگذاری تشخیص کی گئی،[2]

عہد نبوی مین گھوڑا زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھا لیکن عہد فاروقی مین عام طور پر اسکی تجارت ہونے لگی، تو اسپر بھی زکوٰۃ مقرر ہوگئی، حضرت علیؓ نے اسکو موقوف کر دیا، کیونکہ تمدنی اور جنگی فوائد کے لحاظ سے گھوڑون کی افزائش نسل مین سہولت بہم پہونچانا نہایت ضروری تھا،[3]

جناب امیرؓ محاصل ملکی کے وصول کرنے مین نہایت سخت تھے لیکن اسی کے ساتھ رعایا کی فلاح و بہبود کا بھی خاص خیال تھا، معذور اور نادار آدمیون کے ساتھ کسی قسم کی سختی نہین کی جاتی تھی، یہان تک کہ محتاج ذمی اور غیر مذاہب کے دینی پیشوا بھی جزیہ سے مستثنیٰ کر دیے گئے تھے، قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج مین اُس کے متعلق ایک مفصل فرمان درج کیا ہے، لیکن ہم طوالت کے خوف سے اس کو نظر انداز کرتے ہین[4]

رعایا کے ساتھ شفقت حضرت علیؓ کا وجود باجود رعایا کے لیے آیۂ رحمت تھا، بیت المال کے دروازے غربا و مساکین کے لیے کھلے ہوئے تھے اور اس مین جو رقم جمع ہوتی تھی نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین مین تقسیم کر دی جاتی تھی، ذمیون کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ تھا، ایران مین مجوسی سازشون کے باعث بار ہا بغاوتین ہوئین لیکن حضرت علیؓ نے ہمیشہ نہایت

---

[1] تاریخ طبری ص ۳۴۵۳ [2] کتاب الخراج ص ۵۰ [3] کتاب الخراج ص ۴۴ [4] کتاب الخراج ص ۷۲،

ترحم سے کام لیا، یہاں تک کہ ایرانی اس لطف وشفقت سے متاثر ہوکر کہتے تھے "خدا کی قسم اس عربی نے نوشیروان کی یاد تازہ کردی"

فوجی انتظامات: حضرت علیؓ خود مردِ میدان تھے اس لیے قدرةً فوج میں ہر دلعزیزی حاصل تھی، مسلسل خانہ جنگیوں اور بغاوتوں کے باعث اُن کو مخصوص انتظامات کی ضرورت پیش آئی مثلاً ملک کا وہ حصہ جو شام سے متصل تھا، اس میں نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں چنانچہ سنہ ۳۹ھ میں امیر معاویہ نے اپنی فوج کو متعدد حصوں میں تقسیم کرکے عراق پر عام یورش کی تو پہلے انہی سرحدی فوجوں نے اُن کو آگے بڑھنے سے روکا، اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کے باعث بیت المال اور عورتوں، دربچوں کی حفاظت کے لیے نہایت مستحکم قلعے بنوائے، چنانچہ حضرت علیؓ کے عامل زیاد نے اصطخر میں جو قلعہ تعمیر کرایا تھا اس کا نام حصنِ زیاد تھا[1]

جنگی تعمیرات کے سلسلہ میں دریائے فرات کا پُل بھی جو معرکہ صفین میں فوجی ضروریات کے خیال سے تعمیر کیا تھا لائقِ ذکر ہے،

مذہبی خدمات: امامِ وقت کا سب سے اہم فرض مذہب کی اشاعت اور تبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم وتلقین ہے، حضرت علیؓ عہدِ نبوت ہی سے اِن خدمات میں سب سے پیش پیش تھے، یمن میں اسلام کی روشنی انہی کی کوشش سے پہونچی، سورۂ برات نازل ہوئی تو اس کی اشاعت وتبلیغ کی خدمت انہی کے سپرد ہوئی،

مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو خانہ جنگیوں نے فرصت نہ دی، تاہم اس فرض سے بالکل غافل نہ تھے، ایران اور آرمینیا میں بعض نومسلم عیسائی مرتد ہوگئے تھے، حضرت علیؓ نے نہایت

[1] طبری ص ۳۴۵۰،

سختی کے ساتھ ان کی سرکوبی کی، چنانچہ ان مین سے اکثر تائب ہو کر پھر دائرۂ اسلام مین داخل ہو گئے،

خارجیون کی سرکوبی اور بعض سبائی جو غلو کر کے جناب مرتضیٰ کو خدا کہنے لگے تھے ان کو سزا دینا بھی دراصل مذہب کی ایک بڑی خدمت تھی،

حضرت علیؓ نے قوم کی اخلاقی نگرانی کا بھی نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا، مجرمون کو عبرت انگیز سزائین دین، اور جرم کی نوعیت کے لحاظ سے نئی سزائین ایجاد کین جو ان سے پہلے اسلام مین رائج نہ تھین، مثلاً زندہ جلانا، مکان مسمار کرا دینا، چوری کے علاوہ دوسرے جرم مین بھی ہاتھ کاٹنا وغیرہ وغیرہ لیکن اس سے یہ قیاس نہین کرنا چاہیے کہ حضرت علیؓ حدود کے اجرا مین کسی اصول کے پابند نہین تھے، زندہ جلا دینے کی سزا چند زندیقون کو دی تھی، مگر حضرت ابن عباسؓ نے آپ کو اس غلطی پر متنبہ کیا، اور کہا کہ آنحضرت صلعم نے اس سزا کی ممانعت فرمائی ہے، حضرت علیؓ نے جب یہ سنا تو ان کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی[1]، شراب نوشی کی سزا مین کوڑون کی مقدار متعین نہ تھی، حضرت علیؓ نے اس کے لیے اسی کوڑے تجویز کیے[2]،

دُرّے مارنے والون کو ہدایت تھی کہ چہرہ اور شرمگاہ کے علاوہ تمام جسم پر کوڑا مار سکتے ہین عورتون کے لیے حکم تھا کہ ان کو بٹھا کر مارین اور کپڑے سے تمام جسم کو اس طرح چھپا دین کہ کوئی عضو بے ستر ہونے نہ پائے، اسی طرح رجم کی صورت مین عورت کو ناف تک زمین مین گاڑ دینا چاہیے[3]

اقرار جرم کی حالت مین صرف ایک دفعہ کا اقرار کر لینا کافی نہ تھا، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے بارگاہِ خلافت مین حاضر ہو کر عرض کی "امیر المومنین! مین نے چوری کی ہے" حضرت علیؓ نے اس دفعہ صرف غضب آلود نگاہ ڈال کر اس کو واپس کر دیا، لیکن جب اس نے پھر تکرار

---

[1] ترمذی حدود مرتد [2] کتاب الخراج ص ۹۹ و سنن ابی داؤد کتاب الحدود [3] کتاب الخراج ص ۹۷،

حاضر ہو کر اقرارِ جرم کیا تو فرمایا اب تم نے اپنا جرم آپ ثابت کردیا اس وقت اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا[1]،

جرم کا ارادہ یا اُس کے لیے ابتدائی عمل قبل از وقوعِ جرم انسان کو مجرم نہیں بنا سکتا چنانچہ ایک شخص نے ایک مکان مین نقب لگائی اور چوری کرنے سے قبل پکڑ لیا گیا حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اُس پر کسی قسم کی حد نہین جاری کی[2]،

دس درہم سے کم کی چوری مین ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ تھا، اسیطرح اگر مجرم نشہ کی حالت مین ہو، تو نشہ اُترنے کا انتظار کیا جاتا تھا[3]،

اسی طرح جو عورتین ناجائز حمل سے حاملہ ہوتی تھین اُن پر حد جاری کرنے کے لیے وضعِ حمل کا انتظار کیا جاتا تھا، تاکہ بچہ کی جان کو نقصان نہ ہو پہنچے جسکا درحقیقت کوئی گناہ نہین،

عام قیدیون کو بیت المال سے کھانا دیا جاتا تھا لیکن جو لوگ محض اپنے فسق و فجور کے باعث نظربند کیے جاتے تھے وہ اگر مالدار ہوتے تھے تو خود اُن کے مال سے اُن کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا ورنہ بیت المال سے مقرر کردیا جاتا تھا[4]،

تعزیری سزا حضرت علیؓ نے جو بعض غیر معمولی سزائین تجویز کین وہ دراصل تعزیری سزائین تھین حضرت عمرؓ نے بھی اس قسم کی تعزیری سزائین جاری کی تھین چنانچہ اُن کے عہد مین ایک شخص نے رمضان مین شراب پی تو اسی کوڑے کے بجائے سو کوڑے لگوائے کیونکہ اُس نے بادہ نوشی کے ساتھ رمضان کی بے حرمتی بھی کی تھی[5]

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۰۳ [2] ایضاً ص ۱۰۴، [3] ایضاً ۱۰۰ [4] ایضاً ص ۸۸،

[5] ایضاً ص ۱۰۰

فضل وکمال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بچپن ہی سے درسگاہِ نبوت مین تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا موقع ملا، اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہا، خود مسند مین اُن سے روایت ہے کہ مین روزانہ صبح کو ایک خاص وقت مین معمولاً آپ کی خدمت مین حاضر ہوا کرتا تھا[1] اور تقرب کا یہ درجہ میرے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھا[2] ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رات دن مین دوبار اس قسم کا موقع حاصل ہوتا تھا[3] سفر مین بھی آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا اور اس حالت مین بہت سے شرعی احکام سے واقف ہونے کا موقع حاصل ہوتا تھا، چنانچہ شریح بن ہانی نے حضرت عائشہؓ سے مسح علی الخفین کے متعلق سوال کیا تو اُنھون نے اس کے لیے حضرت علیؓ کا نام بتایا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ آپ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے[4] شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا مین اسی تقرب وتربیت کو اُن کے فضائل کی اصلی بنیاد قرار دیا ہے، چنانچہ پہلے امام احمد بن حنبل جن کی سند سے ایک حدیث روایت کی ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جسقدر فضائل مذکور ہین کسی صحابی کو یہ شرف حاصل نہین ہے اس کے بعد اس حدیث کی تشریح اس طرح کی ہے،

> عبد ضعیف گوید سبب این معنی اجتماع دو جہت است در مرتضی رضی اللہ عنہ
> یکے رسوخ او درسوابق اسلامیہ، دوم قرب قرابت او با نحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
> وانجناب علیہ الصلوۃ والسلام افضل ناس بارعام واعرف ناس بحقوقِ قرابت بودند بازچون
> عنایت الٰہی مساعدت نمود حضرت مرتضےٰ را درکنار تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مسند جلد ۱ صفحہ ۷۷ [2] ایضاً صفحہ ۸۰ [3] ایضاً صفحہ ۸۵ [4] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲۱

انداخت، مرتبہ قرابت دو بالا شد کراست دیگر در کار او کردند رضی اللہ عنہ باز چون حضرت فاطمۂ زہرا را رضی اللہ عنہا در عقد او دادند مزید فضیلت با دیار شد[1]،

اس تقرب و اختصاص کی بنا پر رسول اللہ صلعم خود اُن کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے[2] بعض موقعون پر قرآن مجید کی آیتون کی تفسیر کرتے تھے[3]۔ چند مخصوص حدیثین بھی قلمبند کرلی تھین[4]۔ غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابتدا ہی سے علم وفضل کے گہوارے مین تربیت پاکر غیر معمولی تبحر اور فضل وکمال کے مالک ہوئے اور انا مدینۃ العلم وعلی بابہا (مین علم کا گھر ہون اور علی اس کا دروازہ ہین) کے طغرائے خاص سے ممتاز ہوئے[5]،

ظاہری نوشت وخواند مین بھی پورا ملکہ رکھتے تھے، گو تصریح نہین ملتی، مگر قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلیم آپ نے بچپن ہی مین حاصل کی تھی، کیونکہ تاریخ نبوی اور تاریخ ہجرت کے روشن عہد کے تمام اہم واقعات راویون کے بیان مین آتے ہین، لیکن اس سلسلہ مین آپ کے حصولِ تعلیم کا ذکر نہین ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظاہری حصولِ تعلیم کا زمانہ اس سے پہلے غالباً ختم ہوچکا تھا، تحریر ونوشت مین آپ کو جو ملکہ حاصل تھا، اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ وحیِ مبارک کے کاتبون مین آپ کا اسمِ گرامی بھی داخل ہے نیز آنحضرت صلعم کی طرف سے جو مکاتیب دفرامین لکھے جاتے تھے، اُن مین بعض آپ کے دستِ مبارک کے بھی لکھے ہوئے تھے، احادیث وسیر مین خصوصیت کے ساتھ اس صلحنامۂ حدیبیہ کا آپکے ہاتھ سے لکھا جانا مذکور ہے،

---

[1] ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۲۰۲ [2] مسند جلد ۱ صفحہ ۸۳ [3] صفحہ ۸۵ [4] ۸۳ و ۷ [5] جامع ترمذی مناقب علی رتضیٰ مین ہے انا دار الحکمۃ وعلی بابہا، لیکن امام ترمذی نے اس کو منکر کہا ہے، حاکم نے مستدرک صفحہ ۲ و ۱۲۴ اس روایت کے متعدد راویون کو جمع کیا ہے، اور اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی، لیکن امام ذہبی نے اُن کے صحیح کہنے کو تسلیم نہین کیا ہے،

تفسیر اور علوم القرآن | اسلام کے علوم و معارف کا اصل سرچشمہ قرآن پاک ہے، حضرت علی مرتضیٰؓ اس سرچشمہ سے اچھی طرح سیراب تھے، وہ اُن صحابہ میں تھے جنھوں نے آنحضرت صلعم کی زندگی ہی میں پورا قرآن زبانی یاد کرلیا تھا، نہ صرف لفظی طور سے آپ اُس کے حافظ تھے، بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شانِ نزول سے واقف تھے ابن سعد میں ہے کہ ایک موقع پر خود جناب مرتضیٰؓ نے علی الاعلان فرمایا کہ "میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ یہ کہاں، اور کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی[1]، حضرت علیؓ کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے اور صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ کے سوا اسمیں آپ کا کوئی مشکل ثانی ہے، چنانچہ تمام ذاتی تفسیروں میں مثلاً ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، ابن کثیر وغیرہ میں بکثرت آپکی روایت سے آیات کی تفسیریں منقول ہیں، ابن سعد میں ہے کہ آپ نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد چھ مہینے تک جو گوشہ نشینی اختیار کی اس میں آپ نے تنہا بیٹھ کر قرآن مجید کی تمام سورتوں کو نزول کی ترتیب سے مرتب کیا، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں سورتوں کی اس ترتیب کو نقل کیا ہے،

قرآن پاک سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں آپکو ید طولیٰ حاصل تھا، چنانچہ تحکیم کے مسئلہ میں جب خوارج نے آپ پر اعتراض کیا کہ فیصلہ کا حق خدا کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں کہ ان الحکم الا اللہ، آپ نے قرآن کے تمام حافظ اور واقف کاروں کو جمع کیا اور فرمایا کہ میاں بیوی میں جب اختلافِ رائے ہو تو اللہ تعالیٰ حکم بنانے کی اجازت دے وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا اور امت محمدیہ میں جب اختلافِ رائے ہوجائے تو حکم بنانا جائز نہو، کیا تمام امتِ محمدیہ کی حیثیت ایک مرد اور ایک عورت سے بھی خدا کی نگاہ میں کم ہے[2]

[1] ابن سعد جزو ثانی قسم ثانی صفحہ ۱۰۱ [2] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۸۶،

علم ناسخ ومنسوخ مین آپ کو کمال حاصل تھا، اور اُسمین آپ کو بڑا اہتمام مدِ نظر تھا، اُن لوگون کو جن کو اس مین درک نہوتا، آپ درس و وعظ سے روک دیتے تھے، چنانچہ کوفہ مین آپ کی جامع مسجد مین جو شخص وعظ وتذکیر کرنا چاہتا تھا، آپ دریافت فرماتے تھے کہ تم کو ناسخ ومنسوخ کا بھی علم ہے؟ جب وہ نفی مین جواب دیتا تھا تو اُس کو زجر و توبیخ فرماتے تھے، اور درس و وعظ کی اجازت نہین دیتے تھے،

آیات کی تفسیر وتاویل کے متعلق آپ سے اسقدر کثیر روایتین ہین کہ اگر ان کا استقصا کیا جائے تو ایک مستقل ضخیم کتاب تیار ہوجائے، اسی لیے یہان اُن کو نقل کرنے کی کوشش نہین کیگئی،

بعض لوگون کو خیال تھا کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو ان ظاہری علوم کے سوا کچھ خاص باتین اور بھی بتائی ہین، اُن کے شاگردون سے اُن سے پوچھا کہ کیا قرآن کے سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے؟ فرمایا قسم ہے اس کی جو دانہ کو پھاڑ کر (درخت اگاتا ہے) اور جو جان کو (جسم کے اندر) پیدا کرتا ہے، کہ قرآن کے سوا کچھ اور نہین، لیکن قرآن کے سمجھنے کی قوت (فہم) یہ دولت خدا جسکو چاہے دیدے، اور چند حدیثین میرے پاس ہین، اس موقع پر علی مرتضیٰؓ نے جو قسم کھائی ہے میرے خیال مین اس مین بھی ایک خاص نکتہ ہے، یعنی قرآن کی آیتون کی مثال تخم اور جسم کی ہے، اور اس کے معنی ومقصود کی مثال درخت کی ہے جو اسی تخم سے پیدا ہوتا ہے، اور جان کی ہے جو جسم مین پوشیدہ رہتی ہے تو جس طرح ایک چھوٹے تخم کے اندر سے اتنا بڑا عظیم الشان درخت پیدا ہوجاتا ہے، جو درحقیقت اس کے اندر مخفی تھا، اور اسی طرح روح بھی اسی جسم مین چھپی رہتی ہے اور تمام اعمالِ انسانی اسی سے ظاہر ہوتے ہین، اسی طرح قرآن پاک کے ان ظاہری الفاظ کے معانی ومطالب ہر صاحبِ فہم اپنی استعداد کے مطابق پیدا کرتا ہے،

سلہ صحیح بخاری کتاب الدیات وابن حنبل جلد اول صفحہ ۷۹ وصفحہ ۱۰۰

علم حدیث

جناب مرتضیٰؓ نے آنحضرت صلعم کی آغوشِ تعلیم مین تقریباً تیس برس کی زندگی پائی اور یہ تمام تر زمانہ رفاقتِ نبوی مین بسر کیا، اس لیے احکام و فرائض، اور ارشاداتِ نبوی کے خزانہ کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو چھوڑکر آپ سے زیادہ امین کون ہوسکتا ہے، پھر آپ نے تمام اکابر صحابہ مین وفاتِ نبوی کے بعد سب سے زیادہ عمر پائی، یعنی آنحضرت صلعم کے بعد تقریباً تیس برس تک ارشاد و افادت کی مسند پر جلوہ گر رہے، خلفاے سابقینؓ کے عہد مین بھی آپ کے سپرد یہ خدمت رہی، اور اُن کے بعد جب آپ خود منصبِ خلافت پر مامور ہوئے تو یہ فیض بدستور جاری رہا، اس لیے تمام خلفا، مین احادیث کی روایت کا زمانہ آپ کو سب سے زیادہ ملا، اور اسی لیے خلفاے سابقین کے مقابلہ مین آپ کی روایتون کی تعداد بہت زیادہ ہے، تاہم اس بنا پر کہ احادیث کی روایت مین آپ بھی دیگر خلفا اور اکابر صحابہ کی طرح محتاط اور متشدد تھے، عام کثیر الروایہ صحابہ کے مقابلہ مین آپ کی روایتین بہت کم ہین، چنانچہ آپ سے کل ۵۸۶ حدیثین مروی ہین، جن مین سے بیس حدیثون پر بخاری و مسلم دونون کا اتفاق ہے، اور نو حدیثین صرف بخاری مین ہین، مسلم مین نہین، اور دس حدیثین مسلم مین ہین بخاری مین نہین، غرض صحیحین مین آپ کی انتالیس حدیثین ہین،

آپ نے آنحضرت صلعم سے براہِ راست جو حدیثین نقل فرمائی ہین اُن کے علاوہ اپنے رفقا، اور ہم عصرون سے بھی روایتین لی ہین، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت مقداد بن الاسودؓ اور اپنے جگر گوشۂ رسول فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا سے بھی روایتین کی ہین،

جن لوگون نے آپ سے روایتین کی ہین، اُن مین آپ کی عترت مطہرہ اولاد امجاد مین سے حسب ذیل اصحاب ہین، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، محمد بن حنفیہ، عمر، فاطمہ، (صاحبزادے اور صاحبزادیان) محمد بن عمر بن علی، علی بن حسین بن علی (پوتے) عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب (بھتیجے)

جعدہ بن ہبیرۃ مخزومیؓ (بھانجے) اور عام اصحاب میں سے حسب ذیل اصحاب آپ کے حلقۂ علم سے نسبت رکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ براء بن عازبؓ، ابوہریرہؓ ابوسعید خدریؓ بشر بن شحیم غفاریؓ، زید بن ارقمؓ سفینہ مولی رسول اللہ صلعم صہیب رومیؓ، ابن عباسؓ ابن عمرؓ ابن زبیرؓ عمرو بن حریثؓ، نزال بن سبرہ ہلالیؓ، جابر بن سمرہؓ، جابر بن عبداللہؓ ابوجحیفہؓ ابوامامہؓ ابولیلی انصاریؓ ابوموسیٰؓ مسعود بن حکم زرقیؓ، ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ عبیداللہ بن ابی رافعؓ (کاتب) اور ام موسیٰؓ (جاریہ)

اور تابعین میں سے حسب ذیل اشخاص نے آپ سے فیض پایا، زر بن حبیش زید بن وہب ابوالاسود دؤلی، حارث بن سوید التیمی، حارث بن عبداللہ الاعور حرملہ مولی اسامہ بن زیدؓ، ابوساسان حضین بن منذر الرقاشی، حجیہ بن عبداللہ الکندی، ربعی بن حراش، شریح بن ہانی، شریح بن النعمان الصائدی، ابووائل شقیق بن سلمہ شبث بن ربعی، سوید بن غفلہ عاصم بن ضمرۃ، عامر بن شراحیل الشعبی، عبداللہ بن سلمہ مرادی، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عبداللہ بن شقیق عبداللہ بن معقل بن مقرن عبد خیر بن یزید الہمدانی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عبیدہ سلمانی علقمہ بن قیس النخعیؒ، عمیر بن سعید النخعی قیس بن عباد البصری، مالک بن اوس بن حدثان مروان بن حکم اموی، مطرف بن عبداللہ بن شخیر، نافع بن جبیر بن مطعم، ہانی بن ہانی، یزید بن شریک التیمی، ابوبردہ بن ابی الموسی الاشعری، ابوحیہ وادعی، ابوالخلیل الحضرمی، ابوالصالح الحضرمی ابوصالح الحنفی، ابوعبدالرحمن السلمی، ابوعبید مولی ابن ازہر، ابوالہیاج الاسدیؒ وغیرہ،

شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی تمام حدیثوں پر ایک اجمالی نظر ڈال کر یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے حلیۂ اقدس، آپ کی نماز و مناجات دعا، اور نوافل کے

لہ یہ فہرست تہذیب التہذیب سے منقول ہے،

کے متعلق سب سے زیادہ روایتین حضرت مرتضیٰ رضؓ ہی سے ہین جسکی وجہ یہ ہے کہ وہ ہروقت رفاقتِ نبوی مین رہتے تھے اور اُن کو عبادتون سے خاص شغف تھا،[1]

احادیث کو صورتِ تحریر مین لانے کا شرف جن چند صحابہ کو حاصل ہُوا ان مین حضرت علی مرتضیٰؓ بھی داخل ہین، فہمِ قرآن کے سلسلہ مین جو روایت اوپر گذری ہے اس مین چند حدیثون کا ذکر ہے وہ وہی ہین جن کو آنحضرت صلعم سے سنکر آپ نے ایک ایک کاغذ پر لکھ لیا تھا، یہ تحریر لپٹی ہوئی آپ کی تلوار کے نیام مین لٹکی رہتی تھی، اسی کا نام آپ نے صحیفہ رکھا تھا اُس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابون مین آیا کرتا ہے، یہ حدیثین چند فقہی احکام سے متعلق تھین،[2]

فقہ و اجتہاد حضرت علی مرتضیٰؓ کو فقہ و اجتہاد مین بھی کامل دسترس حاصل تھی، بلکہ علم و اطلاع کی وسعت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو آپ کی ستخراجانہ قوت سب سے اعلےٰ ماننی پڑے گی، بڑے بڑے صحابہ یہان تک کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کو بھی گاہے گاہے حضرت مرتضیٰؓ کے فضل و کمال کا ممنون ہونا پڑا،

فقہ و اجتہاد کے لیے کتاب و سنت کے علم کے ساتھ سُرعتِ فہم، دقیقہ سنجی، انتقالِ ذہنی اور کثرتِ معلومات کی ضرورت ہے اور حضرت علی مرتضیٰؓ کو یہ دولت خداداد حاصل تھی، مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ واقعہ پیش آتا تھا مگر حضرت علی مرتضیٰؓ اُس کی تہ کو بآسانی پہنچ جاتے تھے، اور صحیح جواب دیتے تھے، شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا مین آپ کی طبّاعی اور انتقالِ ذہنی کے بہت سے قصے نقل کیے ہین، لیکن ہم طوالت کے خوف سے

---

[1] ازالۃ الخفا صفحہ ۲۷۰، [2] صحیح بخاری کتاب العلم باب کتابت العلم و جلد دوم کتاب الاعتصام و مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۷۰۹،

اُن کو نظر انداز کرتے ہیں،

ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی، حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا، حضرت علیؓ نے کہا یہ ممکن نہیں، کہ مجنون حدود شرعی سے مستثنیٰ ہیں، یہ سنکر حضرت عمرؓ اپنے ارادہ سے باز آگئے[1] ایک بار حضرت عمرؓ نے حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کو احرام کی حالت میں زعفرانی لباس پہنے دیکھا، تعجب سے پوچھا کہ یہ لباس کیسا؟ حضرت علیؓ نے برہم ہو کر کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص ہم لوگوں کو سنت کی تعلیم دے سکتا ہے، حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے،[2]

ایک دفعہ حج کے موسم میں حضرت عثمانؓ کے سامنے کسی نے شکار کا گوشت پکا کر پیش کیا، لوگوں نے بحالتِ احرام اس کے کھانے کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف کیا، حضرت عثمانؓ اس کے جواز کے قائل تھے، انھوں نے کہا کہ بحالتِ احرام خود شکار کر کے کھانا منع ہے لیکن جب کسی دوسرے غیر مُحرِم نے شکار کیا ہے تو احرام کی حالت میں ہم کو اس کے کھانے میں کیا حرج ہے، دوسروں نے اس سے اختلاف کیا، حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ کس سے معلوم ہوگا؟ لوگوں نے کہا علی سے، چنانچہ وہ آپکے پاس آئے اور مسئلہ کی صورت پیش کی، حضرت مرتضیٰؓ کام میں مشغول تھے، اُسکو چھوڑ کر فوراً متوجہ ہو گئے، اور فرمایا جن لوگوں کو یہ واقعہ یاد ہو وہ شہادت دیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں جب آپ احرام کی حالت میں تھے، ایک گورخر شکار کر کے پیش کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ تو احرام کی حالت میں ہیں یہ اُن کو کھلا دو جو احرام میں نہیں ہیں، حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے اُٹھ کر اس کی شہادت دی، اسی طرح آپ نے دوسرے واقعہ کا حوالہ دیا،

---

[1] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۱۴۰، [2] مسند شافعی ص ۹۹، مطبوعہ آرہ،

جسمین کسی نے آپ کے سامنے اسی حالتِ احرام مین شترمُرغ کے انڈے پیش کیے تھے، آپ نے اُن کے کھانے سے بھی احتراز فرمایا، اس کی بھی کچھ لوگون نے گواہی دی یہ سُنکر حضرت عثمان رضؓ اور اُن کے رفقا نے اُس کے کھانے سے پرہیز کیا[1]،

ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ سے کسی نے آکر یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار پاؤن دھونے کے بعد کے دن تک موزون پر مسح کرسکتے ہین فرمایا علی سے جاکر دریافت کرو اُن کو معلوم ہوگا کیونکہ وہ سفر مین آنحضرت صلعم کے ساتھ رہا کرتے تھے، چنانچہ وہ سائل حضرت علی رضؓ کے پاس گیا، اُنھون نے بتایا کہ مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات[2]،

حضرت علی رضؓ کی اجتہادی قوت اور دقتِ نظر کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اُنکے حریف بھی دقیق اور مشکل مسائل مین ان کی طرف رجوع کرنے کے لیے مجبور ہوتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ امیر معاویہ رضؓ نے خط لکھ کر دریافت کیا کہ خنثی مشکل کے لیے وراثت کی کیا صورت ہے یعنی وہ مرد قرار دیا جاے یا عورت؟ حضرت علی رضؓ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی علم دین مین ہمارے محتاج ہین پھر جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ مرد ہے یا عورت[3]،

فقہی مسائل مین حضرت علی رضؓ کی وسعتِ نظر کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ وہ جو بات نہین جانتے تھے اسکو آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کرتے تھے، بعض ایسے مسئلے جو شرم و حیا اور رہا ہی نازک رشتہ کے باعث وہ براہِ راست نہین پوچھ سکتے تھے، تو کسی دوسرے کو فرماتے تھے وہ جاکر

[1] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۱۰۰ فقہا رین یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، بہت سے لوگ حضرت عثمان رضؓ کے استدلال کو صحیح سمجھتے ہین اور دیگر احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، بہرحال حضرت علی رضؓ کا فتوی زیادہ محتاطانہ ہے، اسی لیے حضرت عثمان رضؓ نے اس کو قبول کرلیا، [2] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۹۶ و جلد ۶ صفحہ ۵۵، [3] تاریخ الخلفا، سیوطی بحوالہ سنن سعد بن منصور و مسند ہشیم،

آنحضرت صلعم سے دریافت کرتا تھا، اور آپ کو آکر اطلاع دیتا تھا، چنانچہ مذی کا ناقض وضو ہونا، آپ نے اسی طرح بالواسطہ دریافت کرایا[1]،

حضرت علی مرتضیٰؓ متعدد مسائل مین عام صحابہ سے مختلف راے رکھتے تھے خصوصاً حضرت عثمان رضؓ سے بعض خاص مسائل مین وہ شدید اختلاف رکھتے تھے، مثلاً حضرت عثمانؓ حج تمتع کو جائز نہین سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ صرف لڑائی اور بے امنی کی وجہ سے آپ کے عہد مین جائز تھا، اب وہ حالت نہین ہے، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ ہر حال مین جائز سمجھتے تھے، اسیطرح حالتِ احرام مین نکاح اور حالتِ عدت مین عورت کی وراثت وغیرہ کے مسائل مین بھی اختلاف تھا،

حضرت علی مرتضیٰؓ گو تمام عمر مدینہ منورہ مین رہے، لیکن اپنی خلافت کا عہد تمام تر کوفہ مین گذارا، اور احکام اور مقدمات کے فیصلے کا زیادہ موقع یہین پیش آیا، اس لیے آپ کے مسائل و اجتہادات کی زیادہ تر اشاعت عراق ہی مین ہوئی، اسی بناپر حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد حضرت مرتضیٰؓ ہی کے ارشادات اور فیصلون پر ہے،

قضا، اور فیصلے — حضرت مرتضیٰؓ انھین خصوصیات کی بناپر مقدمات کے فیصلون اور قضا کے لیے نہایت موزون تھے اور اس کو صحابہ عام طور سے تسلیم کرتے تھے، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اقضانا علی واقرأنا ابی، یعنی ہم مین مقدمات کے فیصلے کیلیے سب سے موزون علیؓ ہین اور سب سے بڑے قاری ابیؓ ہین[2]"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہین کہ ہم صحابہ کہا کرتے تھے کہ تمام مدینہ والون مین سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علیؓ ہین[3]،

---

[1] صحیح بخاری وغیرہ کتاب الوضوء [2] طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ صفحہ ۱۰۲ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۳۵،

آنحضرت صلعم کی جوہر شناس نظر نے حضرت مرتضیٰؓ کی اس خدا داد قابلیت کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا، یمن جب اسلام لایا تو آنحضرت صلعم نے وہان کے عہدۂ قضا کے لیے آپ کو منتخب فرمایا، حضرت علیؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! وہان نئے نئے مقدمات پیش ہون گے، اور مجھے قضا کا تجربہ اور علم نہین، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھاری زبان کو راہ راست اور تمھارے دل کو ثبات و استقلال بخشے گا، حضرت علیؓ فرماتے ہین کہ اس کے بعد پھر مجھے مقدمات کے فیصلہ مین تذبذب نہ ہوا۔[1]

آنحضرت صلعم نے آپ کو قضا، اور فصلِ مقدمات کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے، ارشاد ہوا کہ اے علی جب تم دو آدمیون کا جھگڑا چکانے لگو تو صرف ایک آدمی کا بیان سُنکر فیصلہ نہ کرو، اسوقت تک اپنے فیصلہ کو روکو جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سُن لو،[2]

مقدمات مین اہل مقدمہ اور گواہون پر جرح اور سوالات کرکے اس کی واقعیت کا یقین کرنا بھی حضرت علیؓ کے اصولِ قضا مین داخل تھا، لیکن ایک عورت نے آپ کی عدالت مین آکر علانیہ اپنی نسبت جرمِ زنا کا اعتراف کیا، آپ نے اس سے پے درپے متعدد سوالات کیے اور جب وہ آخر تک اپنے بیان پر قائم رہی تو اس کی سزا کا حکم دیا،[3] اسی طرح لوگون نے ایک شخص کو چوری کے الزام مین پکڑ کر پیش کیا، اور دو گواہ بھی پیش کر دیے، آپ نے گواہون کو سخت دھمکی دی کہ اگر تمھاری گواہی جھوٹی نکلی تو مین یہ سزا دون گا اور یہ کرون گا، وہ کرون گا، اس کے بعد کام مین مصروف ہوگئے، فراغت کے بعد دیکھا تو دونون گواہ موقع پاکر چلدیے تھے، آپ نے ملزم کو بے قصور پاکر چھوڑ دیا،[4]

یمن مین حضرت علیؓ نے دو عجیب و غریب مقدمات کا فیصلہ کیا، یمن نیا نیا مسلمان ہوا تھا، پرانی

---

[1] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۸۳، وحاکم جلد ۳ صفحہ ۱۳۵، [2] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۹۰ و ۱۴۳، [3] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۸۳

[4] تاریخ الخلفا بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ

باتین ابھی تازہ تھین، ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس سے ایک ہی ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے تھے، نو ماہ بعد اُس کے لڑکا ہوا، اب یہ نزاع ہوئی کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے، ہر ایک نے اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا، حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کیے، پھر قرعہ ڈالا جسکے نام قرعہ نکلا لڑکا اس کے حوالہ کیا، اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں مین سے دو حصے اس سے لیکر دلوا دیے، گویا غلام کے مسئلہ پر اُس کو قیاس کیا، آنحضرت صلعم نے جب حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ سُنا تو آپ نے تبسّم فرمایا[۱]،

یمن مین ایک اور واقعہ پیش آیا، چند لوگون نے شیر کے پھنسانے کے لیے ایک کنوان کھودا تھا، شیر اس مین پھنس کر گر گیا، چند اشخاص باہم مذاق مین ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے، کہ اتفاق سے ایک کا پاؤن پھسلا اور وہ اُس کنوئین مین گرا، اس نے اپنی جان بچانے کے لیے بد حواسی مین دوسرے کی کمر پکڑلی، وہ بھی سنبھل نہ سکا، اور گرا، اور گرتے گرتے اس نے تیسرے کی کمر تھام لی تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا۔ غرض چارون اسمین گرے اور شیر نے چارون کو مار ڈالا، ان مقتولین کے ورثہ باہم آمادۂ جنگ ہوئے، حضرت مرتضیٰؓ نے آکر ہنگامۂ وفساد سے روکا، اور فرمایا کہ ایک رسول کی موجودگی مین یہ فتنۂ وفساد مناسب نہین، مین فیصلہ کرتا ہون، اگر وہ پسند نہو تو دربار رسالت مین جا کر تم اپنا مقدمہ پیش کر سکتے ہو، لوگون نے رضامندی ظاہر کی، آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگون نے یہ کنوان کھودا ان کے قبیلون سے ان مقتولین کے خون بہا کی رقم اس طرح وصول کی جائے کہ ایک پوری، ایک ایک تہائی، ایک ایک چوتھائی، اور ایک آدھی، پہلے مقتول کے ورثہ کو ایک چوتھائی خون بہا، دوسرے کو ثلث تیسرے کو نصف، اور چوتھے کو پورا خون بہا دلایا،

لوگ اس بظاہر عجیب و غریب فیصلہ سے راضی نہوئے اور حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہو کر

---

[۱] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۳۵

اس فیصلہ کا مرافعہ (اپیل) عدالت نبوی میں پیش کیا، آنحضرت صلعم نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا[1]۔

روایت میں یہ مذکور نہیں کہ یہ فیصلہ کس اصول پر کیا گیا تھا، صرف پہلے شخص کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ اس کو چوتھائی اس لیے ملا کہ وہ فوراً اوپر سے گرا تھا، ہمارا خیال ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے اس فیصلہ میں اس اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ یہ حادثہ بالقصد قتل اور اتفاقی قتل کے درمیان میں متعرض قصد اور عدم قصد کے بیچ بیچ کی شکل ہے اس لیے عدم قصد و اتفاق اور قصد و ارادہ ان دونوں میں جسکا حصہ جس مقتول میں زیادہ ہے اتنا ہی اسکو کم و بیش دلایا گیا، اس کے بعد وراثت کا اصول پیش نظر رہا، چونکہ یہ معاملہ چار آدمیوں کا تھا، اس لیے کم سے کم رقم ایک چوتھائی مقرر کی، اس کے نکل جانے کے بعد تین آدمی رہ گئے تو اسکو تہائیوں پر تقسیم کرکے تیسرا حصہ یعنے ایک تہائی اس کو دلایا، باقی دو بچے تو دو حصے کرکے نصف تیسرے کا مقرر کیا، اب غور کیجیئے کہ اصل جرم ان لوگوں کا تھا جنھوں نے آبادی کے قریب کنواں کھود کر شیر پھنسانے کی غلطی کی اس لیے کسی متعین قاتل نہونے کے سبب سے قسامت کے اصول سے خون بہا کو ان کے کھودنے والوں اور ان کے ہم قبیلوں پر عائد کیا، پہلا شخص گو اتفاقاً گرا، مگر ایک دوسرے کے ڈھکیلنے کے نتیجہ کو بھی اسمیں دخل تھا، اس لیے پہلے شخص کے گرنے میں اتفاق کا زیادہ اور قصد کو بہت کم دخل تھا اس لیے وہ خون بہا کا کم سے کم مستحق ٹھہرا، یعنی ایک چوتھائی، پہلے نے دوسرے کو گو بالقصد کھینچا، مگر غایت بدحواسی میں، ذرا اسکو اپنے فعل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا بالکل موقع نہیں ملا، اس لیے پہلے کے مقابلہ میں اسمیں اتفاق کا عنصر کم اور قصد کا کچھ زیادہ ہے اس لیے وہ تہائی کا مستحق ہوا، دوسرے کو پہلے نتائج کو دیکھکر اپنے فعل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا موقع زیادہ ملا، اس لیے اسمیں اتفاق کے مقابلہ میں قصد کا عنصر زیادہ تھا اس لیے اُس کو نصف دلایا گیا، تیسرے نے چوتھے کو جو کھینچا، حالانکہ وہ سب سے دو نظارے دیکھ چکا تھا

[1] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۷۷،

اور گذشتہ نتائج کو تیسرے نے خوب غور سے دیکھ لیا تھا، اس لیے وہ تمامتر قصد وارادہ سے گرایا گیا، نیز یہ کہ اُس نے اپنے پہلے رفقار کی طرح کسی اور کے گرانے کا جُرم بھی نہین کیا، اس لیے وہ پوری دیت کا مستحق تھا، واللہ اعلم۔

ایک اور مقدمہ کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ فیصلہ آپ نے فرمایا، دو صاحب (غالباً مسافر) تھے، ایک صاحب کے پاس تین روٹیاں تھین، اور دوسرے کے پاس ۵ روٹیاں تھین، دونون ملکر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تھے کہ اتنے مین ایک تیسرا مسافر بھی آگیا، وہ بھی کھانے مین شریک ہوا، کھانے سے جب فراغت ہوئی تو اس نے آٹھ درم اپنے حصہ کی روٹیون کی قیمت دیدی اور آگے بڑھ گیا، جن صاحب کی پانچ روٹیاں تھین اُنھون نے سیدھا حساب یہ کیا کہ اپنی پانچ روٹیون کی قیمت ۵ درم لی، اور دوسرے صاحب کو ان کی تین روٹیون کی قیمت تین درم دینے چاہے مگر وہ اسپر راضی نہ ہوے اور نصف کا مطالبہ کیا، یہ معاملہ عدالت مرتضوی مین پیش ہوا، آپ نے دوسرے صاحب کو نصیحت فرمائی کہ تمھارا رفیق جو فیصلہ کر رہا ہے اس کو قبول کرلو، اس مین زیادہ تمھارا نفع ہے، لیکن انھون نے کہا کہ حق کے ساتھ جو فیصلہ ہو مجھے منظور ہے، حضرت مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ حق تو یہی کہ تم کو صرف ایک درم اور تمھارے رفیق کو ۷ درم ملنے چاہئین، اس عجیب فیصلہ سے وہ متحیر رہ گیا، آپ نے فرمایا، تم تین آدمی تھے، تمھاری تین روٹیاں تھین، اور تمھارے رفیق کی پانچ تم دونون نے برابر کھائین اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا، تمھاری تین روٹیون کے حصے تین جگہ کیے جائین تو ۹ ٹکڑے ہوتے ہین تمھارے رفیق کی پانچ روٹیون کے تین تین ٹکڑے کیے جائین تو ۱۵ ٹکڑے ہوتے ہین، تم اپنے نو ٹکڑون اور اُسکے پندرہ ٹکڑون کو جمع کرو تو ۲۴ ٹکڑے ہوتے ہین، تینون مین سے ہر ایک نے برابر ٹکڑے کھائے تو فی کس ۸ ٹکڑے پڑتے ہین، تم نے اپنے ۹ مین سے آٹھ خود کھالئے، اور ایک تیسرے مسافر کو دیا، اور تمھارے رفیق نے اپنے ۱۵ ٹکڑون مین سے ۸ خود کھالئے اور ۷ تیسرے کو دیئے اس لیے

۸ درم مین سے ایک کے تم اور ۷ کا وہ مستحق ہے[1]،

کبھی کبھی کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا تو آپ زندہ دلی کا ثبوت بھی دیتے تھے، ایک شخص نے ایک شخص کو یہ کہکر پیش کیا کہ اس نے خواب مین دیکھا ہے کہ اُس نے میری ماں کی آبرو ریزی کی ہے فرمایا ملزم کو دھوپ مین لیجا کر کھڑا کرو، اور اُس کے سایہ کو سو کوڑے مارو[2]،

حضرت علی مرتضیٰؓ کے فیصلے قانون کی نظائر کی حیثیت رکھتے تھے، اس لیے لوگون نے اُن کو تحریری صورت مین مدون کرلیا تھا، مگر چونکہ اس عہد مین اختلاف آرا اور فرقہ آرائی کا زمانہ شروع ہو چکا تھا، ان مین تحریف بھی ہونے لگی چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب ان کے فیصلون کا تحریری مجموعہ پیش ہوا، تو اس مین کے ایک حصہ کو اُنھون نے جعلی بتایا اور کہا کہ اپنی عقل و ہوش کے بجا رہنے کے ساتھ علیؓ کبھی ایسا فیصلہ نہین کر سکتے تھے[3]،

علم اسرار و حکم دنیا مین اہل حکمت اور متکلمین کے دو گروہ ہین، ایک وہ جو اپنی عقل فہم اور علم کی بنا پر ہر شرعی حکم کی جزئی مصلحتون پر نگاہ رکھتے ہین اور اس کے اسرار و حکم کی تلاش مین رہتے ہین، دوسرا گروہ وہ ہے جو ایک ایک حکم کے جزئی مصالح سے دلچسپی نہین رکھتا، بلکہ وہ کلی طور پر پوری شریعت پر ایک بصیرانہ نگاہ ڈالکر ایک کلی اصول طے کرلیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان احکام مین جو جزئی مصلحتین رکھی ہین ان کی تلاش اور جستجو کی ضرورت نہین سمجھتا، صحابہ مین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مذاق علم پہلی قسم کا، اور حضرت علی مرتضیٰؓ کا ذوق دوسری قسم کا معلوم ہوتا ہے، ان کی نظر احکام کی نظری کیفیت پر اتنی نہین پڑتی جتنی اُن کی عملی کیفیت پر، اسی لیے کسی حکم کا انسان کی ظاہری عقل کے خلاف ہونا اُن کے نزدیک چندان اہم نہین کہ انسانی عقل خود ناقص ہے، وہ کسی حکم شرعی کیلیے صحت اور صواب کا معیار نہین بن سکتی،

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی بروایت زر بن حبیش [2] ایضاً بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ [3] مقدمہ صحیح مسلم۔

صحیح بخاری کی تعلیقات مین ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا:

حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ (کتاب العلم)	لوگون سے وہی کہو جو سمجھ سکتے ہون کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ خدا یا خدا کا رسول جھٹلایا جائے،

مقصود یہ ہے کہ اگر اُن سے ایسی باتین کی جائین جو اُن کے فہم سے بالاتر ہون تو لامحالہ اپنی بیوقوفی سے وہ ان باتون کو غلط سمجھین گے، اور اس طرح وہ نادانستگی مین خدا اور رسول کی تکذیب کے جرم کے مرتکب ہون گے، اس لیے لوگون سے اُن کی عقل کے مطابق گفتگو کرنی چاہیے کہ مصالحِ الٰہی ہر شخص کی سمجھ مین یکسان نہین آسکتے ہین،

احکام اور روایات کے بعض الفاظ اگر متعدد معنون کو محتمل ہون تو آپ فرماتے ہین کہ ان مین سے وہی معنی صحیح ہون گے جو رسالت اور نبوت کی شان کے شایان ہون، مسند ابن حنبل کے مطابق اس روایت کے اصل الفاظ یہ ہین آپ نے فرمایا :-

اذا حدثتم عن رسول اللہ صلعم بحدیث فظنوا بہ الذی ھو اھدی والذی ھو اتقی والذی ھو اھنأ (صفحہ ۱۳۰)	جب تم سے رسول اللہ صلعم کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو اُس کے معنی وہ سمجھو جو زیادہ راہ راست زیادہ پرہیزگارانہ اور زیادہ بہتر ہو،

موزون پر مسح کرنا سنت ہے لیکن یہ مسح نیچے تلوون پر نہین بلکہ اوپر پاؤن پر کیا جاتا ہے حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہین، جیسا کہ سنن ابی داؤد مین ہے،

لو کان الدین بالرای لکان باطن القدمین احق بالمسح من ظاھرھما وقد مسح النبی صلعم علی ظھر خفیہ (باب کیف المسح)	اگر احکام دین ظاہری عقل ورائے سے بنائے جاتے تو تلوے اوپر کے پاؤن سے زیادہ مسح کے مستحق ہوتے لیکن آنحضرت صلعم نے موزون کی پشت پا پر مسح فرمایا،

حضرت مرتضیٰؓ کا مقصود یہ ہے کہ چلنے کی وجہ سے اگر گرد وغبار کے دور کرنے اور صفائی کی غرض سے

یہ مسح ہوتا تو نیچے کے تلوؤن پر مسح ہوتا، لیکن آنحضرت صلعم نے نیچے نہین اوپر مسح فرمایا اس لیئے احکامِ الٰہی کے مصالح کی تعیین مین محض ظاہری عقل ورائے کو دخل نہین ہے'

یہی روایت مسند ابن حنبل (جلد اول صفحہ ۱۱۴) مین اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر مین رسول اللہ صلعم کو نہین دیکھتا تو سمجھتا کہ نیچے مسح کرنا اوپر مسح کرنے سے زیادہ بہتر ہے یعنی ظاہری قیاس کا مقتضی یہی تھا، مگر حکم الٰہی صرف ظاہری قیاس پر مبنی نہین'

تصوف اس بیان سے یہ نہ سمجھنا جائے کہ حضرت مرتضیٰ کو اسرارِ شریعت پر عبور نہ تھا، بلکہ اُن کا مسلک یہ تھا کہ عوام کے لیے یہ موزون نہین ہین اور یہ بالکل سچ ہے کہ اس سے عوام کے طبائع مین احکامِ الٰہی کی اتباع اور رہبری کے بجائے، عدمِ عمل کیلئے حیلہ گری اور فلسفیانہ بہانہ جوئی پیدا ہوتی ہے، خواص اس فرق کو سمجھتے ہین اس لیے انھین کے لیے یہ علم موزون ہے چنانچہ تصوف جو مذہب کی جان اور اسرارِ شریعت کی روح ہے اور جو خاصانِ اُمت کے لیے ہے حضرت علی مرتضیٰ نے اس کے حقایق و معارف بہت خوبی سے بیان کیے ہین'

تصوف کے اکثر سلسلے سینۂ مرتضوی پر جاکر ختم ہوتے ہین حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ "اصول اور آزمایش و امتحان مین ہمارے شیخ الشیوخ علی مرتضیٰ ہین" شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا مین لکھا ہے کہ "خلافت سے پہلے حضرت ممدوح کو اسمین بیحد انہماک تھا مگر خلافت کے بعد اس کی مصروفیت نے اُن کو اس فن کی تفصیل بیان کرنے کی فرصت نہ دی"[1]

محدثین کے اصول پر حضرت مرتضیٰ تک یہ صوفیانہ اقوال پایۂ صحت کو نہین پہنچتے اور نہ سلسلۂ صحبت کی کڑیان ثابت ہوتی ہین کہ یہ اکثر سلسلے حضرت حسن بصری پر جاکر تمام ہوتے ہین، اور اُنکو حضرت مرتضیٰ کا فیض پذیر او صحبت یافتہ سمجھا جاتا ہے، مگر حضرت حسن بصری کی یہ صحبت اور تعلیم

[1] ازالۃ الخفار صفحہ ۲۷۴،

محدثین کی روایتون سے ثابت نہین ہوتی بلکہ امام ترمذی نے تو اس سے بھی انکار کیا ہے کہ انھون نے بلا واسطہ حضرت مرتضیٰؓ سے کچھ سنا بھی ہے، بہرحال اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ انھون نے حضرت مرتضیٰؓ کو خلافت سے پہلے مدینہ مین دیکھا تھا اور اُن کے دیدار سے مشرف تھے، اور اس وقت اُنکی عمر غالباً چودہ پندرہ برس کی تھی،

تقریر و خطابت

تقریر و خطابت مین حضرت علی مرتضیٰؓ کو خداداد ملکہ حاصل تھا، مشکل سے مشکل مسئلہ پر بڑے بڑے مجمعون مین فی البدیہہ تقریر فرماتے تھے، تقریرین عموماً مدلل اور مؤثر ہوتی تھین، ۳۹ھ مین جب امیر معاویہؓ نے مدافعت کے بجائے جارحانہ طریق عمل اختیار کیا، تو جمعہ کے روز اپنی جماعت کو اُبھارنے کے لیے جو خطبہ دیا تھا اس سے زورِ تقریر اور حسنِ خطابت کا کافی اندازہ ہوگا،

اما بعد فان الجهاد باب من ابواب	حمد و نعت کے بعد جہاد جنت کے دروازون مین سے
الجنة من تركه البسه الله الذلة وشمله	ایک دروازہ ہے، جس نے اس کو چھوڑا، خدا اسکو ذلت
بالصغار وسيم الخسف وسيل الضيم واني	کا لباس پہناتا ہے، اور رسوائی کو شامل حال کرتا ہے، اور
قد دعوتكم الى جهاد هؤلاء القوم ليلا	ذلت کا مزہ چکھایا جاتا ہے، اور دشمنون کی دست درازی
ونهارا وسرا وجهارا وقلت لكم اغزوهم	مین گرفتار ہوتا ہے، مین نے تم کو شب و روز، علانیہ اور
قبل ان يغزوكم فما غزي قوم في عقر	پوشیدہ ان لوگون سے لڑنے کی دعوت دی اور مین نے
دارهم الا ذلوا واجترء عليهم وهذا	کہا کہ اس سے پہلے کہ وہ حملہ کرین مین حملہ کردون، کوئی قوم جب
هذا اخو بني عامر قد ورد الانبار و	اُسکے گھر مین آکر حملہ کیا جائے وہ ذلیل و رسوا ہوتی ہے، اُسکا
قتل ابن حسان البكري وازال مسالحكم	دشمن اس پر جری ہو جاتا ہے، دیکھو عامری نے انبار مین آکر
عن مواضعها وقتل رجالا منكم صالحين	ابن حسان بکری کو قتل کر دیا، تمھارے مورچون کو اپنی جگہ
وقد بلغني انهم كانوا يدخلون	سے ہٹا دیا، تمھاری فوج کے چند نیکوکار بہادرون کو

بيت المرأة المسلمة والاخرى
المعاهدة فينزع حجلها
من رجلها وقلائدها من عنقها
يا عجباً من امر يميت القلوب ويجلب
الغم ويسعّر الاحزان من اجتماع القوم
على باطلهم وتفرقكم عن حقكم
فبعداً لكم وسحقاً قد صرتم غرضاً تُرمون
ولا تَرمون ويغار عليكم ولا تغيرون
ويعصى الله فترضون اذا قلت لكم
سيروا فى الشتاء قلتم كيف نغزوا
فى هذا القرّ والصرّ وان قلت لكم
سيروا فى الصيف قلتم حتى ينصرم
عنا حارّة القيظ وكل هذا فرار من الموت
فاذا كنتم من الحرّ والقرّ تفرون
فانتم والله من السيف افر والذى
نفسى بيده ما من ذالك تهربون
ولكن من السيف تحيدون يا اشباه الرجال
ولا رجال ويا احلام الاطفال وعقول
ربات الحجال. اما والله لوددت ان الله اخرجنى

قتل کرڈالا، اور مجھے یہ خبر معلوم ہوئی ہے کہ وہ مسلمان اور ذمی
عورتوں کے گھروں میں گھسے اور اُن کے پاؤں سے
اُنکے پازیب اور اُن کے گلے سے اُن کے ہار اتار لیے،
ایک قوم کا باطل پر اجتماع اور تمہارا امر حق سے برگشتہ ہونا
کس قدر تعجب انگیز ہے جو دلوں کو مردہ کرتا ہے اور غم و رنج
کو بڑھاتا ہے، تمہارے لیے دوری و ہلاکت ہو، تم نشانہ
بن گئے ہو، اور تم پر تیر برسایا جاتا ہے لیکن تم خود تیر نہیں
چلا سکتے، تم پر غارت گری کی جاتی ہے لیکن تم خود غارتگری
نہیں کرتے خدا کی نافرمانی کی جاتی ہے اور تم اسکو پسند کرتے ہو
جب تم سے کہتا ہوں کہ موسم سرما میں فوج کشی کرو تو تم کہتے ہو کہ
اس قدر سردی اور پالے میں کس طرح لڑ سکتے ہیں اور اگر کہتا
ہوں کہ موسم گرما میں چلو تو کہتے ہو کہ گرمی کی شدت کم ہو جانے دو تب
حالانکہ یہ سب موت سے بھاگنے کا حیلہ ہے، پس جب تم
گرمی اور سردی سے بھاگتے ہو تو خدا کی قسم تلوار سے اور بھی
بھاگو گے، قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے
تم اس سے نہیں بھاگتے، بلکہ تلوار سے جان چھپاتے ہو، اے
مرد نہیں بلکہ مرد کی تصویر والو اور اے بچوں اور عورتوں
کی سی عقل اور سمجھ رکھنے والو! خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں
کہ خدا تمہاری جماعت سے مجھے نکال لیجائے اور موت دیکر

من بين اظهركم وقبضني الى رحمته من	اپنی رحمت نصیب کرے یا میری تمنا تھی کہ تم سے جان پہچان نہ ہوتی
بينكم وددت انى لم اركم ولم اعرفكم والله	خدا کی قسم تم نے میرا سینہ غیظ وغضب سے بھر دیا ہو تم نے
ملأتم صدري غيظا وجرعتموني الامرين انفاسا	مجھے دو گھونٹون کے گھونٹ پلائے ہین اور عصیان و نافرمانی
وافسدتم على رائى بالعصيان والخذلان	کر کے میری رائے کو برباد کر دیا ہے

آپ کے طرفدارون کے دل اگرچہ پژمردہ ہو چکے تھے اور قواے عمل نے جواب دیدیا تھا تاہم اس غیرت انگیز تقریر نے تھوڑی دیر کیلیے ہلچل پیدا کردی اور ہر طرف سے پُرجوش صداؤن نے لبیک کہا،

شریف رضی نے حضرت علیؓ کے تمام خطبون کو نہج البلاغۃ کے نام سے چار جلدون مین جمع کردیا ہے اور ان پر اپنی راے ظاہر کرتے ہوے یہ نہایت صحیح لکھا ہے کہ ان خطبون نے ہزارون لاکھون آدمیون کو فصیح و بلیغ مقرر بنادیا ہے تاہم نہج البلاغۃ کے تمام خطبون کا صحیح ہونا ایک مشتبہ امر ہے خصوصاً جبکہ اُن مین ایسے اصطلاحات وخیالات بھی ہین جو تیسری صدی مین یونانی فلسفہ کے ترجمہ کے بعد سے عربی مین رائج ہوے ہین،

شاعری جناب مرتضیٰؓ کی طرف بہت سے اشعار بھی منسوب ہین جن مین سے دو چار احادیث صحیحہ مین بھی مذکور ہین مثلاً آپ کا وہ رجزیہ شعر جو معرکۂ خیبر مین آپ نے پڑھا تھا،

انا الذی سمتنی امی حیدرۃ ۔۔۔ کلیث غابات کریہ المنظرۃ

مگر لوگون نے آپ کی طرف نہایت بے احتیاطی سے بہت سے جعلی اشعار بھی منسوب کردیے ہین بلکہ ایک پورا دیوان ' دیوان علی ' کے نام سے موجود ہے جن کو افسوس ہے کہ طلبہ اور علما نہایت شوق سے پڑھتے پڑھاتے ہین حالانکہ اس کی زبان اس لایق بھی نہین کہ کسی عربی شاعر کی طرف منسوب کی جائے چہ جائیکہ افصح الفصحا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الشریف کی طرف، حاکم نے مستدرک مین حضرت فاطمہ زہراؓ کے مرثیہ مین آپکی زبان مبارک سے دو شعر نقل کیے ہین،

علم نحو کی ایجاد علم نحو کی بنیاد خاص حضرت علیؓ کے دست مبارک سے رکھی گئی ہے ایک دفعہ ایک شخص کو قرآن شریف غلط پڑھتے سُنا اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنا دیا جائے جس سے اعراب میں غلطی واقع نہ ہو سکے چنانچہ ابوالاسود دؤلی کو چند قواعد کلیہ بتائے اور اس فن کی تدوین پر مامور کیا اس طرح علم نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہیں،

اخلاق وعادات

اور

ذاتی حالات

معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے ایام طفولیت ہی سے سرور کائنات صلعم کے دامن عاطفت میں تربیت حاصل کی تھی، اس لیے وہ قدرۃً حسن اخلاق اور حسن تربیت کے نمونہ تھے، کبھی ان کی زبان کلمۂ شرک وکفر سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ کبھی ان کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی، جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے مبرا اور پاک رہے، شراب جو عرب کی گھٹی میں تھی اسلام سے پہلے بھی کبھی آپ نے نہیں پی اور اسلام کے بعد تو اس کا کیا موقع ہو سکتا تھا[1]،

[1] ترمذی اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے دوستوں کے ایک جلسہ میں حضرت علیؓ نے شراب پی، اسی حالت میں نماز پڑھائی تو سورۂ قل یا ایھا الکفرون کچھ سے کچھ پڑھ دی، اس پر شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی گو شراب کی حرمت کے نازل ہونے سے پہلے شراب پینا نہ گناہ نہیں تھا، تاہم ظاہر ہے کہ کمال تقویٰ کے خلاف ضرور تھا اور دوسری روایتوں سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا دہن مبارک کبھی اس سے آلودہ ہوا، اسی لیے اس روایت کے قبول کرنے میں ہمیں تردد ہے، اصل یہ ہے کہ اس کا ایک راوی گو پہلے علوی تھا، مگر آخر میں حضرت علیؓ کا مخالف (عثمانی) ہو گیا تھا، اس لیے حضرت علیؓ کی شان میں اسکی مخالف شہادت معتبر نہیں ہو سکتی، اب حاکم کی مستدرک چھپ چکی ہے اس کی روایت سے اصل واقعہ ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ ایک اور شخص کا بیان کیا تھا، عثمانی راوی نے خود حضرت علی مرتضیٰ کا نام رکھ دیا، حاکم نے اس روایت کے بعد کہا کہ بحمد اللہ اس روایت سے حضرت علیؓ کے مخالفین جو آپ پر اعتراض کرتے تھے وہ اٹھ گیا،

امانت و دیانت سب کو معلوم ہے کہ مکہ مین آنحضرت صلعم کے پاس اہل قریش کی امانتین جمع رہتی تھین، جب آپ نے ہجرت فرمائی تو اس منصب امانت کی جانشینی پر حضرت علیؓ کو نامزد فرمایا اور حکم دیا کہ سب کی امانتین واپس کرکے میرے پاس چلے آنا، چنانچہ انھون نے اس فرض کو بخوبی انجام دیا، خلافت کے عہد مین بیت المال کی دیانت و امانت کے ساتھ دیکھ بھال بھی کچھ کم اہم فرض نہ تھا، حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس فرض کو اس طرح ادا کیا کہ حضرت ام کلثومؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نارنگیان آئین امام حسنؓ اامام حسینؓ نے ایک نارنگی اٹھالی جناب امیر نے دیکھا تو چھین کر لوگون مین تقسیم کر دی،

مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر قرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کچھ کمی بیشی ہو تو وہ اس سے بری ہو جائین ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا اس مین ایک روٹی بھی تھی حضرت علیؓ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے اور قرعہ ڈالکر تقسیم فرما دیا، ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کرکے اس مین جھاڑو دی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ وہ اُن کی امانت و دیانت کی شاہد رہے،

زہد دنیا کی جھوٹی نمائش اور اس کے چند روزہ عیش کو حضرت علی مرتضیٰؓ نے ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا، کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان مین فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمر بن خطابؓ نے ہمیشہ ان عالیشان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اسکی حاجت نہین، میدان میرے لیے بس ہے،

حضرت علیؓ نے شروع سے آخر تک زاہدانہ زندگی بسر کی، چھپن برس کی عمر تک

۱؎ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۰ ۲؎ ازالۃ الخفاء بحوالہ ابن ابی شیبہ ۳؎ مسند جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ ۴؎ ازالۃ الخفاء بحوالہ ابو عمرو ابن البر، صفحہ ۲۶۶،

آنحضرتؐ کے ساتھ رہے، ظاہر ہے شہنشاہ اقلیم زہد و قناعت کے ساتھ عیش دنیاوی کا کہاں موقع میسّر ہوگا، حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شادی ہوئی تو علٰحدہ مکان مین رہنے لگے لیکن زہد کا اس سے اندازہ ہوگا کہ سیدۂ جنتؓ جو سازوسامان اپنے میکے سے لائی تھین اسمین ایک چیز کا بھی اضافہ نہ ہوسکا، چکی پیستے پیستے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھون مین گھٹے پڑ گئے تھے، گھرمین اوڑھنے کی صرف ایک چادر تھی وہ بھی اس قدر مختصر کہ پاؤن چھپاتے تو سر برہنہ ہوجاتا اور سر چھپاتے تو پاؤن کھل جاتا، معاش کی یہ حالت تھی کہ ہفتون گھر سے دھوان نہین اُٹھتا تھا، بھوک کی شدت ہوتی تو پیٹ پر پتھر باندھ لیتے، ایک دفعہ شدت گرسنگی مین کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے کہ مزدوری کرکے کچھ کما لائین، عوالی[1] مدینہ مین دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ اینٹ پتھر جمع کر رہی ہے خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے، اُس کے پاس پہنچکر اُجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے یہانتک کہ ہاتھون مین آبلے پڑگئے، غرض اس محنت ومشقت کے بعد ایک مٹھی کھجور اجرت مین ملی لیکن تنہا خوری کی عادت نہ تھی بجنسہ لیے ہوے بارگاہِ نبوت مین حاضر ہوئے آنحضرتؐ نے تمام کیفیت سنکر نہایت شوق کے ساتھ کھانے مین ساتھ دیا[2]،

ایام خلافت مین بھی زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی، ایک دفعہ عبداللہ بن زریر نام ایک صاحب شریکِ طعام تھے، دسترخوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا، اُنھون نے کہا امیرالمؤمنین آپ کو پرندکے گوشت سے شوق نہین ہے؟ فرمایا ابن زریر! خلیفۂ وقت کو مسلمانون کے مال مین سے صرف دو پیالون کا حق ہے، ایک خود کھلائے اور اہل وعیال کو کھلائے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے[3]،

---

[1] مدینہ کے قرب وجوار کی آبادی کا نام عوالی تھا، ۱۲ [2] مسند احمد ابن حنبل صفحہ ۱۳۵، [3] مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۷۸،

دربِ دولت پر نہ کوئی حاجب تھا نہ دربان، نہ امیرانہ کروفر، نہ شاہانہ تزک واحتشام، غرض عین اسوقت جب کسریٰ کی شہنشاہی مسلمانون کے لیے زر وجواہر اُگل رہی تھی اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا، اور رداود ہش کی بدولت کبھی فقروفاقہ کی نوبت بھی آجاتی تھی ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوے فرمایا کہ "میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم اگر میرے پاس ایک تہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا" ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا "امیرالمومنین! مین تہ بند کی قیمت قرض دیتا ہون"[1]

گھر مین کوئی خادم نہ تھی، اسیدۂ پاک نے کاشانۂ نبوت پر حاضر ہو کر اپنی یہ مصیبت بیان کرنا چاہی، لیکن سرورِ کائنات موجود نہ تھے، اس لیے واپس آکر سورہین تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہؓ کی اطلاع پر آنحضرت صلعم خود تشریف لائے اور ارشاد فرمایا "کیا مین تم کو ایک ایسی بات نہ بتاؤن جو ایک خادم سے کہین زیادہ تمھارے لیے مفید ہو" اُس کے بعد آپ نے تسبیح کی تعلیم دی،[2]

عبادت — حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدا کے نہایت عبادت گذار بندے تھے، اُنھون نے بارہ تیرہ سال کے سن سے رسول اللہ صلعم کے ساتھ خداوند تعالیٰ کے آگے سر جھکایا اور اُس کے بعد ہمیشہ یہی ذوق قائم رہا جسکی بڑی شہادت قرآن مجید کا ایک اشارہ ہے، قرآن مجید مین صحابۂ کرامؓ کے فضائل مین ایک نہایت جامع آیت یہ نازل ہوئی ہے،

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ	محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ ہین کافرون پر سخت
عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا	باہم رحمدل ہین تم اُن کو دیکھتے ہو کہ بہت رکوع اور بہت سجدہ
سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا	کرکے خدا کا فضل اور اسکی رضامندی کی جستجو کرتے ہین،

[1] اننا تھا، بحوالہ ابوعمر (ابن عبدالبر)

[2] بخاری کتاب الدعوات باب التسبیح والتکبیر عند المنام ۱۲

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر مین بطور نکتہ کے لکھا ہے کہ والذین معہ سے ابوبکر صدیقؓ، اشداء علی الکفار سے عمر بن الخطابؓ رحماء بینھم سے عثمانؓ بن عفان، رکعاً سجداً سے حضرت علی بن ابی طالبؓ اور یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سے بقیہ صحابہ مراد ہین جس سے عبادات کے لحاظ سے تمام صحابہؓ پر حضرت علیؓ کی مخصوص فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اولاً تو رکوع و سجو تمام صحابہؓ کا وصف تھا لیکن اُن کے ساتھ اس وصف کی تخصیص کرنے سے معلوم ہوا کہ باوجود اس اشتراک کے ان کو اس باب مین کچھ مزید امتیاز بھی حاصل تھا،

قرآن مجید کے اس اشارہ کے علاوہ خود صحابہؓ بھی ان کے اس وصف امتیاز کی شہادت دیتے ہین، حضرت عائشہؓ فرماتی ہین،

کان ما علمت صواما قواما[۲] جہان تک مجھے معلوم ہے وہ بڑے روزہ دار اور عبادت گذار تھے

زبیر بن سعید قرشی کہتے ہین،

لم ارھا شمیا قط کان اعبد للہ منہ[۳] مین نے کسی ہاشمی کو نہین دیکھا جو آپ سے زیادہ خدا کا عبادت گذار ہو

اُن کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادات مین جس چیز کا التزام کرلیتے تھے اس پر ہمیشہ قائم رہتے تھے، ایک موقع پر رسول اللہ صلعم نے اُن سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم دونون ہر نماز کے بعد دس ۱۰ بار تسبیح، دس بار تحمید، اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو، اور جب سوؤ تو ۳۳ بار تسبیح ۳۳ بار تحمید اور ۳۴ بار تکبیر کہہ لیا کرو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین کہ جب سے رسول اللہؐ نے مجھ کو اس کی تلقین کی مین نے اس کو نہین چھوڑا، ابن کوا نے کہا کہ صفین کی شب مین بھی نہین"؟ فرمایا صفین مین بھی نہین"[۴]،

---

[۱] تفسیر فتح البیان جلد ۹ صفحہ ۸۹ [۲] ترمذی کتاب المناقب فضل فاطمہ [۳] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۰۸ [۴] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۰۷، ابوداؤد کتاب الادب،

انفاق فی سبیل اللہ | حضرت علیؓ گو دولت دنیاوی سے متمتع نہ تھے تاہم دل غنی تھا کوئی سائل یا اہل حاجت نظر آجاتا تو قوت لایموت بھی دیدیتے، ایک دفعہ رات بھر باغ سینچکر تھوڑے سے جَو مزدوری میں حاصل کیے، صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ثلث پسوا کر حریرہ پکوانیکا انتظام کیا ابھی پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدا بلند کی حضرت علیؓ نے سب اُٹھا کر اسکو دیدیا اور پھر بقیہ میں دوسرے ثلث کے پکنے کا انتظار کیا، لیکن جیسے تیار ہوا کہ ایک مسکین یتیم نے دستِ سوال بڑھایا، اُسے بھی اُٹھا کر اُس کے نذر کیا، غرض اسی طرح تیسرا حصہ بھی جو بچ رہا تھا پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کے نذر ہو گیا، اور یہ مردِ خدا رات بھر کی مشقت کے باوجود دن کو فاقہ مست رہا، خدا سے پاک کو یہ ایثار کچھ ایسا بھایا کہ بطور ستایش اسکے متعلق ایک خاص آیت نازل فرمائی، وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا الخ[1]

تواضع | سادگی اور تواضع حضرت علیؓ کی دستارِ فضیلت کا سب سے خوشنما طرہ ہے، اپنے ہاتھ سے محنت و مزدوری کرنے میں اُن کو کچھ عار نہ تھا، لوگ سائل پوچھنے آتے تو وہ عموماً کبھی جوتا ٹانکتے، کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوے پائے جاتے، مزاج میں بے تکلفی اسقدر تھی کہ فرشِ خاک پر سو جاتے، ایک دفعہ آنحضرت صلعم اُنھیں ڈھونڈھتے ہوے مسجد تشریف لائے، دیکھا کہ بے تکلفی کے ساتھ زمین پر سو رہے ہیں، چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی ہے اور جسم انور گرد و غبار کے اندر کندن کی طرح چمک رہا ہے، سرورِ کائنات صلعم کو یہ سادگی نہایت پسند خاطر ہوئی اور خود دستِ اقدس سے اُن کا بدن صاف کر کے محبت آمیز لہجہ میں فرمانے لگے "اجلس یا ابا تراب[2] مٹی والے اب اُٹھ بیٹھو" چنانچہ حضرت علیؓ کو یہ کنیت اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی اس سے مخاطب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی،

[2] بخاری کتاب المناقب باب مناقب علیؓ

ایام خلافت مین بھی یہ سادگی قائم رہی عموماً چھوٹی آستین اور ادھ پنجے دامن کا کرتہ اور معمولی کپڑے کا تہمد باندھے بازار مین گشت کرتے پھرتے، اگر کوئی تعظیماً پیچھے ہو لیتا تو منع فرماتے اور کہتے کہ اس مین والی کے لیے فتنہ اور مومن کے لیے ذلت ہے[1]

شرم وحیا شرم وحیا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، یہان تک کہ خود آنحضرت صلعم سے ضروری مسائل دریافت کرنے مین بھی حیاء دامنگیر ہوتی تھی، ایک دفعہ دریافت کرنا تھا کہ مذی سے غسل لازم آتا ہے یا نہین لیکن شرم وحیاء خود ان کو اجازت نہ دیتی تھی اس لیے دوسرے شخص کے ذریعہ سے دریافت کرایا[2]

غزوۂ احد مین ابو سعد ایک کافر حریفانہ مقابلہ کے لیے آیا، ایک ہی حملہ مین وہ ایسا گرا کہ اسکو اپنے کپڑون کا بھی حواس نہ رہا اور برہنہ ہو گیا، شرم وحیا کی زنجیر نے حضرت مرتضیٰؓ کے پانون پکڑ لیے، آپ اس کو چھوڑ کر ہٹ گئے[3]

شجاعت شجاعت وبسالت حضرت مرتضیٰؓ کا مخصوص وصف تھا، وہ تمام اہم غزوات مین شریک ہوے اور سب مین اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے

اسلام مین سب سے پہلا غزوۂ بدر پیش آیا، حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ اس غزوہ کے دو ہیرو تھے: اس جنگ مین حضرت علیؓ نے تجربہ کار اور جنگ آزما بہادرون کے دوش بدوش داد شجاعت دی، حالانکہ اس وقت ان کا عنفوان شباب تھا"

جنگ شروع ہوئی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقابلہ ولید سے ہوا تو ایک وار مین اس کا کام تمام کر دیا، پھر شیبہ کے مقابلے مین حضرت عبیدہ بن حارثؓ آئے اور اس نے ان کو زخمی کیا تو حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے حملہ کر کے اس کا کام بھی تمام کر دیا، غزوۂ احد مین کفار کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ مین تھا، اس نے مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰؓ ہی اس کے مقابلہ مین آئے اور سر پر

[1] تاریخ طبری صفحہ ۳۴۴۰ [2] بخاری کتاب الغسل باب غسل المذی والوضوء منہ [3] سیرۃ ابن ہشام غزوۂ احد

ایسی تلوار ماری کہ سر کے دو ٹکڑے ہوگئے، رسول اللہ صلعم کو اس کی خبر ہوئی تو مسرور ہوئے اور تکبیر کا نعرہ مارا، اور مسلمانون نے بھی تکبیر کے نعرے لگائے،

غزوۂ خندق مین بھی وہ تمام صحابہؓ مین پیش پیش رہے، چنانچہ عرب کے مشہور پہلوان عمرؔ بن عبدؔ نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰ نے رسول اللہ صلعم سے میدان مین آنے کی اجازت چاہی، آپ نے ان کو اپنی تلوار عنایت فرمائی، اُن کے سر پر عمامہ باندھا اور دعا کی کہ خداوندا تو اس کے مقابلہ مین اُن کا مددگار ہو، اُس کے بعد باہم تیغ آزمائی شروع ہوئی، تو حضرت علیؓ نے تکبیر کا نعرہ مارا جس سے مسلمانون کو معلوم ہوا کہ انھون نے اپنے حریف پر کامیابی حاصل کی،

غزوۂ خیبر کا میدان اُن کی شجاعت کے اظہار کا مخصوص میدان ہے، اسی غزوہ مین آپ نے فرمایا کہ مین جھنڈا ایسے شخص کو دون گا جو خدا اور خدا کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول اس کو محبوب رکھتے ہین، اُس کے بعد آپ نے اُن کو جھنڈا عنایت فرمایا، اور مرحب تلوار ہلاتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا مقابلہ مین آیا تو اُس کے جواب مین حضرت علیؓ مرتضیٰ رجز خوان آگے بڑھے اور مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر پھٹ گیا اور فتح خیبر اُن کے جنگی کارنامون مین شمار ہوئی،

غزوات نبوی مین غزوۂ ہوازن خاص اہمیت رکھتا ہے جسمین تمام قبائل عرب کی متحدہ طاقت مسلمانون کے خلاف امنڈ آئی تھی لیکن اس غزوہ مین بھی حضرت علیؓ مرتضیٰ ہر موقع پر ممتاز رہے، رسول اللہ صلعم نے جن اکابر صحابہؓ کو جھنڈے عنایت فرمائے اُن مین حضرت مرتضیٰؓ بھی شامل تھے، اس کے بعد جنگ شروع ہوئی اور کفار نے دفعۃً تیرون کا مینہ برسایا، تو مسلمانون کے پانون اُکھڑ گئے، صرف چند ممتاز صحابہؓ رسول اللہ صلعم کے ساتھ ثابت قدم رہے، جن مین ایک حضرت مرتضیٰؓ بھی تھے عہد نبوت کے بعد خود اُن کے زمانہ مین بھی جو معرکے پیش آئے اُن مین بھی کبھی اُن کے پائے ثبات کو لغزش نہین ہوئی،

دشمنوں کے ساتھ سلوک | حدیث مین آیا ہے کہ بہادر وہ نہین ہے جو دشمن کو پچھاڑ دے بہادر وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے" حضرت علی مرتضیٰؓ اُس بہادری مین بھی نمایان تھے اُن کی زندگی کا اکثر حصہ مخالفین کی معرکہ آرائی مین صرف ہوا، لیکن باایںہمہ اُنھون نے ہمیشہ اُن کے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا، ایک دفعہ ایک لڑائی مین جب اُن کا حریف گر کر برہنہ ہوگیا، تو اُس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہوگئے کہ اُسکو شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے، جنگ جمل مین حضرت عائشہؓ اُن کی حریف تھین، لیکن جب ایک ضبی نے اُن کے اونٹ کو زخمی کرکے گرایا تو خود حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر اُن کی خیریت دریافت کی، اور اُن کو انکے ایک طرفدار بصری رئیس کے گھر مین اتارا، حضرت عائشہؓ کی فوج کے تمام زخمیون نے بھی اسی گھر کے ایک ایک گوشے مین پناہ لی تھی اُس کے بعد حضرت علیؓ ملنے کو آئے تو اگرچہ ان کو معلوم ہوگیا تھا کہ تمام زخمی اسی گھر مین پناہ گزین ہین مگر اُنھون نے اُن سے کچھ تعرض نہین کیا، اس کے بعد بحرمت تمام محمد بن ابی بکر کی معیت مین چالیس معزز عورتون کے ساتھ اُن کو حجاز کی طرف رخصت کیا، عام مسلمانون نے اور خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دور تک ان کی مشایعت کی،

اس موقع پر جو لوگ شریک جنگ تھے، ان کی نسبت بھی عام منادی کرادی کہ بھاگنے والون کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیون کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائین، مال غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈالدے اسکو امان ہے،

حضرت زبیرؓ نے ایک حریف کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کیا تھا، اور جنگ جمل کے سپہ سالارون مین تھے، مگر ان کا قاتل ابن جرموزان کا مقتول سر اور تلوار لیکر حضرت علیؓ کے پاس آیا تو آبدیدہ ہوگئے، فرمایا فرزند صفیہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دیدو، پھر حضرت زبیرؓ کی تلوار ہاتھ مین لیکر فرمایا، "یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت صلعم کے چہرہ سے مشکلات کا بادل ہٹا دیا ہے"

مستدرک مین ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس اُن کا سر آیا تو فرمایا کہ فرزند صفیہؓ کے

قاتل کو جہنم کی بشارت دو، میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر ہے[۱]"

جنگِ جمل کے میدان میں جب وہ فریقِ مخالف کی لاشوں کا معاینہ کر رہے تھے تو ایک ایک لاش کو دیکھ کر افسوس کرتے تھے اور جب حضرت طلحہؓ کے لڑکے محمد کی لاش پر نظر پڑی تو آہ سرد بھر کر فرمایا! "اے قریش کا شکرہ!"

ان کا سب سے بڑا دشمن ان کا قاتل ابنِ ملجم ہو سکتا تھا، لیکن انھوں نے اُس کے متعلق آخری وصیت جو کی تھی وہ یہ تھی کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا مثلہ نہ کرنا یعنی اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک کان نہ کاٹنا، ابن سعد میں ہے کہ جب وہ اُن کے سامنے لایا گیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ "اس کو اچھا کھانا کھلاؤ، اور اُس کو نرم بستر پر سلاؤ، اگر میں زندہ بچ گیا تو اس کے معاف کرنے یا قصاص لینے کا مجھے اختیار حاصل ہوگا اور اگر میں مرگیا تو اس کو مجھ سے ملا دینا میں خدا کے سامنے اُس سے جھگڑوں گا[۲]"

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس سے اعلیٰ مثال کیا ہو سکتی ہے؟

امیر معاویہ جنھوں نے سب سے پہلے ان سے سرکشی کی اور ان کی تمام تجویزوں کو برباد کیا، اُن کی خلافت کے عہد کو بدنام کیا، اُن کے خلاف لڑنے کے لیے بار بار فوجیں لائے، مگر حضرت علی مرتضیٰؓ کبھی اُن کے خلاف ایک کلمۂ ناسزا بھی زبان پر نہیں لائے، حالانکہ وہ اُن کے متعلق بہت سی صحیح اور درست باتیں کہہ سکتے تھے،

اصابت رائے — حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اصابتِ رائے پر عہدِ نبوت ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا اس لیے تمام مہمات امور میں شریکِ مشورہ کیے جاتے تھے، واقعۂ افک میں رسول اللہ صلعم نے

[۱] مستدرک جلد ۳ صفحہ ۳۶۷ [۲] طبقات تذکرۂ علی بن ابی طالب

اپنے گھر کے رازداروں میں جن لوگوں سے مشورہ طلب کیا ان میں ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، غزوۂ طائف میں آپ نے اُن سے اتنی دیر تک سرگوشی کی کہ لوگوں کو اس پر رشک ہونے لگا اُس کے بعد تمام خلفاء نے اُن سے اہم معاملات میں مشورہ لیے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مہاجرین وانصار کی جو مجلس شوریٰ قائم کی تھی اس کے ایک رکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، حضرت عمر فاروقؓ نے اس مجلس کے ساتھ مہاجرین کی جو مخصوص مجلس شوریٰ قائم کی تھی اُس کے اراکین کے نام اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہیں لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ لازمی طور پر اس کے ایک رکن رہے ہوں گے، کیونکہ حضرت عمرؓ کو ان کی راے پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب کوئی اشکل معاملہ پیش آجاتا تھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشورے کے بغیر اس کے فیصلہ کرنے سے پناہ مانگتے تھے، اسی قسم کے موقعوں پر اُنھوں نے فرمایا ہے'

لولا علی لھلک عمر — اگر علی نہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا،

مذہبی اور تمدنی معاملات کے علاوہ بہت سے سیاسی واقعات مذکور ہیں، جن میں حضرت عمرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی راے کو ترجیح دی ہے' چنانچہ معرکۂ نہاوند میں جب ایرانیوں کی کثرت نے حضرت عمرؓ کو بیحد شوش کردیا تو اُنھوں نے مسجد نبوی میں تمام صحابہؓ کو جمع کرکے رائے طلب کی حضرت طلحہؓ نے کہا امیرالمومنین آپ خود ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں البتہ ہم لوگ تعمیلِ حکم کے لیے تیار ہیں، حضرت عثمانؓ نے شورہ دیا کہ شام ویمن وغیرہ سے فوجیں جمع کیجائیں اور آپ خود سپہ سالار ہوکر میدانِ جنگ کی طرف تشریف لیجائیں' اب تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا تو بولے کہ شام سے اگر فوجیں ہٹیں تو مفتوحہ مقامات پر دشمنوں کا تسلط ہوجائیگا، اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہرطرف قیامت برپا ہوجائے گی' اس لیے میری راے یہ ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام ویمن وغیرہ میں

فرمان بھیجدیے جائین کہ جہان جہان جسقدر فوجین ہون ایک ایک ثلث اُدھر روانہ کردی جائین؛ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور کہا کہ میرا بھی یہی خیال تھا،

حضرت عثمانؓ نے بھی ان سے اہم معاملات مین مشورے لیے، اور اگر اُن کے مشورون پر عمل کیا جاتا تو اُن کا عہد نہ صرف فتنہ و فساد سے محفوظ رہتا بلکہ قبائل عرب مین ایک ایسا توازن قائم ہوجاتا کہ آیندہ جھگڑے کی کوئی صورت ہی نہ پیدا ہوتی؛

علم و فضل اور وسعت نظر کے ساتھ اصابت رائے کی سب سے زیادہ ضرورت انفصال مقدمات مین ہوتی ہے اور اسی اصابت رائے کی بنا پر رسول اللہ صلعم نے ان کو سب سے پہلے یمن کا قاضی مقرر کرکے روانہ فرمایا، اور تمام صحابہؓ مین وہ سب سے بڑے قاضی تسلیم کیے گئے احادیث کی کتابون مین بہت سے پیچیدہ مقامات مذکور ہین جنکا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فیصلہ کیا، اور وہ فیصلے رسول اللہ صلعم کے سامنے پیش کیے گئے، تو آپ نے اُن کو قائم رکھا، چنانچہ اس قسم کا ایک مقدمہ آپ کی خدمت مین پیش کیا گیا، تو آپ نے فرمایا،

ما اجد فیھا الا ما قال علی — میرے نزدیک بھی اس کا فیصلہ وہی ہے جو علی نے کہا،

اُن کے ایک اور فیصلے کا ذکر کیا گیا تو آپ بہت خوش ہوئے، اور فرمایا،

الحمد للہ الذی جعل فینا الحکمۃ اھل البیت — اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیت کو حکمت سکھائی،

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے محاسن اخلاق پر ایک نہایت جامع بحث کی ہے جسکا خلاصہ کردینا یہان مناسب ہوگا وہ لکھتے ہین :-

"بڑے بڑے لوگون کی سرشت مین جو عظیم الشان اخلاق داخل ہوتے ہین مثلاً شجاعت قوت، حمیت اور وفا وہ سب ان مین موجود تھے اور فیض ربانی نے ان سب کو اپنی مرضی مین صرف کیا، اور اُن کے ایک ایک خلق کے ساتھ اس فیض ربانی کی آمیزش سے ایک مقام

مسند ابو داؤد طیالسی صفحہ ۲۶ (حدیث عبد الرحمن بن یزید المدنی)

پیدا ہوا، ریاض النضرہ مین ہے کہ جب وہ چلتے تھے تو ادھر اُدھر جھکتے ہوئے چلتے تھے اور جب کسی آدمی کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے تو وہ سانس تک نہین لے سکتا تھا، وہ تقریباً فربہ اندام تھے، ان کی کلائیان اور اُن کے ہاتھ مضبوط تھے، اور جب میدان جنگ مین جاتے تھے تو بیباکانہ دوڑتے ہوے جاتے تھے، قوی اور دل کے مضبوط تھے، جس شخص سے کشتی لڑتے تھے اُسکو پچھاڑ دیتے تھے بہادر تھے اور جس سے جنگ مین مقابلہ کرتے تھے اس پر غالب آتے تھے،

ان کے تمام محاسن اخلاق مین ایک فاتحی اور جب فیض ربانی نے اُس کو مہذب کیا تو مقام محبت اُن کے لیے ایک مسلمہ چیز بنگیا، رسول اللہ صلعم نے جیسا کہ متواتر طور پر ثابت ہے فرمایا کہ مین کل ایسے شخص کو جھنڈا دون گا جو اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کرتا ہے اور اللہ اور اُسکے رسول بھی اُس سے محبت کرتے ہین، بالآخر آپ نے جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا،

اُن کے محاسن اخلاق مین ایک خلق دشمنون کی مخالفت ومبارزت تھا، اور فیض ربانی نے اس کو اُن کے سوابق اسلامیہ مین صرف کیا اور آخرت مین اس سے عجیب نتیجہ پیدا ہوا اور یہ آیت

هذان خصمان اختصموا — ان دونون فریق نے باہم مخاصمت کی،

اُن کی اور اُن کے رفقاء کی شان مین نازل ہوئی امام بخاری نے حضرت علی بن ابیطالب سے روایت کی ہے کہ اُنھون نے فرمایا کہ مین پہلا شخص ہون گا جو قیامت کے دن خدا کے سامنے خصومت کیلئے دوزانو بیٹھے گا قیس کہتے ہین کہ یہ آیت،

هذان خصمان اختصموا فی ربهم — ان دونون فریق نے اپنے رب کے بارے مین باہم مخاصمت کی،

انھین لوگون کے بارے مین نازل ہوئی اور یہ وہ لوگ ہین جنھون نے بدر کے دن باہم مبارزت کی یعنی حمزہ علی عبیدہ، ابوعبیدہ بن الحارث شیبہ بن ربیعہ، عتبہ اور ولید بن عتبہ،

اُن کے محاسنِ اخلاق یہ تھے کہ نہایت سخت اور دلیر تھے، کسی کی پروا نہین کرتے تھے، اور لوگون کی خاطر مدارات کیلیے اپنی خواہش سے باز نہین آتے تھے، فیضِ ربانی نے انہی اخلاق سے نہی عن المنکر اور بیت المال کی حفاظت مین کام لیا، حاکم نے حضرت ابوسعید خدری رضؓ سے روایت کی ہے کہ لوگون نے رسول اللہ صلعم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شکایت کی، تو آپ ہم لوگون کے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوے اور فرمایا کہ لوگو علی کی شکایت نہ کرو، خدا کی قسم، خدا کی ذات اور اُس کے راہ مین وہ کسی قدر سخت ہے، حضرت عمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ خدا کی ذات مین علی سخت ہے،

اُن کے تمام محاسنِ اخلاق مین ایک چیز اپنی قوم اور اپنے چچازاد بھائی کی حمیت تھی اسلیے وہ اُن کے منصب کی تکمیل مین نہایت اہتمام کرتے تھے، اور ان کی مدد مین نہایت ہمت سے کام لیتے تھے، اور یہ وہ وصف ہے، جو اکثر شریف لوگون مین پیدا ہوتا ہے، اور جب فیض ربانی نے اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ اُن کے دل مین پیدا کیا تو اس خلق سے کام لیا اور اس خلقی معنی کی شرح و تفسیر کی جس سے ایک ایسا عجیب مقام پیدا ہوا جسکی تعبیر اخوتِ رسول، موالاتِ رسول، وصی اور وارث وغیرہ متعدد الفاظ سے کی جاتی ہے، حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ہر شخص سے فرمایا کہ دنیا و آخرت مین تم مین سے کون میرا ولی ہوگا، آپ نے فرمایا کہ نہین یہان تک کہ اُن مین سے اکثر لوگون سے گذرے تو حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ مین دنیا و آخرت مین آپ کی موالات کرون گا آپ نے فرمایا کہ دنیا و آخرت مین تم میرے ولی ہو، حاکم نے حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلعم کی زندگی مین فرماتے تھے کہ خداوند تعالی فرماتا ہے،

أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ — اگر وہ مرگئے یا مارے گئے تو کیا تم الٹے پاؤن پھر جاؤ گے،

خدا کی قسم جب ہم کو خدا نے ہدایت دیدی تو اس کے بعد ہم پیٹھ نہ پھیرین گے، خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلعم کا وصال ہوا یا آپ شہید ہوگئے تو جس چیز کے لیے آپ جنگ کرتے تھے ہم بھی اسکے لیے لڑین گے، یہان تک کہ مر جائین، خدا کی قسم مین آپ کا بھائی ہون، آپ کا ولی ہون، آپکے چچا کا لڑکا ہون، اور آپ کے علم کا وارث ہون تو مجھ سے زیادہ آپ کا حقدار کون ہے، اسی سے ان دونون فریق کی جو افراط و تفریط کرتے ہین غلطی بھی ظاہر ہوگئی ایک کہتا ہے کہ قوم کی حمایت کے لیے غلبہ کا خواستگار رہونا خلوص نہین، دوسرا کہتا ہے کہ استحقاق خلافت مین اخوت نسبی شرط ہے؛

اُن کے محاسن اخلاق مین ایک زہد اور شہوات نفسانی سے اجتناب ہے، حضرت امیر معاویہؓ نے ضرار اسدی سے کہا مجھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوصاف بیان کرو انھون نے کہا کہ اے امیر المومنین مجھے معاف فرمایئے اُنھون نے کہا کہ ضرور بیان کرو، بولے اگر ضروری ہے تو وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، اور عادلانہ فیصلہ کرتے تھے، اُن کے ہر جانب سے علم کا چشمہ پھوٹتا تھا، اور اُن کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی، دنیا اور دنیا کی شادابی سے وحشت کرتے اور رات اور رات کی وحشت سے انس کرتے تھے، نہایت رونے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے، چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا، اور ہم مین بالکل ہماری ہی طرح رہتے تھے، جب ہم اُن سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے، اور جب ہم اُن سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے، باوجودیکہ ہم کو وہ اپنے آپ سے قریب کرلیتے تھے، اور خود ہم سے قریب ہوجاتے تھے، لیکن خدا کی قسم ہم اُن کی ہیبت سے اُن سے گفتگو نہین کرسکتے تھے، وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے غریبون کو مقرب بناتے تھے، قوی کو اُس کے باطل مین حرص کرنے کا موقع نہین دیتے تھے، اور اُن کے انصاف سے ضعیف نا اُمید نہین ہوتا تھا، مین شہادت دیتا ہون کہ مین نے ان کو بعض معرکون مین دیکھا کہ

کہ رات گذر چکی ستارے ڈوب چکے ہین اور وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے اس طرح مضطرب ہین جس طرح وہ شخص مضطرب ہوتا ہے جسکو سانپ نے کاٹ کھایا ہے غمگین آدمی کی طرح روتے ہین، اور کہتے ہین کہ اے دنیا مجھکو فریب نہ دے دوسرے کو دے، تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے یا میری مشتاق ہوئی ہے، افسوس افسوس مین نے تجھ کو تین طلاقین دیدی ہین جس سے رجعت نہین ہوسکتی، تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے، آہ زاد راہ کم اور سفر دور دراز کا ہے اور راستہ وحشت خیز ہے، یہ سُنکر امیر معاویہ رو پڑے اور فرمایا خدا ابو الحسن پر رحم کرے خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے،

اُن کے محاسن اخلاق مین ایک چیز شبہات سے اجتناب ہے، اُن کے صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لیمون آجاتے تھے، اور حسن حسینؓ ان مین سے کوئی لیمون لیکر کھانے لگتے تو وہ اس کو اُن کے ہاتھ سے چھین لیتے تھے، پھر اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیتے تھے، ابو عمر سے روایت ہے کہ وہ مال کی تقسیم مین حضرت ابوبکر کا طریقہ اختیار کرتے تھے یعنی جب اُن کے پاس مال آتا تھا تو سب تقسیم کر دیتے تھے اور بیت المال مین صرف اس قدر رکھ چھوڑتے تھے جسکی تقسیم اوس روز نہ کرسکتے تھے اور کہتے تھے کہ اے دنیا میرے سوا کسی اور کو دھوکا دے، اور خود اس مین سے اپنے لیے کوئی چیز انتخاب نہین کرتے تھے، اور اپنے کسی رشتہ دار یا اور عزیز کی اس مین تخصیص نہین کرتے تھے حکومت اور امانت صرف متدین لوگون کے سپرد کرتے تھے، اور جب یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے اس مین خیانت کی ہے تو اس کو لکھتے تھے کہ

قد جاءتکم موعظۃ من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان بالقسط ولا تبخسوا الناس اشیاءھم

تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے نصیحت آچکی ہے تو ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگون کی چیزون مین کمی کرو

ولا تعثوا فی الارض مفسدین بقیۃ اللہ خیر لکم — اور زمین مین فساد نہ پھیلاؤ، خدا کا ثواب تمھارے لیے بہتر ہے

ان کنتم مومنین وما انا علیکم بحفیظ، — اگر تم ایماندار ہو اور مین تمھارا نگران نہین ہون،

اور جب تمھارے پاس میرا یہ خط پہونچے تو تمھارے ہاتھ مین ہمارا جو کام ہے اُسکی حفاظت کرو، یہان تک کہ ہم تمھارے پاس اُس شخص کو بھیجین جو تم سے اُسکو لے لے، پھر اپنی نگاہ کو آسمان کی طرف اُٹھاتے اور کہتے کہ خداوندا تو جانتا ہے کہ مین نے ان کو تیری مخلوق پر ظلم کرنے اور تیرے حق کے چھوڑنے کا حکم نہین دیا،

مجمع التیمی سے روایت ہے کہ بیت المال مین جو کچھ تھا اُسکو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسلمانون مین تقسیم کردیا پھر حکم دیا کہ اس مین جھاڑو دیدی جائے، پھر اس مین نماز پڑھی تاکہ وہ قیامت کے دن اُن کے لیے شہادت دے،

حضرت کلیب ؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس اصفہان سے مال آیا تو اُنھون نے اس کے سات حصے کیے اور اس مین ایک روٹی پائی تو اس کے سات ٹکڑے کیے، اور ہر حصے پر ایک ایک ٹکڑا تقسیم کیا پھر قرعہ ڈالا کہ ان مین کس کو کون حصہ دیا جائے،

اُن کے تمام محاسن اخلاق مین ایک چیز یہ ہے کہ وہ معاش کی تنگی پر صبر کرتے تھے اور اسکو اپنے اوپر گوارا کرلیتے تھے، خود اُن سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہمارے گھر مین آئین تو ہمارے بچھانے کے لیے صرف مینڈھے کی ایک کھال تھی ضمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے گھر کا کام دھندا اپنی صاحبزادی فاطمہؓ کے متعلق کیا، اور بیرونی انتظامات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کیے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے اُن سے حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا تو ان کے ساتھ ایک چادر، چمڑے کا ایک گدا جسمین کھجور کی پتیان بھری ہوئی تھین، ایک چکی، ایک مشک، اور دو گھڑے روانہ کیے، ایک دن

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا
رسول اللہ صلعم کے پاس لونڈی غلام آتے ہین، جاؤ اور آپ سے ایک خادم طلب کرو،
اُنھون نے کہا کہ آٹا پیستے پیستے میرے ہاتھون مین بھی آبلے پڑ گئے، چنانچہ وہ آپ کی خدمت
مین حاضر ہوئین، آپ نے فرمایا بیٹی کس غرض سے آئی ہو، بولین سلام عرض کرنے، لیکن سوال
کرنے سے اُن کو شرم آئی، اور واپس گئین، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پوچھا کہ تم نے کیا کیا؟
بولین آپ سے سوال کرنے مین مجھے شرم آئی، اب آپ کی خدمت مین دونون حاضر ہوئے
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا، اور حضرت فاطمہؓ
نے کہا کہ آٹا پیستے پیستے میرے ہاتھون مین چھالے پڑ گئے، خدا نے آپ کے پاس لونڈی غلام
اور مال بھیجا ہے ہم کو ایک خادم عنایت فرمایئے، آپ نے فرمایا، نہین کیا مین تم کو تو دون اور
اہل صفہ کو فاقہ مستی کی حالت مین چھوڑ دون، مین ان لونڈی غلامون کو فروخت کرون گا،
اور اُن کے اوپر اُن کی قیمت صرف کرون گا، اب دونون واپس آئے اس کے بعد رسول اللہ
آئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہؓ چادر اوڑھ کر سو چکی تھین، لیکن جب دونون
سر ڈھکتے تھے تو پانون اور جب پاؤن ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، رسول اللہ صلعم کے آنے
سے دفعۃً دونون اٹھ گئے، آپ نے فرمایا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو کیا تم کو مین ایسی چیز نہ بتلا دون
جو اس چیز سے بہتر ہے جسکو تم مجھ سے مانگتے ہو، دونون نے کہا ہان، فرمایا مجھ کو جبرئیل عؑ نے چند
کلمے سکھائے، اور کہا کہ دونون ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر
کہہ لیا کرین تو تم دونون جب سوؤ، تو ۳۳ بار تسبیح، ۳۳ بار تحمید، اور ۳۴ بار تکبیر کہہ لیا کرو حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ جب سے رسول اللہ صلعم نے مجھ کو یہ کلمے سکھائے اسوقت سے
مین نے ان کو نہین چھوڑا، ابن کوا نے کہا کہ صفین کی رات مین بھی نہین، انھون نے کہا کہ نہین،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ "میں ایک بار مدینہ میں سخت بھوک میں مبتلا ہوا، اس لیے عوالی مدینہ میں مزدوری کی تلاش میں نکلا، تو مجھے ایک عورت ملی جس نے ڈھیلے اکٹھے کیے تھے، میں نے خیال کیا کہ وہ اُن کو بھگونا چاہتی ہے، چنانچہ میں نے ہر ڈول پر ایک کھجور اجرت طے کی اور ۱۶ ڈول پانی بھرے جس سے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، اُس نے مجھے سولہ کھجوریں گن کر دیں، میں رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے اُن کھجوروں میں سے میرے ساتھ کھایا[1]"

خانگی زندگی | حضرت علیؓ کی مستقل خانہ داری اس وقت سے شروع ہوئی جبکہ سیدۃ جنت حضرت فاطمہؓ کے ساتھ ایک علحدہ مکان میں رہنے لگے، کیونکہ اس سے پہلے وہ آنحضرتؐ کے ساتھ رہتے تھے اور کسبِ معاش کے لیے انھیں کسی جد و جہد کی ضرورت نہ پڑتی تھی، البتہ ہجرت کے بعد حضرت فاطمہؓ سے شادی قرار پائی تو ولیمہ کی فکر دامنگیر ہوئی اور قرب و جوار کے جنگل سے اونٹ پر گھانس لا کر بیچنے کا ارادہ کیا، لیکن حضرت حمزہؓ نے ایک روز ان کی اجازت کے بغیر اس اونٹ کو ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیا، حضرت علیؓ نے دیکھا تو نہایت صدمہ ہوا کیونکہ آپکے پاس صرف دو اونٹ تھے[2]، آخر زرہ بیچکر سامان کیا، اس زرہ کی قیمت بھی ۸۰ روپے سے زیادہ نہ تھی،

شادی کے بعد علحدہ مکان میں رہنے لگے تو حصولِ معاش کی فکر لاحق ہوئی، چونکہ شروع سے اس وقت تک تمام زندگی سپاہیانہ کاموں میں بسر ہوئی، اس لیے کسی قسم کا سرمایہ پاس نہ تھا، صرف محنت و مزدوری اور جہاد کے مالِ غنیمت پر گذر اوقات تھا، خیبر فتح ہوا تو آنحضرت صلعم نے آپ کو ایک قطعۂ زمین جاگیر کے طور پر عنایت کی، حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں

[1] ازالۃ الخفا کا خلاصہ ختم ہوا، [2] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس،

باغ فدک کا انتظام بھی اُن کے حوالہ کر دیا، اور دوسرے صحابہؓ کی طرح اُن کے لیے بھی پانچہزار درہم (ایک ہزار روپیہ) سالانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا، خلیفہ ثالث کے بعد مسند نشین خلافت ہوئے تو بیت المال سے بقدر کفاف روزینہ مقرر ہو گیا اور اسی پر آخری لمحۂ حیات تک قانع رہے،

مسند کی ایک روایت مین ہے کہ حضرت مرتضیٰ نے فرمایا ایک وہ زمانہ تھا کہ مین رسول اللہ کے ساتھ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج میرا یہ حال ہے کہ چالیس ہزار سالانہ میری زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے، اس واقعہ مین اور آپ کی ترشی و تنگی و فقر و فاقہ کی روایتون مین کوئی تضاد نہین ہے آپ کی اس آمدنی کا بڑا حصہ خدا کی راہ مین صرف ہوتا تھا اور ذاتی اور خانگی فقر و فاقہ کا وہی عالم رہتا تھا،

کبھی کبھی خانہ داری کے معاملات مین حضرت فاطمہؓ سے رنجش بھی ہو جاتی تھی لیکن آنحضرت صلعم ہمیشہ درمیان مین پڑ کر صفائی کرا دیتے تھے ایک مرتبہ حضرت علی نے ان پر کچھ سختی کی وہ آنحضرت صلعم کے پاس شکایت لیکر چلین، پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے، حضرت فاطمہ نے شکایت کی تو آپ نے فرمایا بیٹی، تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے، حضرت علی نہایت متاثر ہوئے اور انھون نے حضرت فاطمہ سے کہا اب مین تمھارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کرونگا، مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۱۰۹

آنحضرت صلعم نے رحلت فرمائی تو حضرت فاطمہ کو اس قدر غم ہوا کہ اُس کے بعد صرف چھ مہینے زندہ رہین اور اس عرصہ مین ایک لمحہ کے لیے بھی ان کا دل پژمردہ شگفتہ نہوا حضرت علی نے بھی اُن کی دلدہی اور تسلی کے خیال سے خانہ نشین رہے اور جب تک وہ زندہ رہین گھر سے باہر قدم نہ رکھا،

حضرت فاطمہ کے بعد متعدد شادیان کین اور اُن بی بیون سے بھی لطف و محبت کے ساتھ پیش آئے اُن کو اپنے صاحبزادہ محمد بن حنفیہ سے بھی نہایت محبت تھی چنانچہ وفات کے وقت حضرت امام حسن سے اُن کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آنے کی خاص طور پر وصیت فرمائی تھی،

غذا و لباس | حضرت علیؑ کے غیر معمولی زہد و ورع نے اُن کی معاشرت کو نہایت سادہ بنا دیا تھا کھانا عموماً روکھا پھیکا کھاتے تھے اعمدہ پوشاک اور قیمتی لباس سے بھی شوق نہ تھا، عمامہ بہت پسند کرتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے العمائم تیجان العرب یعنی عمامے عربون کے تاج ہین، کبھی کبھی سپید ٹوپی بھی پہنتے تھے، کرتے کی آستین اسقدر چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ آدھے کھلے رہتے تھے تہمد بھی نصف ساق تک ہوتی تھی کبھی صرف ایک تہمد اور ایک چادر ہی پر قناعت کرتے اور اسی حالت مین فرائض خلافت ادا کرنے کیلیے کوڑا لیکر بازار مین گشت کرتے نظر آتے تھے، غرض آپ کو ظاہری نمایش اور طمطراق کا مطلق شوق نہ تھا، پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، لوگون نے اسکے متعلق عرض کیا تو فرمایا یہ دل مین خشوع پیدا کرتا ہے، اور مسلمانون کیلیے ایک اچھا نمونہ ہے کہ وہ اسکی پیروی کرین، بائین ہاتھ مین انگوٹھی پہنتے تھے، اور اسپر ملک لله نقش تھا،

حضرت علیؑ پر سردی و گرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا کیونکہ رسالتمآب صلعم نے غزوہ خیبر مین انکے لیے دعا فرمائی تھی اللهم اذهب عنه الحر والبرد یعنی اے خدا اس سے گرمی و سردی دور کر، اس کا اثر یہ تھا کہ وہ جاڑے کا کپڑا گرمی مین اور گرمی کا لباس جاڑے مین زیب تن فرماتے اور اس سے کوئی تکلیف نہ ہوتی،

حلیہ | حلیہ یہ تھا، قد میانہ، رنگ گندم گون، آنکھین بڑی بڑی، چہرہ پُر رونق و خوبصورت، سینہ چوڑا، اسپر بال بازو اور تمام بدن گٹھا ہوا، پیٹ بڑا اور نکلا ہوا اور سر مین بال نہ تھے یا تو فطرۃً نہ تھے، یا سر گھٹایا کرتے تھے ایک روایت مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مین نے آنحضرت صلعم کو کہتے سنا ہے کہ سر کے بال کے نیچے نجاست ہوتی ہے، اسی لیے مین بالون کا دشمن ہون، ایک روایت مین ہے کہ ایک شخص نے آپ کے پیچھے دو گیسو پڑے دیکھے مگر زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ کے سر مین بال نہ تھے، ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی کہ ایک مونڈھے سے دوسرے مونڈھے تک پھیلی تھی آخر مین بال بالکل سپید ہو گئے تھے، اور شاذ تمام عمر مین ایک دفعہ بالون مین مہندی کا خضاب کیا تھا،

لہ مسند احمد ۱/۹۹

ازواج و اولاد | سیدۂ جنت حضرت فاطمہ زہرا کے بعد جناب مرتضیٰ نے مختلف اوقات مین متعدد شادیان

ئیں اور اُن سے نہایت کثرت کے ساتھ اولادیں ہوئیں تفصیل حسب ذیل ہے،

حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی تھیں ان سے ذکور میں حسن حسین محسن، اور لڑکیوں میں زینب کبریٰ اور ام کلثوم کبریٰ پیدا ہوئیں محسن نے بچپن ہی میں وفات پائی،

ام البنین بنت حزام ان سے عباس جعفر عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے ان میں سے عباس کے علاوہ حضرت امام حسین کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے

لیلیٰ بنت مسعود انھوں نے عبید اللہ اور ابوبکر کو یادگار میں چھوڑا لیکن ایک روایت کے مطابق یہ دونوں بھی امام حسین کے ساتھ شہید ہوئے

اسماء بنت عمیس ان سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے،

صہبا یا ام حبیب بنت ربیعہ یام ولد تھیں ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں عمر نے نہایت طویل عمر پائی اور نوے یا پچاسی برس کے سن میں ینبوع میں وفات پائی،

امامہ بنت ابی العاص یہ حضرت زینب کی صاحبزادی اور آنحضرت صلعم کی نواسی تھیں ان سے محمد اوسط تولد ہوئے

خولہ بنت جعفر محمد بن علی جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے

ام سعید بنت عروہ ان سے ام الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں

محیاۃ بنت امرء القیس ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی مگر بچپن ہی میں قضا کر گئی،

متذکرہ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد لونڈیاں بھی تھیں اور ان سے حسب ذیل لڑکیاں تولد ہوئیں

ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ، نفیسہ

غرض حضرت علیؓ کی سترہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے تھے، ان میں سے پانچ سے سلسلہ نسل جاری ہوا

ان کے نام یہ ہیں، امام حسن، امام حسین، محمد بن حنفیہ، عباس، عمرؓ

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ



سیرۃ عائشہؓ

(طبع دوم)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب وفضائل واخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات اور اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات، قیمت ہے

اَلفَارُوق

(حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت) اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسوں ایڈیشن فروخت ہو رہے ہیں مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ ایڈیشن کی تلاش تھی مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور صحیح ملبغ سے اس کا نیا ایڈیشن تیار کرایا ہے جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ مطلا ٹائیٹل ضخامت ۳۱۹ صفحے قیمت للعہ

خطبات مدراس

مولانا سید سلیمان ندوی نے پچھلے سال مدراس میں سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر جو آٹھ خطبے دلکچر، دیے تھے وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپکر تیار ہیں چھپنے سے پہلے اس کے نصف آرڈر آچکے ہیں یہ اس لائق ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں میں ہدیۃً تقسیم کیے جائیں ضخامت ۱۹۰ صفحے قیمت عہ

سیرۃ النبی

رسول اللہ صلعم کے حالات، غزوات اور اخلاق و عادات کے متعلق بہت سے رطب و یابس واقعات تاریخ و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں، لیکن اس کتاب کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اس قسم کی تمام روایتوں سے قطع نظر کر لی گئی ہے، اور صرف وہ واقعات بیان کیے گئے ہیں جو قرآن مجید اور احادیث میں مذکور ہیں، اور جنکی صحت میں کسی قسم کے شک شبہ کی گنجائش نہیں، تاریخ و سیر سے بھی وہی واقعات لیے گئے ہیں جنکی صحت پر عقلی و نقلی حیثیت سے کوئی اعتراض واقع نہو،

اب تک اس کتاب کے تین حصے شایع ہو چکے ہیں اور تین حصے اور باقی ہیں، پہلے حصے میں ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات ہیں، اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے جسمیں سیرت کی کتابوں پر تنقید کی گئی ہے، اور اُن کی خصوصیات بتائی گئی ہیں، اسی مقدمہ میں آپکی سوانح کے متعلق اور بھی چند اہم اور اصولی مباحث مذکور ہیں، دوسرے حصہ میں آپ کی وفات، آپکے اخلاق و عادات اور اعمال و عبادات وغیرہ کا مفصل بیان ہے، اور یہ حصہ تمامتر قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے،

تیسرے حصہ میں آپکے معجزات و خصائص نبوت پر بحث ہے، اسمیں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کی گئی ہیں، پھر اُن معجزات کی تفصیل ہے جو بروایت صحیحہ ثابت ہیں، اس کے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کی گئی ہے، قیمت باختلاف کاغذ حصہ اول تقطیع خورد للعہ، حصہ دوم تقطیع کلان عہ ۱۲، حصہ دوم تقطیع خورد صہ، حصہ سوم تقطیع کلان عہ، ،

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ